صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳۰	۳	کھینچنے	کھنچے
۱۳۳	۷	ل	دل
۱۳۳	۱۲	کرتے	کرتے ہم
۱۶۱	۳	ہوں اس	ہوں میں اس
۱۸۲	۴	کھنچو	کھینچو
۱۹۱	۸	عذاز	عذار
۱۹۹	۳	ترے	تیرے
۲۰۰	۱۸	الف	الفت
۲۲۵	۱۸	تن	تنگ
۲۵۴	۲۱	شپ	شب
۲۵۵	۱۹	لہ	نہ
۳۰۹	۱۸	گذر	گذرد
۳۱۴	۲۰	صعومہ	صومعہ
۳۲۱	۵	برو	برد
۳۲۶	۱۵	نیسپ	نیست
۳۲۶	۱۷	مدعم	منعم
۳۳۴	۲	شیقتہ	شیفتہ
۳۶۶	۹	زلیست	زیست
۳۷۳	۱۷	تیزی	تیری
۳۹۱	۱۹	دیکھے	دیکھیے
۳۹۳	۲۳ (حاشیہ)	چھائئی	چھانئی
۳۹۵	۲	برز	باز
۳۹۶	۱۸	رم	محرم
۳۹۷	۲۳	جسم	چشم

اغلاط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
		فہرست	
۹	۵	سونے	سوتے
۹	٦	جاناں	جانا
		مقدمہ	
۳۲	۱۲	ضروت	ضرورت
۳۵	۲	فلیسفیانہ	فلسفیانہ
		غزلیات	
۱۵	۱۴	غدر	عذر
۳۱	۵	ایب	اب
۳۱	۹	آخرر	آخر
۳۱	۱۳	بسممل	بسمل
۳۵	۲۲	وعویٰ	دعویٰ
۵۸	۹	کردوں	گردوں
٦۸	۷	کچھ	کیوں
۹۳	۴	دیک ھ	دیکھ
۱۰۷	۷	تقدیر	تقریر
۱۲۷	۱٦	شوخ	چرخ

جل جل کے میرے دل کی طرح خاک ہو گیا
اے آہ سینہ سوزیٔ ہمدم کہاں تلک

میں صحن اس کے گھر کا سمجھتا ہوں گور کو
اللہ مجھ سے تنگ ہے عالم کہاں تلک

سینے کے سارے آبلے ناسور ہو گئے
اے دست عیش وصل کا ماتم کہاں تلک

ہے جستجوے یار میں سعی رہ عدم
اے شوق دیکھیے کہ رہے دم کہاں تلک

تاثیر کو بھی آگئی موت اس کے ساتھ ھائے
کھایا کروں امید اثر سم کہاں تلک

اس زندگی سے میرا دم آیا ہے ناک میں
آخر تحمل قلق و غم کہاں تلک

اللہ سینہ کوبیوں سے ھاتھ تھک گئے
پیٹیں گے اپنی جان کو یوں ہم کہاں تلک

اے مرگ اس عذاب سے آکر چھٹا مجھے
مومن ہوں قید خانہ ہے دارالفنا مجھے

ظالم تری کدورت بےجا کو کیا کہوں
نایاب ہو وہ در ثمیں اے فلک دریغ

کیوں لے گیا بہشت میں اس رشک حور کو
پیدا کہاں ہیں ان سے حسیں اے فلک دریغ

سوچا نہ کچھ اعادۂ معدوم ہے محال
نسیاں[۲] جو دم بدم ہے ہمیں اے فلک دریغ

سوز غضب سے ہے کرۂ نار سینے میں
اک مشت خاک اور یہ کیں اے فلک دریغ

اس کو کہ جس کا نقش قدم رشک مہر ہو
کرتے ہیں خاک مال کہیں اے فلک دریغ

یہ نالہ ہاے شعلہ فشان و زبانہ زن
پھونکیں گے تابہ عرش بریں اے فلک دریغ

ہم پائمال مرگ بھی اب سر اٹھائیں گے
جیتے رہے تو حشر کو مہماں بنائیں گے

اے جوش نالہ کاوش ہر دم کہاں تلک
یوں موت سے شکایت پیہم کہاں تلک

اس مہروش کو روز کے رونے سے کیا حصول
اے اشک بے قراریٔ شبنم کہاں تلک

گردن جھکی ہوئی بھی وہی بار دوش ہے
اے دل خیال ابروے خوش خم کہاں تلک

---

۲ نسخہ مطبوعہ مطبع نول کشور طبع ۱۸۷۶ع- اور ۱۸۸۰ع (ص ۱۷۷)
میں یہی مصرع ہے لیکن طبع ۱۹۳۰ع میں یہ مصرع ہے-
نسیان چوھر دھمیں اے فلک دریغ

گھِستے تھے ان کو جان قیامت میں خاک سے
کس منھ سے سر اٹھائیں گے ہم شرمسار حیف

دل کی لگی نہ آتش یاقوت کو ہوا
کیا خاک ہوگیا گہر آب دار حیف

جو گل رخوں کی قبر پہ جاتا نہ تھا کبھی
چڑھتے ہیں اس کی گور پہ اب گل ہزار حیف

ہر دم زمیں کو زلزلہ میری تپش سے ہے
وہ شوخ خاک میں بھی رہا بے قرار حیف

اللہ مرگ کی بھی بر آئی نہ آرزو
مایوس ہو گیا دل امیدوار حیف

زندہ رہوں میں اور وہ مر جائے ہم‌نفس
کیا اعتبار ہستیٔ بے اعتبار حیف

یہ نیم‌جاں بھی کاش اجل کی پسند ہو
شیون کا غلغلہ مرے گھر سے بلند ہو

وہ مہر جلوہ زیرا زمیں اے فلک دریغ
گردوں نشیں‌ہو خاک نشیں‌اے فلک دریغ

ایسے مہ دو ہفتہ کو رنج خسوف ہو
دوراں کا اعتبار نہیں اے فلک دریغ

ہر گز سوائے روز قیامت نہ ہو صعود
اتنا ہبوط زہرہ جبیں اے فلک دریغ

یوسف لقا و گرگ اجل اے زمانہ آہ
عیسیٰ نفس ہو مرگ گزیں اے فلک دریغ

---

۱ نسخۂ مطبوعہ مطبع نول کشور طبع ۱۸۷۶ع اور ۱۸۸۰ع (ص ۱۷۷) طبع ۱۹۳۰ع (ص ۲۵۸) ''ریز'' غلط ہے صحیح ''زیر''۔

جس کو شکستن دل عاشق عذاب ہو
وہ اور جاں کنی کے محن وا مصیبتا
جو عرض مہر تازۂ مہ سے ہو سرنگوں
اس پر جفاے چرخ کہن وا مصیبتا
تشبیہ آئینہ سے جو ہوتا تھا آب آب
مل جائے خاک میں وہ بدن وا مصیبتا
دیتے تھے حوروش بھی جس آرام دل پہ جان
اس کا غم ہلاک شدن وا مصیبتا
جھومر دھرے سے ٹوٹتے تھے جس کے ہاتھ پاؤں
وہ زیر بار تاب شکن وا مصیبتا
پھولوں کو جس کی بو نے ملایا تھا خاک میں
ہے اس کی خاک وقف سمن وا مصیبتا
وہ خانہ باغ عیش محل جس کا نام تھا
کہتے ہیں اس کو بیت حزن وا مصیبتا
کیا اعتبار دھر کا عبرت کی جا ہے یہ
عشرت سرا کبھی کبھی ماتم سرا ہے یہ
کیا میرا سدراہ ہے سنگ مزار حیف
چھاتی کا پتھر ان کی ہوا انتظار حیف
یا رب زمیں پھٹے کہ سما جاؤں ورنہ کیا
لیلیٰ کو منھ دکھاے گا وہ اشک بار حیف
ہوں غرق آب شرم کہ ڈوبا نہیں ہنوز
بے آبروئی مژۂ اشک بار حیف
اے مرگ جسم لطف کہ حسرت سے مرتے دم
دیکھا کیے وہ میری طرف بار بار حیف

سرو فتادہ قامت محشر خرام ہے
کیا ہوگئی وہ شوخیٔ رفتار ہائے ہائے

ہم خواب مہ جبیں کی مری آنکھ مند گئی
کیا سوگئے ہیں طالع بیدار ہائے ہائے

وہ شمع مہر پرتو مہ جلوہ بجھ گئی
دن رات ہے فروغ شب تار ہائے ہائے

ہے کچھ خبر بھی گھر مرا ویران ہوگیا
سر پھوڑو اپنا اے در و دیوار ہائے ہائے

اب پوچھے مجھ سے عاشق بےکس کی بات کون
اس میں نہیں ہے طاقت گفتار ہائے ہائے

روتا ہوں جان کو ملک‌الموت کی ذرا
کر میرے ساتھ تو بھی غم خوار ہائے ہائے

اے چرخ یارکش تجھے پاس وفا نہیں
میں اور رنج و محنت و آزار ہائے ہائے

اس مہروش کی مرگ نے خفاش کردیا
ہے اضطراب مانع دیدار ہائے ہائے

نظارہ ہے محرک ماتم ہزار حیف
ابرو ہوا ہلال محرم ہزار حیف

مدفن بنے زمین چمن وا مصیبتا
معدوم ہو وہ غنچہ دہن وا مصیبتا

جس نازنیں صنم پہ گراں تھا حریر چیں
اس کا غلاف کعبہ کفن وا مصیبتا

دے منکر و نکیر کو ناچار وہ جواب
جو حور سے کرے نہ سخن وا مصیبتا

ہاتھوں سے اپنے مہرۂ تریاک کھو دیا
بگڑا ہے کھیل کیا فلک حقہ برز کا

پہلے ہی اذن عام کہا نعش یار پر
غیرت سے انتظار نہ دیکھا نماز کا

سر پیٹتی ہیں حلقۂ ماتم میں قمریاں
نخل عزا ہے آہ یہ کس سرو ناز کا

کب پہنچے باغ خلد میں ہم سے گناہ گار
ہے تنگ قافیہ ہوس ہرزہ تاز کا

زندہ ہی دفن کر دو مجھے دوستو کہ اب
محتاج کون ہو اجل بے نیاز کا

ہے کفر مت کہہ اب اسے کس سے وصال ہے
اے محرم آہ فائدہ افشاے راز کا

گستاخ نالے فتنۂ محشر جگائیں گے
خواب عدم میں چین ہے گر خواب ناز کا

گر گلشن خلیل جلا دے تو کیا عجب
شعلہ ہمارے سوز سمندر گداز کا

نادان دل کو مرگ کا اب تک یقیں نہیں
اللہ کیا گمان تھا عمر دراز کا

خودکام ہے عجب مجھے سر جانے کا ترے
کام آئے تیرے کیوں نہ لب جاں فزا ترے

کھودی خزاں نے رونق گل زار ہائے ہائے
پژمردہ ہوگئے گل رخسار ہائے ہائے

پھرتی نہ تھی جو پردہ نشیں گھر میں بے حجاب
نعش اس کی جائے ہے سر بازار ہائے ہائے

میں مر رہا ہوں اس کی بلا کو خبر نہیں
ناصح کی بات کون سنے نوحہ گر نہیں

مجھ پر بھی ہے عذاب شب اولین گور
اے موت آ کہ تاب قلق تا سحر نہیں

ایسا کہ اس سے عرض کرے جا کے یہ پیام
ملتا جہان میں کوئی پیغام بر نہیں

یاں جوش غم میں موت سے بدتر ہے زندگی
آپ آ کے دیکھ جائیے باور اگر نہیں

میرا لہو پیے جو گلا کاٹنے نہ دے
ہمدم خیال تیغ مژہ میں اثر نہیں

اے ہمنشیں تڑپنے نہ دے خاک پرذرا
ایسا تو آسماں بھی بے دادگر نہیں

پتھر پہ سر پٹکنے دے اے مہرباں کہ آج
بازوے نرم نرم وہ بالین سر نہیں

چھوڑ آستیں کہ جامۂ ہستی قبا کروں
غم خوار دھیان آیا کہ میں جامہ در نہیں

بے چارہ بے قرار ہے درماں کی فکر میں
آگاہ میرے درد سے مشفق مگر نہیں

بے فائدہ نہیں ہیں مری خاک بیزیاں
اس کے حصول کی مجھے ہمدم خبر نہیں

اس سیم تن کو ہائے ملایا ہے خاک میں
گردوں نے گنج حسن چھپایا ہے خاک میں

ویراں ہے خانہ جلوۂ حیرت طراز کا
آئینہ دیکھتا ہے منھ آئینہ ساز کا

دل جو نہ جان کہا تو بھلا خاک کھائیے
غم بھی دیا فلک نے تو کیا بے مزا ہمیں

شیریں نہیں وہ خون کہ پیتے ہیں جائے آب
شکوہ ہے اپنے طالع شوریدہ کا ہمیں

چھلنی تو پاؤں ہو گئے اس جستجو میں ہائے
بے جا ہے خاک چھاننی[1] وہ کب ملا ہمیں

اس تک پہنچنے کی کوئی تدبیر ہی نہیں
اے کاش خضر آن کے ہو رہنما ہمیں

اس گھر کو دے کے گلشن شداد سے مثال
گرتے ہیں در پہ تاکہ اٹھا لے خدا ہمیں

جنبش نہیں کہ زخم کوئی کارگر لگے
تیغ مژہ کا لاکھ تصور بندھا ہمیں

بجلی نہ ایک بار گری ہم پہ یا نصیب
دن رات گو خیال تبسم رہا ہمیں

دامن پکڑ کے روئیں نہ کیوں ایک ایک کا
جب چھوڑ جائے بے کس و تنہا قضا ہمیں

یہ جوش اشک خاک میں مل جائے اے خدا
ہے اس سے ایسی مہر و وفا پر گلا ہمیں

کیا کیا کدورتیں ہیں دل ناصبور میں
کیوں نیند آ گئی اسے آغوش گور میں

---

۱ - نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۷۶ع اور طبع ۱۸۸۰ع میں (ص ۱۷۵) ''چھانتے'' اور طبع ۱۹۳۰ع (ص ۲۵۵) میں ''چھانتی'' تصحیح قیاسی ''چھانئی'' مرتب ۔

کیا ماجرا لکھوں میں کہ تاب رقم نہیں
ہیں نالہ ہائے صور صریر قلم نہیں
اٹھی ہے نعش خوش قد محشر خرام کی
یہ حادثہ نزول قیامت سے کم نہیں
ایسا گیا کہ یاں تلک آنا محال ہے
کہتے تھے ہم کہ اس کی طبعیت میں رم نہیں
جا کر رہیں گے عرش پہ ارباب تعزیہ
اس جوف میں سمائے یہ ایسا الم نہیں
وحشت مری نگاہ سے ہو کیوں نہ جلوہ گر
آتا نظر وہ سلسلۂ خم بہ خم نہیں
پہنچا دیا ہے بے خودیوں نے قریب مرگ
اے چارہ گر اب آپ میں آئے تو ہم نہیں
یہ زندگانی اہل ہوس کو نصیب ہو
میں ناتواں سزائے جفا و ستم نہیں
بیداد یکہ تازی ترک فلک نہ پوچھ
کوئی نہیں جہاں میں کہ پامال غم نہیں
اہل زمانہ دیدۂ بادام کی طرح
وہ آنکھ پھوڑ ڈالتے ہیں جس میں نم نہیں
از بس کہ ہے جہاں سے اٹھ جانے کا خطر
اب حضرت مسیح کے بھی دم میں دم نہیں
افسوس یوں وہ جان جہاں جائے ہات سے
دینا تھا غسل خضر کو آب حیات سے
اس حوروش سے ہائے کیا ہے جدا ہمیں
اس زندگی کے ہاتھ سے مرنا پڑا ہمیں

عیب و حجاب شمع رخان جہان گیا
وہ مہر آسمان نکوئی کہاں گیا

یہ گلستاں سرائے تماشا نہیں رہا
وہ نو بہار گلشن دنیا نہیں رہا

افسوس کوئی پردہ نشیں پردہ در نہیں
وہ حسن جس سے عشق ہو رسوا نہیں رہا

حیف اپنی تلخ کاسی و شوریدہ طالعی
جس سے کہ زندگی کا مزا تھا نہیں رہا

اے چرخ چاہنے سے رہے روزگار کو
کیا چاہیں روزگار تمنا نہیں رہا

اپنی خرابیوں کو کہاں جا کے روئیے
وہ شمع روے انجمن آرا نہیں رہا

دل میں جگہ نہ ہونے کا کس سے گلہ کروں
وہ قدردان شکوۂ بے جا نہیں رہا

کس کو گلے لگائیے اے شوق ہم کنار
وہ خوش گلوے سینہ مصفا نہیں رہا

کس سے نباہیے کہ سوائے وفات کے
دنیا میں ہائے نام وفا کا نہیں رہا

اب کس کو دیکھیے کہ کسی کو نہ دیکھیے
وہ پردہ سوز چشم تماشا نہیں رہا

اس نور چشم حسن کو کیوں کر نہ روئیے
آنکھوں میں رہوے اب کوئی ایسا نہیں رہا

ہر دم جبین آئینہ آلود نم سے تھی
یہ آب و تاب حسن اسی مہ کے دم سے تھی

اتریں گلے سے گھونٹ نہ آب حیات کے
دل آہ زندگانی سے کتنا خفا ہے آج

مرنا یہ کس کا جان سے بیزار کر گیا
ماتم میں سر رہا ہوں میں یہ کون مر گیا

دل کی طرح سے یہ بھی چلی جاں کو کیا ہوا
دم میں نہیں ہے دم مرے جاناں کو کیا ہوا

سر پیٹتا ہے شانہ پڑا دونوں ہاتھ سے
کیا جانے اس کی زلف پریشاں کو کیا ہوا

پیتی ہے اپنا خون دل افسوس سے حنا
اس دست رشک پنجۂ مرجاں کو کیا ہوا

شبنم کو پھر ہے جانب خورشید التفات
شرمندہ ساز مہر درخشاں کو کیا ہوا

دل میں شکن ہے زلف مسلسل کدھر گئی
برہم ہے حال کاکل پیچاں کو کیا ہوا

لذت فزا نہیں الم اس لب پہ کیا بنی
کچھ زخم بے مزا ہیں نمکداں کو کیا ہوا

بوے قباے یوسف گل ہے نسیم میں
اس کی شمیم عطر گریباں کو کیا ہوا

گردش پہ اپنی ناز ہے پھر روزگار کو
اس چشم رشک فتنۂ دوراں کو کیا ہوا

دعویٰ ہے شوخیوں کا غزالان دشت کو
اس خوش نظر کی جنبش مژگاں کو کیا ہوا

کتّاں ہے سینہ چاک رخ ماہ دیکھ کر
اس روے غیرت مہ تاباں کو کیا ہوا

ترکیب بند

(بہ مضمون مرثیہ معشوقۂ حور طلعت ملک شیم
حصلنی وصالہا فی جنت النعیم)

خمیازہ عیش کا مرا دل کھینچتا ہے آج
آغوش رشک حلقۂ اہل عزا ہے آج
برباد شور رعد ہوا آپ اشک ابر
کیسا وفور شیون و جوش بکا ہے آج
جیتے رہے تو لال طمانچوں سے منھ کیا
تغییر رنگ شرم و خجالت فزا ہے آج
پانی کے بدلے منھ میں بھرا آئے ہے لہو
لب کاٹنے میں ہائے کہاں وہ مزا ہے آج
مجھ کو نہ اپنے ساتھ عدم میں لیے گیا
ہر دم شکایت نفس نارسا ہے آج
آواز ہائے ہائے کی آتی ہے متصل
گردوں طلسم گنبد ماتم سرا ہے آج
اتنے کہاں حواس کہ تدبیر مرگ ہو
اپنی خبر نہیں مجھے کیا جانے کیا ہے آج
اے دل خبر لے نغمۂ شادی کو کیا ہوا
لب پر ہمارے نالۂ واحسرتا ہے آج
پیٹے مجھے جو روئے وہ کہتے تھے بارہا
کیا روئیے اسی کا ہمیں پیٹنا ہے آج

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

بد عہدوں سے بات بن نہ آئی
تھی موت بھی دل شکن نہ آئی

کیا بخت عدو فسانہ خواں تھے
کیوں نیند شب محن نہ آئی

کیا جاتی تھی جان بے شکایت
کیوں موت دم سخن نہ آئی

یوں داغ عدو کا شکر اے دل
بے شرم تجھے جلن نہ آئی

قصہ ہے خموشیوں کا لب پر
کیوں آہ زبانہ زن نہ آئی

سمجھے ہے وہ التماس بوسہ
جو بات کہ تا دھن نہ آئی

نس کبّو میں جو خاک میں ہوا پھر
بلبل طرف چمن نہ آئی

کب ٹوٹ کے ناز خصلتوں پر
یہ طبع نیاز فن نہ آئی

اس رشتے کی نازکی تو دیکھو
آواز گیسیختن نہ آئی

جس وقت بگڑ کے لے گیا دل
مومن مجھے کچھ بھی بن نہ آئی

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

گھر آنکھوں میں کر گیا وہ بے دید
دل چھین لیا نظر ملا کر

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

ہے مجھ پہ نگاہ لطف منظور
کیا خوب نظر ہے چشم بد دور

خوش کیوں ہوں بات بات پر آج
ہے اس کی زباں پہ میرا مذکور

کیا آتش دل سے دم رکے ہے
اف کرنے کا بھی نہیں ہے مقدور

میرے دم گرم کے مقابل
بس شمع کے منہ کا اڑ گیا نور

بھولے سے بھی اور کو نہ دیکھوں
جو تم کو وہی ہے مجھ کو منظور

لیکن نہیں حسرت اختیاریء
نظارۂ چرخ سے ہوں مجبور

کیا عشق میں ہو خلاف ناصح
دیوانہ بھی یاں نہیں ہے معذور

اے ہم نفس اب کہاں وہ ایام
ہے دور زماں کا یہ ہی دستور

تھے اپنے پہ اعتماد کیا کیا
دعوے مرے ہیں جہاں میں مشہور

کہتا تھا میں دل کبھی نہ دوں گا
ہر چند کوئی پری ہو یا حور

آتا نہیں صبر دل گئے پر
سمجھاؤں کہاں تک آہ جی کو
کوئی نہ رہا کہ پونچھے آنسو
کیا روؤں میں اپنی بے کسی کو
آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من
پھل پایا فلک نے کیا ستا کر
خاک آہ نے کر دیا جلا کر
مدت میں ہوئی دعا کی تاثیر
اس بت سے ملے خدا خدا کر
کچھ کام نہیں کسی سے ہم کو
کیا چھوٹ گئے ہیں دل پھنسا کر
غیروں سے ملے گا بعد میرے
اے عمر اسے بھی بے وفا کر
کاٹوں کیوں کر نہ وہ گئے ہیں
دامن مرے ہاتھ سے چھڑا کر
کونے میں بٹھا دیا صد افسوس
اس بزم سے رشک نے اٹھا کر
کیا سرمہ ہے اس کے پاؤں کی خاک
روتا ہوں میں آنکھ سے لگا کر
ہر دم جو نظر میں ہے وہ صورت
گو چھپ گئے وہ جھلک دکھا کر
کہتا ہوں کمال رشک سے میں
اے پردہ نشیں ذرا چھپا کر

لوں کیوں نہ بلائیں آہ پیچاں
تصویر ہے زلف خم بہ خم کی

دامن پہ تمہارے جم رہی ہے
ہو خاک نہ میری چشم نم کی

ہے روز جزا کے آنے میں دیر
اب کون دے داد اس ستم کی

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

اک لحظہ نہیں قرار جی کو
موت آئے بس ایسی زندگی کو

اس آفت جاں کو دل دیا ہائے
جو عیب گنے ہے دل دہی کو

پردے نے ترے تو مار ڈالا
اس مضطر ننگ عاشقی کو

اے رشک پری حجاب کب تک
ہے شرم ضرور آدمی کو

میں ناز کہاں تلک اٹھاؤں
انصاف ہے لازم آپ ہی کو

پھرتی ہے نظر میں چشم مے گوں
تسخیر کیا ہے کس پری کو

تڑپا کیجے جب تلک جیے ہم
آرام نہیں یہاں کسی کو

وہ بھی چاہے ہے کم ستاؤں
پر کیا کرے ناز فطرتی کو

امید وصال بھی نہیں یاں
ہے تم سے زیادہ بے نیازی
طول امل وصال کیا ہو
کم ہے شب ہجر کی درازی

سینے میں اک آگ لگ رہی ہے
بھائے کسے میری جاں گدازی
محبوب وہ ہائے دل کا جانا
اللہ رے اس کی ترک تازی

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

پوچھے ہے خبر مریض غم کی
کیا بات ہے اس مسیح دم کی
بجلی تری شوخیوں کے آگے
اے آہ شرر فشاں نہ چمکی

میں جان شکنی کا غم نہ کھاتا
یاد آگئی ہے تری قسم کی
جس وقت وہ یاں سے گھر سدھارے
جاں نے وہیں راہ لی عدم کی

اے اہل عزا وہ سر پہ ڈالو
جو خاک ہے یار کے قدم کی
نالہ فلک نہم سے گزرا
کچھ حد نہ رہی مرے الم کی

وہ کوچہ ہے اشک خوں سے گلزار
رونق ہے یہ ساری اپنے دم کی

کیا یاس مجھے نہ منہ دکھایا
رحمت ہے امید منفعل کو
آئے ہیں سرشک کلفت آلود
تعمیر مکاں کی آب و گل کو
ہے خواب عدم گراں کیا ہے
مالش مگر اس کے در کی سل کو
ہے جوش ہوس بہت نکالوں
گر آپ کہیں تو اس مخل کو
اے ہمدم جاں نواز دلجو
بے دل نہ ہوں کس طرح کہ دل کو
آں شوخ چناں ربود ازمن
گوئی کہ دلم نہ بود ازمن
اللہ ری دل کی ہرزہ تازی
میں اور محبت مجازی
ہندی صنم آفت جہاں ہیں
سوگند پیمبر حجازی
پھر سینے میں آئے مہرۂ دل
دیکھیں تو فلک کی حقہ بازی
ہے رشتۂ جاں پہ زخم نشتر
اے نغمۂ یاس دل نوازی
جولاں سے ہے اس کو قصد پامال
اے خاک نوید سرفرازی
اس چشم کا محو ہوں شب و روز
دیکھو تو مری زمانہ سازی

یہ آئینے کی ہے مہربانی
اب محو ہوئی ستم گری بھی

کیا مشک بھرا ہے زخم دل میں
غش ہوگئی زلف عنبری بھی

تو چھوڑ دے تو بھی میں نہ چھوٹوں
صیاد ہے دام بے پری بھی

یاں کیوں نہ کفن ہو پارہ پارہ
واں ناز سے ہے قبا دری بھی

دن رات اگر یہی ہے رونا
بہہ جائے گا آب عنصری بھی

ہم آج تلک نہ جانتے تھے
ہے ایک ستم یہ دلبری بھی

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

کب تک سیوں پارہ پارہ دل کو
رخصت ہے شکیب جاں گسل کو

اس تنگ دھن نے کیا کہا کیوں
چپ لگ گئی ناصح خجل کو

تھا ضعف بھی طاقت آزما رات
توڑا کیے جان مضمحل کو

مارا ترے ناز دم بہ دم نے
کیا روکیے جوش متصل کو

گل رو سے وہ لالہ رو بنا ہے
تشبیہ ہے داغ سے جو تل کو

دن پھرتے کبھی اگر مرے بھی
کیا گردش روزگار ہوتا

کہتا ہے کہ چھوڑا اس کو جس پر
دشمن سا ہے جاں نثار ہوتا

یہ بات زباں سے کب نکلتی
ناصح جو تو دوست‌دار ہوتا

جنت پہ مرے ہے زاھد اے کاش
اس کوّ‌ے میں بھی گزار ہوتا

اس غیرت حور کو بلاؤ
واعظ نہیں شرمسار ہوتا

اے پند شعار ہوش میں آ
کوئی بھی ہے آپ خوار ہوتا

ہم کاھے کو دل کو جانے دیتے
اپنا اگر اختیار ہوتا

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

طالع میں نہیں طرب ذری بھی
منحوس ہے زھرہ مشتری بھی

اے مہر لقا ہے جلوہ لازم
آساں نہیں ذرہ پروری بھی

بے وجہ نہیں ہے مجھ سے چھپنا
عاشق تری حور ہے پری بھی

بے دادگری و سر نگونی
کیا فتنہ ہے چرخ چنبری بھی

دی چرخ نے کس طرح سے ہم کو
آسودگیٔ شکستہ پائی
پروانہ فدائے گل ہے شاید
دیکھا ترا پنجۂ حنائی
اے آہ ذرا بنا دے سیدھا
ہے چرخ میں سخت کج ادائی
اے پردہ نشیں وہی ہے سودا
پھر شکل اگر نظر نہ آئی
تو رشک پری تری بلا دے
آسیب زدوں کو بھی دکھائی
ہوں خاک در اس کا جب فلک نے
گردن مرے سامنے جھکائی
اے یاس وصال سنگ دل ہے
بے فائدہ زور آزمائی
امید نہیں رہی کہ دل کی
ایسے سے ہو کس طرح رہائی
آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من
اس در پہ جو میں غبار ہوتا
شکر دم شعلہ بار ہوتا
اس زود گسل سے خود بگڑتی
گر عمر کا اعتبار ہوتا
بیکار نہ ہوں یہ ڈر ہے اے کاش
ناکام مآل کار ہوتا

یاں بخت وہاں ہیں خواب میں پاؤں
یاں چشم وہاں نصیب بیدار

آئینہ حجاب سے نہ دیکھا
کیا جانے وہ کیا ہے صبر دشوار

میں مرگ و صال سے بھی خوش ہوں
دل جان سے کس قدر ہے بیزار

خود کام ہے وہ مبارک اے دل
ناکامئی شوق ہائے اغیار

دیوانہ نہیں کہ خاک اڑاؤں
عاشق کو ہے سر سے کیا سروکار

خوں ٹپکے ہے اس کی تیغ سے کیوں
کیا تیری مژہ ہے چشم خوں بار

غم کھانے میں کیا مزا اٹھایا
کہتا ہے وہ شوخ مجھ کو غم خوار

اے حسرت پائے بوس قاتل
یاں کام میں ہے زبان زنہار

دل لے گئی اس کی چیرہ دستی
منہ دیکھ کے رہ گیا میں ناچار

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

درد طلب و غم جدائی
دل جاتے ہی کیا مصیبت آئی

دیکھا نہ گئی یہ دل کے ہمراہ
ظاہر ہوئی جاں کی بے وفائی

پردے میں ہے رشک ماہ میرا
کیوں کر نہ ہو دن سیاہ میرا
کیا مرنے کے بعد پاؤں پھیلائے
ہے مقبرہ خوابگاہ میرا
اس سد سکندری کو توڑو
آئینہ ہے سنگ راہ میرا
بس آپ میں آؤ تم کہ شاید
ہو دل میں گزار گاہ میرا
میں کشتہ شہید بے دیت ہوں
ہے شوق ستم گواہ میرا
دیکھا تو نے کہ رنگ بدلا
اے شوخ فسوں نگاہ میرا
مرنا نہیں اختیار کی بات
خود جرم ہے عذر خواہ میرا
اے دوستو ہاتھ سے چلا میں
قابو میں نہیں دل آہ میرا
اے چارہ‌گر اب تو پھینک تبرید
ہے حال بہت تباہ میرا
ناصح انصاف تو ہی کر یار
دل دینے میں کیا گناہ میرا

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

چلون سے ہے حسن کیا نمودار
یوں چھانتے ہیں صفائے رخسار

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی که دلم نه بود از من

لو چھوڑ مجھے جلا گیا دل
ہے اس سے زیادہ بے وفا دل

دلدار کے کھینچنے پڑے ناز
افسوس که میرے پاس تھا دل

یه دشمن جاں تمھیں مبارک
یعنی نہیں میرے کام کا دل

کیوں دعوے دل ربائی اتنا
مائل ادھر آپ ہی ہوا دل

دیتا ہوں دم ایسے فتنہ‌گر پر
انصاف سے دیکھنا مرا دل

اس چشم نے کردیا خراب آہ
تھا ورنه بہت ہی پارسا دل

کیسی مری جان پر بن آئی
اللہ بگڑ گیا ہے کیا دل

گھونٹے ہے کوئی گلے کو ہر دم
کیا بات کروں که ہے خفا دل

ہے محرم راز کیا کہوں میں
کس آفت جان سے لگا دل

اے مونس غم‌گسار ہر دم
کیا پوچھے ہے کیوں که لے گیا دل

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی که دلم نه بود از من

ترجیع بند

ساقی مۓ سرخ رائگاں ہے
خم بھر لے کہ چشم خوں فشاں ہے

لبریز ہوا ہے کاسۂ عمر
کیا دور بلاے ناگہاں ہے

جام مئے عشق سے چھکا ہوں
یہ زہر کشندہ نوش جاں ہے

یک بارگی آ گئی خموشی
بد مستئی شوق سرگراں ہے

اٹھے بھی نہ تھے کہ گر پڑے ہم
کیا لغزش پا زماں زماں ہے

کس پردہ نشیں نے تیز دیکھا
اس جوش پہ راز دل نہاں ہے

یوں غور سے پند گو کی باتیں
سننے کا مرے سبب عیاں ہے

یعنی وہی جاں کر کروں میں ہے
جس بات میں جان کا زیاں ہے

چپ لگنے کا ماجرا نہ پوچھ آہ
کب حرف یہ لائق بیاں ہے

اے ہمدم جاں نواز تجھ سے
کیا دل کی کہوں میں دل کہاں ہے

پھر دل نہ ڈرے بات سے گو بات کو ٹالوں
پھر جان نہ سنبھلے مری ہر چند سنبھالوں
ناچار ہو پھر آپ سے میں تجھ کو منالوں
بے تاب ہو بس دوڑ کے چھاتی سے لگالوں
پھر دل کے نئے سر سے سب ارمان نکالوں
تجھ کو بھی میں اپنا سا وفا دار بنالوں
ہے نام جو پھر تابع فرمان کروں میں
مومن ہوں تو تجھ کو بھی مسلمان کروں میں

یہ نالہ ہو لب پر کہ خدا وند دو عالم
ہم بھی کبھی رہتے تھے جہاں میں خوش و خرم
کس جرم کی تعذیر میں یوں خوار ہوئے ہم
جتنی کہ ہوئی تھی خوشی اتنا ہی ہوا غم
وہ عیش جو یاد آئیں تو کیا کیا نہ ہو ماتم
دل میں کہے سو حسرت و افسوس سے ہر دم
جلتا ہوں میں تو انجمن افروز کہاں ہے
دل داغ ہے تو اے مرے دل سوز کہاں ہے

ہو ان حرکاتوں سے ندامت تجھے کیا کیا
رہ رہ کے خیال آئے کہ یہ میں نے کیا کیا
قسمت ہی بری ہو تو کرے کوئی بھلا کیا
الزام دوں کیوں کر اسے میں اس کی خطا کیا
ہر وقت ہو افسوس کہ ہے ہے یہ ہوا کیا
عاشق نہ رہا کوئی تو معشوق رہا کیا
ہر اک سے کہے کچھ مجھے تدبیر بتا دو
اس وحشیٔ رم خوردہ کی تسخیر سکھا دو

ہر ایک بہانے سے مجھے جلوہ دکھا جائے
ہر آن نئی آن سے بس روبرو آ جائے
ہر لحظہ مرے سامنے سے ہنس کے چلا جائے
ہر وقت شرارت سے نئی آگ لگا جائے
ہر شوخ اشارت سے مرے دل کو لٹا جائے
یہ شعر سدا میرے سنانے کو پڑھا جائے
کیا کیجے ہمیں ناز اٹھانا نہیں آتا
روٹھے کو مناتے یہ منانا نہیں آتا

یوں دل شکن عاشق جاں باز نہ ہووے
ان بوالہوسوں سے کبھی دمساز نہ ہووے
ہر ناکس و کس محرم و ہمراز نہ ہووے
جوں دور زماں حادثہ پرداز نہ ہووے
یار فلک تفرقہ انداز نہ ہووے
بے صرفہ ادا اس سے کوئی ناز نہ ہووے
کیا ذکر ہنسے بولے وہ بے طور کسی سے
کچھ بات ہے وہ بات کرے اور کسی سے

لازم ہے کہ ضد سے تری ہر بزم میں جاؤں
دیکھے کہ نہ دیکھے کوئی احوال دکھاؤں
ہر ایک کو افسانۂ دل چسپ سناؤں
یہ تیری جفا اس کی وفا سب کو جتاؤں
اس شعلہ زبانی سے میں کیا کیا نہ جلاؤں
شاعر ہی تو ہوں شکر و شکایت پہ جو آؤں
مشہور اسے اور تجھے بدنام کروں میں
ناکام تجھے اور اسے خود کام کروں میں

غیروں کو ملاقات سے تیزی حذر آئے
ہر کوئی بہانے سے مرا قصہ سنائے
یوں غیر کی بن آئے تو کیا کیا نہ بنائے
طعنے تجھے دے دے کے جو دم ناک میں لائے
تو بیٹھ رہے شرم سے اور وہ نہ بلائے
پروا نہ کرے کچھ بھی تو جائے کہ نہ جائے
ہرگز سبب ترک ملاقات نہ پوچھے
لگ جائے تجھے چپ پہ کوئی بات نہ پوچھے

کیا قہر ہے کیوں کر نہ اٹھے درد جگر میں
میری تو بغل خالی اور آپ اور کے بر میں
اک آن بھی مجھ سے نہ ملو آٹھ پہر میں
گھر چھوڑ کے اپنا رہو یوں اور کے گھر میں
سنتا ہوں شب و روز تمھیں بزم دگر میں
کیوں کر نہ ہو تاریک جہاں میری نظر میں
ہر روز تو اے مہر درخشاں ہے کہیں اور
ہر رات تو اے شمع شبستاں ہے کہیں اور

ہے وقت اگر دل میں سمجھ جاؤ تو بہتر
اندیشۂ انجام سے پچتاؤ تو بہتر
بے باکئی بے صرفہ سے شرماؤ تو بہتر
جو دل میں ٹھہرتی نہیں ٹھہراؤ تو بہتر
اغیار سے ملنے کی قسم کھاؤ تو بہتر
اب بھی جو ان اطوار سے باز آؤ تو بہتر
معشوق مجھے گر تمھیں عشاق بہت ہیں
یہ یاد رہے میرے بھی مشتاق بہت ہیں

کیا ایسی بنی مجھ پہ کہ پامال جفا ہوں
تم اتنے بگڑ جاؤ میں اس پر بھی نبا ہوں
تم چھوڑ دو یوں اور میں پابند وفا ہوں
تم سے نہ ہوں آزردہ میں گو جی سے خفا ہوں
یہ چاہیے مجھ کو بھی کہ اب اور کو چاہوں
ایسی کسی معشوقۂ دل‌جو پہ فدا ہوں
ہر دم جو سوے عاشق مضطر نگراں ہو
فکر ستم اس کے دل نازک پہ گراں ہو۔

کوئی نہ کہے یہ کہ سکھایا ہے کسی نے
تجھ کو مری جانب سے لگایا ہے کسی نے
بے جرم پہ طوفان اٹھایا ہے کسی نے
ایسا مجھے دیوانہ بنایا ہے کسی نے
یہ جھوٹ نہیں سچ ہے جتایا ہے کسی نے
کیا کیا نہیں آنکھوں سے دکھایا ہے کسی نے
یوں مان لے ایسا کوئی نادان نہیں ہے
تم غیر سے ملتے ہو یہ طوفان نہیں ہے

کیوں لوگ لگے آپ پہ بہتان لگانے
یہ بات تم اس سے کہو جو بات کو مانے
میں نے تمھیں جانا کوئی جانے کہ نہ جانے
سب عذر ہیں بے فائدہ بیہودہ بہانے
کچھ خیر ہے مجھ سے بھی لگے باتیں بنانے
معلوم ہیں سارے مجھے جتنے ہیں ٹھکانے
گر کہیے تو اک ایک کا میں نام بتادوں
یہ پردۂ ناموس کہ ہے چاک اٹھا دوں

یہ بات تو ہے آپ کی گفتار سے ظاہر
یہ چال ہوئی آپ کی رفتار سے ظاہر
اقرار ہے صاف آپ کے انکار سے ظاہر
ہے مستیٔ شب نرگس مے خوار سے ظاہر
عالم ہے خزاں کا گل رخسار سے ظاہر
بد طوریٔ دو شینہ ہے اطوار سے ظاہر
کیا شکل بگاڑی ہے بس اب منہ نہ بناؤ
آئینہ دکھا دیجے تو صورت نہ دکھاؤ

افسوس مرے غم نے نہ کی تجھ میں سرایت
بے فائدہ سے آئے نظر حرف و حکایت
آئی وھی درپیش جو تھی عشق کی غایت
بے جا ھیں گلے سب مری بیہودہ شکایت
بھولے سے جو مل جاتے ہو یہ بھی ھے عنایت
یعنی ھوں سبب پوچھ کے شرمندہ نہایت

ھے رنج بجابات یہ بھائی مرے جی کو
سچ کہتے ہو دل میں نے دیا اور کسی کو

میں ھی تو رہا ھوں کہیں شب کو خوش و خرم
میں نے ھی تو کی بادہ کشی غیر سے باھم
میری ھی نظر سے ھے عیاں نیند کا عالم
آتی ھے جمائی پہ جمائی مجھے ھر دم
انگڑائیاں لیتا ھوں یہ اب میں ھی تو پیہم
میری ھی تو گردن میں پڑا جائے ھے کچھ خم

میری ھی تو آنکھوں میں غضب نیند بھری ھے
میری ھی جبیں ھے یہ جو گھنٹے پہ دھری ھے

میں ھی تو کہیں رات کو بیدار رہا ھوں
میں ھی تو ھم آغوش طلب گار رہا ھوں
میں ھی تو مے وصل سے سرشار رہا ھوں
میں ھی تو کف غیر سے مے خوار رہا ھوں
ملک ھوس تازہ خریدار رہا ھوں
لذت دہ اوباش ھوس کار رہا ھوں

بد مستیاں میری ھی تو آنکھوں سے عیاں ھیں
میرے ھی تو ھونٹوں پہ یہ دانتوں کے نشاں ھیں

ہے طبع میں ہر روز فزوں رنج فزائی
اپنے میں سماتے نہیں کیا دل میں سمائی
یہ تندئی خو تو نہیں، کچھ گرم ادائی
اس شعلہ مزاجی نے مری جان جلائی
ہر ایک سے ہر بات پہ ہوتی ہے لڑائی
کیوں خصلت مذموم پسند آپ کو آئی
کس واسطے بے وجہ غضب ناک ہوئے ہو
کچھ شرم میں تھا عیب کہ بے باک ہوئے ہو

تم گھر میں جہاں آئے کہ گویا غضب آیا
کوئی ہو جہاں سامنے آیا غضب آیا
کچھ خیر تو ہے ایسا کہاں کا غضب آیا
پھر لڑ کے چلے جاتے ہو یہ کیا غضب آیا
سمجھو تو ذرا بات کہ بے جا غضب آیا
گھر والے کہاں جائیں یہ کیسا غضب آیا
بے وجہ عداوت کا سزاوار تو میں ہوں
اوروں پہ ہے کیوں ظلم گنہ‌گار تو میں ہوں

ہر اک سے بگڑ کر مرے دم پر نہ بناؤ
دن رات جہاں رہتے ہو اب بھی وہیں جاؤ
کیوں ہاتھ سے جاتے ہو تم اتنا بھی نہ آؤ
جو تم کو ستایا کریں تم ان کو ستاؤ
دل سرد ہوا تم سے مرا جی نہ جلاؤ
اس گرمئی الفت کو بس اب آگ لگاؤ
کب تک جلے کوئی یہ تپش خاک میں جل جائے
ٹھنڈا ہو کلیجا جو کہیں سوزش دل جائے

وہ مہر وہ الفت وہ محبت ہی نہیں ہے
یا طبع میں الطاف تھے، یا بر سر کیں ہے
بیہودہ سدا ابروے خمدار میں چیں ہے
بے وجہ شب و روز شکن زیب جبیں ہے
آتے ہی یہاں بس چلے جانے کی مکیں ہے
اب ہوش کہاں آپ کہیں دھیان کہیں ہے
فرق آہ پڑا طرز ملاقات میں کیسا
غصہ ہی چلا آتا ہے ہر بات میں کیسا

وہ پیچ وہ خم طرۂ طرار کہاں ہے
وہ کش مکش کاکل خمدار کہاں ہے
وہ نازکئی نرگس بیمار کہاں ہے
وہ تازگیٔ و رونق رخسار کہاں ہے
وہ بوے تن رشک سمن زار کہاں کے
وہ رنگ رخ غیرت گلنار[1] کہاں ہے
گلگونہ سے چہرے پہ کدورت ہی نہین اب
بدلے گئے کچھ تم تو وہ صورت ہی نہین اب

۱- گلزار -

دیکھو تو ادھر کو کہ کبھی یار تھے ہم بھی
غیروں کی طرح محرم اسرار تھے ہم بھی
سر مست مے حیرت دیدار تھے ہم بھی
آئینہ نمط پشت پہ دیوار تھے ہم بھی
منظور نظر صورت اغیار تھے ہم بھی
اس چشم عنایت کے سزا وار تھے ہم بھی
یوں شربت دیدار سم آمیز نہیں تھا
کچھ نرگس بیمار کو پرہیز نہیں تھا

کہیے تو یہ کیا بات ہے قربان تمھارے
کچھ طور نظر آتے ہیں بدلے ہوے سارے
ہے ناز لہ ایما نہ ادائیں نہ اشارے
اب کس لیے رہتے نہیں تم گھر میں ہمارے
آئے کبھی برسوں میں تو آتے ہی سدھارے
بیٹھے بھی اگر پاس تو چپ شرم کے مارے
پھر کس لیے گھونگھٹ رخ روشن پہ لیا ہے
پھر کیوں نئے سر سے وہی پہلی سی حیا ہے

وہ ہی تو ہوں میں ہمدم و دمساز تمھارا
مد نظر چشم نظر باز تمھارا
وہ جس کے ہوا صرف سب انداز تمھارا
اک عمر تلک جس پہ رہا ناز تمھارا
وہ محرم ہر غمزۂ غماز تمھارا
پوشیدہ نہ تھا جس سے کوئی راز تمھارا
حسن آئینۂ دیدۂ دیدار طلب تھا
سر حلقۂ عشاق وفادار لقب تھا

یعنی که دل اس دشمن جانی سے پھرا اب
گو تھا مرض‌الموت پہ ممکن ہے شفا اب
بے طاقتئی جاں نہیں آزارفزا اب
سینے سے مرے ہاتھ جدا ہونے لگا اب
وہ عشق کی خاطر ہے نہ وہ پاس وفا اب
وہ فتنے کی الفت ہے نہ وہ شوق بلا اب
کچھ کام نہیں پیچ و خم زلف دوتا سے
کھایا کرے بل سیکڑوں اب میری بلا سے

اک عمر تلک زلیست سے بیزار رہا میں
سر مشق غم و وقف صد آزار رہا میں
معشوق کے پرہیز سے بیمار رہا میں
بے جرم جفاؤں کے سزا وار رہا میں
کیا کیا نہ مصیبت میں گرفتار رہا میں
افسردۂ دل گرمئی اغیار رہا میں
آخر تپش اس آتش خاموش میں آئی
جاں گرمئی غیرت سے غضب جوش میں آئی

کل گھر میں وہ بیٹھے تھے سراسیمہ و حیراں
اس حال کے دیکھے سے ہوا حال پریشاں
غصے کے سبب چھپ نہ سکی رنجش پنہاں
سمجھا میں کہ یوں بھی تو ہے مایوسی و حرماں
انصاف کرو صبر کرے کب تلک انساں
نا چار کہا طعن سے میں نے کہ مری جاں
کس سوچ میں بیٹھے ہو ذرا سر تو اٹھاؤ
گو دل نہیں ملتا ہے پر آنکھیں تو ملاؤ

مثمن

(روضۂ گلستان دل فروز و گل فشانئی مضامین واسوز)

اے چارہ گر آچک کہ دم چارہ گری ہے
میں جان سے مرتا ہوں تجھے بے خبری ہے
کیوں پہلے ہی درماں سے یقیں بے اثری ہے
اپنی سی تو کر دیکھ عبث نسخہ دری ہے
ہو جاؤں میں جاں بر تو تری ناموری[1] ہے
یوں دعوے بے صرفہ تو بیہودہ سری ہے
کر ہم سے مریضوں کی دوا ہووے تو جانیں
بیمار محبت کو شفا ہووے تو جانیں

ہر چند کہ درماں ہی نہیں عشق بتاں کا
زخم دل مجروح پہ لگتا نہیں ٹانکا
مرنا قلق ہجر میں بچنا ہے یہاں کا
پر شکر ہوا سہل علاج اپنی تو جاں کا
وہ حال نہیں ہے دل بے تاب و تواں کا
تھمتا نظر آتا ہے لہو زخم نہاں کا
تاثیر دوا اب تری کر جائے تو کر جائے
ہر چند کہ نا سور ہے بھر جائے تو بھر جائے

۱۔ نسخۂ نول کشور طبع ششم ۱۹۳۰ع (ص ۲۴۰) میں ''نام بری'' غلط اور نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۷۶ع (ص ۱۶۴) ''ناموری'' صحیح

نکلے ہر بار نئی طرز ملاقات میں بات
بذلہ آمیز بیاں حرف و حکایات میں بات
کس ادا سے کرے ایما و اشارات میں بات
ہر سخن میں سخن نغز ہو ہر بات میں بات
چپ ہی لگ جائے تجھے جب وہ فسوں گر بولے
ہر جگہ بند کرے جب وہ زباں کو کھولے

رات دن نغمہ سرا زمزمہ پرداز رہے
اپنے شوریدۂ ناکام سے دمساز رہے
طعن و تشنیع میں بھی چاشنیٔ ناز رہے
سخن تلخ سے لذت دہ انداز رہے
گالیاں جب لب شیریں سے سنائے تجھ کو
دانت کھٹے ہوں ترے بات نہ آئے تجھ کو

دعوے نیکوئی اس سے تری شامت ہووے
جو ترے سامنے ہو تجھ کو ندامت ہووے
روش اک فتنۂ محشر کی علامت ہووے
جب ترے پاس سے نکلے تو قیامت ہووے
لگ چلے بھی تو اگر اس بت مغرور کے ساتھ
پہنچے مرنے کے قریب ایک ہی "چل دور" کے ساتھ

ہائے جی بیٹھ گیا بس کہ اٹھائے ہیں ستم
دل کھنچے کیوں نہ بہت کھینچ چکا رنج و الم
صدمۂ عشق نے بے طور کیا ناک میں دم
ایسا بیزار ہوا ہوں کہ خدا ہی کی قسم
اس نے بھی کام نہ رکھا تو نہ رکھوں گا کام
پھر یہ سمجھوں گا کہ مومن کو بتوں سے کیا کام

جب نہ ہو چاہ تو کس واسطے چاہوں میں بھی
بے وفا نکلے تو کاہے کو نباہوں میں بھی
تم ہو گر فتنۂ دوراں تو بلا ہوں میں بھی
خوب ہی جان رکھو یہ کہ برا ہوں میں بھی

پھر ادھر منھ نہ کروں شکل دکھانا تو کہاں
اس طرف سے نہ چلوں کوچے میں آنا تو کہاں

دل سے ہے عہد کہ ملنے کی قسم کھاؤں گا
آن بیٹھو گے کہیں پاس تو اٹھ جاؤں گا
گھر میں بھی آئے تو صحرا کو نکل جاؤں گا
کیوں کہ کھودوں کہ میں پھر جان کہاں پاؤں گا

دم ہے آنکھوں میں یہ صدمہ مرے دل پر گذرا
گذرے دنیا سے بلا تم ہی سے میں در گذرا

دیکھ لوں گا میں بس اب سہر لقا اور کوئی
برق وش شعلہ روش گرم ادا اور کوئی
آتش خرمن آزار و جفا اور کوئی
شمع کاشانہ فروزان وفا اور کوئی

تو سہی آتش غیرت سے جلاؤں تم کو
تم تو کہتے ہو میں سچ آگ لگاؤں تم کو

وہ پری زاد کہ دیوانہ ہو عالم اس کا
طاق محراب بلا طرۂ خوش خم اس کا
چشم جادو و فسون عشوۂ پیہم اس کا
تیز تیز ایسی نظر دشنہ بھرے دم اس کا

تیغ ابرو کی یہ جنبش ہو کر بس تو کٹ جائے
دست مژگاں کے اشارے سے کلیجا پھٹ جائے

گو سوا شربت دیدار مرا چارہ نہیں
جز نظر تار رفوے دل صد پارہ نہیں
پھر وہاں آن پھروں ایسا بھی آوارہ نہیں
کیا کروں صبر نہیں طاقت نظارہ نہیں

کیوں کہ بدلے ہوے تیور یہ تمھارے دیکھوں
کیوں کہ ان آنکھوں سے غیروں کے اشارے دیکھوں

چھوڑ دینا تھا تمھیں جھوٹ قسم کو نہ مجھے
دل سے کھونا تھا اس انداز ستم کو نہ مجھے
بھول جانا تھا جفاے پئے ہم کو نہ مجھے
نیست کر دینا تھا اندوہ و الم کو نہ مجھے

قابل ترک تھی خوے ستم آرا کہ نہ میں
لائق سہو تھی یہ رنجش بے جا کہ نہ میں

غیر ہیں بے مزہ تو وصل گوارا کیوں ہو
دو جواب ان کو تو پھر عرض کا یارا کیوں ہو
سب سے گذرے تو کسی کا بھی گذارا کیوں ہو
گر پڑے چشم سے جو ان سے اشارا کیوں ہو

کس لیے شعلہ نظر بازیٔ بے باک رہے
پردہ کیوں میرے گریباں کی طرح چاک رہے

ہاے یک بار وہ لطف پئے ہم چھوڑ دیا
انس و اخلاص و دلاسا و کرم چھوڑ دیا
چارۂ رنجش و درمان الم چھوڑ دیا
میں نے بھی آپ کو اس سر کی قسم چھوڑ دیا

اب اگر دو بھی تو داد دل ناکام نہ لوں
گو کہ بد نام ہوا ہوں پہ کبھی نام نہ لوں۔

دم بہ دم کیا مری دل جوئی و دل داری تھی
دوستی تازہ نیا شوق نئی یاری تھی
وصل میں صبح تلک شام سے بیداری تھی
هم کناری و سیه مستی و بے خواری تھی
غش مری بے خودیٔ نشه سے ہونے لگتے
دیکھ کر گریۂ مستی کو بھی رونے لگتے

بے مروت تھی ان آنکھوں میں مروت کتنی
رات دن مد نظر تھی مری الفت کتنی
بدگماں تھی نگه چشم محبت کتنی
دوربیں تھی نظر لطف و عنایت کتنی
بے مروت نظر آتے ہو کہا کرتے تھے
دیکھتے ھی مری چتون کو رہا کرتے تھے

اب تو بے رحمی و بے دردی و بے باکی ھے
بے سبب رنجش و بے وجه غضب ناکی ھے
لطف میں سستی و آزار میں چالاکی ھے
کھو دیا آپ کو کیا وضع یه پیدا کی ھے
جان سے جاتے ھیں ھم اور تمھیں پروا ھی نہیں
ہوگئے ایسے که گویا کبھی کچھ تھا ھی نہیں

اک مصیبت ھے نه کھاتا ہوں نه میں سوتا ہوں
ھے غذا خون جگر ضعف سے غش ہوتا ہوں
یاد ایام ملاقات میں جی کھوتا ہوں
رات دن کلبۂ احزاں میں پڑا روتا ہوں
خنده زن زخم جگر دیکھ کے ھر دم اپنے
یاد آتے ھیں وہ گل خندۂ پیہم اپنے

زلف تھی ہم اثر شام غریباں کس دن
صبح محشر تھا بھلا چاک گریباں کس دن
برق خرمن تھا کبھو خندۂ پنہاں کس دن
سرمہ تھا رشک بلائے شب ہجراں کس دن
خوبیٔ طرز تغافل کی خبر کاھے کو تھی
شوخیٔ جنبش مژگاں پہ نظر کاھے کو تھی

حلقۂ دام نہ تھا حلقۂ گیسو ہرگز
موج شمشیر نہ تھی جنبش ابرو ہرگز
درپۓ قتل نہ تھی طبع جفا جو ہرگز
فتنہ پردازیوں کی کچھ بھی نہ تھی خو ہرگز
چشم فتّاں کو خیال نگہ ناز نہ تھا
غمزہ مانند مرے اشک کے غماز نہ تھا

مجھ سے جب آنکھ لڑی بر سر پیکار نہ تھے
لے گئے جب مرے دل کو تو دل آزار نہ تھے
مجھ کو جب کام پڑا ھے تو جفا کار نہ تھے
ایسے بے درد ستم پیشہ و خوں خوار نہ تھے
طرز عشاق کشی آپ کو معلوم نہ تھی
شہر میں الحذر و ولولے کی دھوم نہ تھی

جان سی آگئی تھی طبع کے آجانے سے
کیا ھی خوش ھوتے تھے دل میں مرے غم کھانے سے
شوخیٔ روز فزوں تھی مرے گھبرانے سے
ھاتھ سے جاتے تھے دل کے مرے ھاتھ آنے سے
یہی دم بھرتے تھے جو دم مرا بھرتا ھے کوئی
اس پہ مرتے تھے کہ اب ہم پہ بھی مرتا کوئی

شوخی و چستیٔ الحال کہاں تھی ایسی
خلق رفتار سے پامال کہاں تھی ایسی
بانگ شور افگن خلخال کہاں تھی ایسی
یہ چلن کاہے کو تھا چال کہاں تھی ایسی
آنچلوں سے کبھو مقیش کہاں جھڑتا تھا
کب دوپٹہ یہ مری طرح گرا پڑتا تھا

گرم تھا یوں ملک الموت کا بازار کہاں
زندگانی سے تھے کم حوصلہ بیزار کہاں
کُو بہ کُو تھی یہ فغاں ہائے عزا[۱] بار کہاں
ہر اشارے پہ چلا کرتی تھی تلوار کہاں
نہر یوں خون کی کس روز بہا کرتی تھی
یہ وہی کُو ہے جہاں خاک اڑا کرتی تھی

تم کو یہ طور یہ انداز کہاں آتے تھے
ستم حادثہ پرواز کہاں آتے تھے
ایسے دم ہائے فسوں ساز کہاں آتے تھے
اس قدر مہر فزا ناز کہاں آتے تھے
یوں الگ رہنے میں عاشق سے لگاوٹ کب تھی
روز بے وجہ بگڑنے میں بناوٹ کب تھی

۱۔ نسخہ نول کشور لکھنؤ (طبع ششم ۱۹۳۰ع ص ۲۳۶ میں "عزا یار" ہے

اب بھی کچھ یاد ھیں وہ روز مری جان تم کو
جن دنوں میں تھے شب وصل کے ارماں تم کو
آئینہ دیکھنے دیتے نہ نگہباں تم کو
اقربا کیسا کیا کرتے تھے حیراں تم کو
گھر میں ھی پھر نہیں سکتے تھے رھا قید میں کیا
آپ یوسف تھے غرض حسن میں کیا قید میں کیا

ھم نشیں ایک ذرا سر نہ اٹھانے دیتے
سر دیوار سے جلوہ نہ دکھانے دیتے
جھانکنے کے لیئے در تک بھی نہ آنے دیتے
کہیں شادی ھو ولے تم کو نہ جانے دیتے
اس پہ پیدا کیے یوں چاھنے والے تم نے
گھر میں بیٹھے ھوے یوں پاؤں نکالے تم نے

اپنے ھی حال میں تھی زلف گرفتار سدا
کھاتی پرھیز سے غم نرگس بیمار سدا
غمزے کو نوک مژہ سے خلش خار سدا
تازہ آزار میں ھر عشوۂ بیکار سدا
آرزو چشم کو وحشی نظری کی کتنی
دست مژگاں کو ھوس پردہ دری کی کتنی

قیدیٔ سلسلۂ زلف دوتا ایک نہ تھا
بے سبب کشتۂ شمشیر جفا ایک نہ تھا
پائمال روش فتنہ فزا ایک نہ تھا
نام رسوا کن انداز حیا ایک نہ تھا
حیرت حسن کے چرچے سے خجل ھوتے تھے
کیسے افسوس سے دیکھ آئنے کو روتے تھے

خوب کرتے ہیں کہ وہ ظلم کیے جاتے ہیں
رنج دینے کو دل اوروں کو دیے جاتے ہیں
داد بے رحمی و بے داد دیے جاتے ہیں
ہم بھی اک اتنی توقع پہ جیے جاتے ہیں
کہ جو ہو اب کے ملاقات تو بدلا لے لیں
جن سے وہ خوب لیے جائیں وہ طعنے دے لیں
چشم فتّاں نگہ شوخ وہ شرما جائے
عرق شرم کے طوفان میں ڈوبا جائے
جی پہ کچھ ایسی بنے رخ پہ تغیر آجائے
بگڑے یہ چہرہ کہ مجھ سے بھی نہ دیکھا جائے
ہووے یہ رنگ کہ پھر منہ وہ دکھا ہی نہ سکے
سر کو راتوں سے مری طرح اٹھا ہی نہ سکے
اب کی ہو گرمئی صحبت تو جلاؤں واللہ
کیا ستایا ہے مجھے جو میں ستاؤں واللہ
روئے تو اور بھی ہنس ہنس کے رلاؤں واللہ
رنگ اڑ جائے پر آئینہ دکھاؤں واللہ
بس وہ حیران ہی رہ جائے وہ حیران کروں
اس کی تصویر نکال اپنے پہ قربان کروں
چھیڑنے کو کہوں ہے ہے وہ زمانہ کیا تھا
کہ شب و روز کوئی آپ کے گھر رہتا تھا
دیکھنا میری بھی صورت کا کوئی شیدا تھا
نام مومن بھی کسی چاہنے والے کا تھا
یا کہیں سب کو رقیبوں کے سوا بھول گئے
مجھ کو پہچانتے ہو کون ہوں یا بھول گئے

هم پہ جو گزرے قلق اُس کی بلا سے گزرے
جان سے جائیں ولے وہ نہ جفا سے گزرے
ہے وفا سے یہی حاصل تو وفا سے گزرے
کب تلک کچھ نہ کہیں ایسی حیا سے گزرے

پاس ناموس ہمیں کیوں ہو جب اُن کو ہی نہیں
جس نظر سے کہ لحاظ آئے تھا اب وو[۱] ہی نہیں

ملک الموت بھی آتا نہیں ہاں کیا کیجے
کچھ توقع نہیں دل جوئیٔ جاں کیا کیجے
نہیں کہنے میں زباں منع زباں کیا کیجے
دم ہی باقی نہ رہا ضبط فغاں کیا کیجے

نالۂ گرم و دم سرد کی طغیانی ہے
کوئی دن اور جو دنیا کی ہوا کھانی ہے

دل کو اُس دشمن جانی سے لگانا ہی نہ تھا
باتوں پر اُس لب دم باز کی جانا ہی نہ تھا
دم میں اُس چشم سخن ساز کے آنا ہی نہ تھا
جور کم سہنے تھے یہ غصہ بڑھانا ہی نہ تھا

اب بھی اے کاش کچھ ایسا ہو کہ جھگڑا جائے
رحم آ جائے اُسے یا مجھے صبر آ جائے

۱- نسخہ اول و ششم نول کشور (طبع ۱۸۷۶ع و ۱۹۳۰ع ص ۱۶۰ ، ۲۳۴) میں ”وہ“ غلط ہے صحیح ”وو“ ہے -

جب سے عاشق ہوئے ہم رنج نہ پائے کیا کیا
لب پہ آئے نہ گلے جی میں گر آئے کیا کیا
کیا کہیں آہ کہ خاطر میں نہ لائے کیا کیا
جب تلک تاب رہی ناز اٹھائے کیا کیا
پر نہیں حوصلۂ نیم ستم بھی اب تو
بے وفا ہائے ہوئے جاتے ہیں ہم بھی اب تو

دل مرے کہنے میں ہووے تو کچھ اب بھی نہ کہوں
پر بگڑ ہی گئی جب بات تو کیوں بات سہوں
اس کو بھی چاہیے طاقت کہ میں چپ بیٹھ رہوں
کچھ بن آتی ہی نہیں ہائے عجب رنج میں ہوں
دل پہ کیا ہاتھ دھروں ہاتھ ہی قابو میں نہیں
سر رہے کس پہ کہ حالت مرے زانو میں نہیں

دل ہے یا دشمن جانی کہ ستاتا ہے مجھے
داغ ہے یا تپ غیرت کہ جلاتا ہے مجھے
جوش ہے یا شب وعدہ کہ پھراتا ہے مجھے
شکوہ ہے یا خبر وصل کہ بھاتا ہے مجھے
غش مگر اس کا تصور ہے کہ آ جاتا ہے
جی بھی معشوق ہے گویا کہ چلا جاتا ہے

واسوخت

(بہ ہماں قالب مسدس)

دوستو عشقِ نہفتہ نے ستایا ہے مجھے
آتشِ شوقِ نہانی نے جلایا ہے مجھے
کیا کہوں کیا غمِ پنہاں نے دکھایا ہے مجھے
ضبطِ وحشت نے یہ دیوانہ بنایا ہے مجھے
چہرۂ راز سے پردہ نہ اٹھاؤں کب تک
گو غمِ پردہ نشیں ہے پہ چھپاؤں کب تک

تابِ پرخاش ستم ہائے نہاں کی حد بھی
قوتِ کشمکشِ آہ و فغاں کی حد بھی
کچھ فریبِ دلِ بے تاب و تواں کی حد بھی
ضبطِ سوزانِ نفس شعلہ فشاں کی حد بھی
کیوں کہ خالی نہ کروں جی کہ بھرا آتا ہے
پیش چلتی جو نہیں غصہ چلا آتا ہے

کب تلک کوئی نہ سر گرمِ حکایت ہووے
کب تلک لب نہ شرر ریزِ شکایت ہووے
ہو تحمل جو تحمل کی نہایت ہووے
کیجیے صبر اگر صبر کی غایت ہووے
کچھ زباں بھی تو نہیں زور کہ چل ہی نہ سکے
غم کچھ ارمان نہیں ہے کہ نکل ہی نہ سکے

جوش اندوہ کے سبب آیا
جب گلہ دل سے تا بہ لب آیا
ورنہ بن تیرے چین کب آیا
میں گیا یاں سے تو غضب آیا

گور دروازے پہ بناؤں میں
موئے پر بھی نہ یاں سے جاؤں میں

پر کروں کیا کہ اختیار نہیں
دل بے تاب کو قرار نہیں
کچھ محبت کا اعتبار نہیں
یعنی اچھا مآل کار نہیں

تم کو خو ہوگئی تغافل کی
یاں نہیں حد رہی تحمل کی

کب تلک یہ جفا سہوں گا میں
اس ستم پر نہ کچھ کہوں گا میں
یہ نہیں ہے تو بس نہ ہوں گا میں
جو کہا ہے سو کر رہوں گا میں

جلے کیوں مومن آتش غم میں
جائے ایسی وفا جہنم میں

دم ترا شوخیوں سے ناک میں لائے
سونگھ کر بو کو تیری ناک چڑھائے
دست گل‌گوں سے اپنے عطر لگائے
بگڑے جتنا تو اور تجھ کو بنائے
بس ترا اس کے ھاتھ سے نه چلے
حسرتوں سے تو اپنے ھاتھ ملے

خوے بد ناز خوش ادا کو کہیے
نقش پا چشم سرمه سا کو کہیے
کہربا روے دل ربا کو کہیے
بند غم کاکل دوتا کو کہیے
طعن و تشنیع ھی سے کام رکھیے
جاے جاے کو تیرے نام رکھیے

شوخیوں سے سدا ستائے تجھے
گرم جوشی میں بھی جلائے تجھے
جال ابتر مرا دکھائے تجھے
قصۂ درد و غم سنائے تجھے
کبھی اب بھی یه تم کو چاھتے ھیں
ایسی صورت په یوں نباھتے ھیں

مت برا مان عرض بے جا کا
کیا گله حرف اھل سودا کا
کر علاج آه تاب فرسا کا
اب تلک وقت ھے مداوا کا
گر مکافات ھجر دل‌جو ھو
پھر وھی میں ھوں اور وھی تو ھو

سب یہ پاس و لحاظ اُٹھا دے وہ
رشک سے جی ترا بٹھا دے وہ
جور و بے داد کی سزا دے وہ
کیا تماشا غرض دکھا دے وہ
کیسے کیسے بہم نظارے ہوں
تیرے دکھلانے کو اشارے ہوں

لعل لب سے جو درفشانی ہو
جلوہ جوں مہر آسمانی ہو
مثل شبنم تو پانی پانی ہو
زرد رو رنگ ارغوانی ہو
تیرے گل برگ خندہ زن پہ ہنسے
مثل گل غنچۂ دہن پہ ہنسے

کہے وہ ہیں یہ کیا بلا زلفیں
خم سے کتنی ہیں کج ادا زلفیں
دور کر ایسی بدنما زلفیں
روسیاہی ہے چھوڑنا زلفیں
یوں جو وہ متصل کرے چوٹیں
تیری چھاتی پہ سانپ سے لوٹیں

بس جلایا کرے شرارت سے
پانی پانی ہو تو حرارت سے
دیکھ تو دیدۂ حقارت سے
جی ہلاوے ترا اشارت سے
طعنے ہر دم ہوں تیغ ابرو پر
چشمکیں تیری چشم جادو پر

ڈھب پر اپنے اسے لگالوں گا
حسرت و آرزو نکالوں گا
تجھ سے بے باک تر بنالوں گا
ناز و انداز سب سکھالوں گا

چاهیے آفت زمانه بنے
غیر نا آشنا یگانه بنے

بزم میں جب وہ جلوہ فرما ہو
کوہ تمکیں سے نالہ پیدا ہو
تیری داماندگی تماشا ہو
رشک پر بھی قیامت اٹھنا ہو

تجھ سے شکل زمیں ھلا کب جائے
اس کی شان و شکوہ میں دب جائے

سر پہ مانند گل بٹھاؤں اسے
تیرے آگے گلے لگاؤں اسے
هاتھ وہ گل سے جب ملاؤں اسے
گلے کا ھار بس بناؤں اسے

دست رنگیں جو یوں حمائل ہو
تو گلا کاٹنے پہ مائل ہو

اس کی جانب رہے نظر هر دم
تهام لوں بس دل و جگر هر دم
کھینچوں میں آہ پر شرر ھر دم
بزم میں اس کو دیکھ کر دم

مسکراؤں ترے رلانے کو
داغ کھاؤں ترے جلانے کو

کوئی بھی اس طرح جلاتا ہے
کوئی بھی اس قدر ستاتا ہے
کوئی بھی اتنا بھول جاتا ہے
یہی رہ رہ کے جی میں آتا ہے
میں بھی پروا تری ذرا نہ کروں
ہوں تو عاشق ولے وفا نہ کروں

وہ جو ہمدم ہے تیری مہ پارہ
شوخ جیسے نجوم سیارہ
وہ بھی ہوتی چلی ہے آوارہ
تازہ تازہ ہے شوق نظارہ
مژہ سے شوخیاں ٹپکتی ہیں
آنکھیں زہرہ نمط جھپکتی ہیں

پردے کو دم بہ دم آٹھا دینا
روے تابندہ کو دکھا دینا
گاہ آواز خوش سنا دینا
جوں سحر گاہ مسکرا دینا
جلوے خورشید کے سے ہوتے ہیں
نغمے ناہید کے سے ہوتے ہیں

بس کہ ہے ولولہ جوانی کا
لطف ڈھونڈھے ہے زندگانی کا
قصہ سن میری جاں فشانی کا
شیوہ سیکھا ہے مہربانی کا
گم شدہ دل کی جستجو ہے بہت
مجھ سے عاشق کی آرزو ہے بہت

پھر مری طرح ناز اٹھائے کون
پاس اپنے تجھے بٹھائے کون
ہے فسوں لیک دم میں آئے کون
لب شیریں کو منہ لگائے کون
طعنہ زن ہو اور انگبیں لب پر
مکھیاں بھنکیں شکریں لب پر
ہو عرق جب کہ آبرو نہ رہے
تندی و نازکی کی خو نہ رہے
دل ربایانہ گفتگو نہ رہے
یہ قیامت کہ اب ہے تو نہ رہے
بوالہوس بات پر بگڑے
کچھ نہ بن آئے اس قدر بگڑے
چھوڑنے کی مرے ندامت ہو
آپ کو دم بدم ملامت ہو
بیٹھتے اٹھتے اک قیامت ہو
پھر ملے تجھ سے کس کی شامت ہو
یوں غضب میں رہے بلا میری
یہ مصیبت سہے بلا میری
فکر انجام سے نہ ہو انجان
مجھ سے مل جا تو میرا کہنا مان
اس زمانے کو ظالم آیا جان
دل میں اپنے ذرا سمجھ نادان
کب تلک کوئی نامراد رہے
بھول جاؤں گا میں بھی یاد رہے

حسن آخر ہے بے وفا نہ رہے
چہرہ گل رنگ با صفا نہ رہے
شوخئی نازش و ادا نہ رہے
لب شیریں میں کچھ مزا نہ رہے
شور اٹھے نہ خوش خرامی سے
بے حلاوت ہو تلخ کامی سے
طرہ مار سپید سا ہو جائے
کاکل اک جان کی بلا ہو جائے
زلف کے بدلے قد دوتا ہو جائے
خوش نما چہرہ بدنما ہو جائے
آپ مو کے عوض پریشاں ہو
روے آئینہ دار حیراں ہو
تیغ ابرو سے دل فگار نہ ہو
تیر مژگاں جگر کے پار نہ ہو
خنجر غمزہ زخم بار نہ ہو
کوئی دنیا میں جاں نثار نہ ہو
اک قلق طبع نازنیں پہ رہے
بے ارادہ شکن جبیں پہ رہے
کلف آجائے ماہ کامل میں
داغ رخ لالہ کے مقابل میں
غنچہ ہو گل‌رخوں کی محفل میں
مثل سنبل شکن پڑیں دل میں
جلوۂ بے بدل بدل جائے
زلف خوش خم کا بل نکل جائے

(مسدس بہ مضمون) واسوخت

اے ستم گر کہاں تلک بے داد
سر پامال عاشق ناشاد
قول دینا عدو کو حسب مراد
مر گیا تیرے ہاتھ سے فرہاد
فکر جور و سر جفا کب تک
بے وفا غیر سے وفا کب تک

اب بھی آ، جانے دے دل آزاری
چھوڑ دے خود سری و خوں خواری
دیکھ اچھی نہیں ستم گاری
نہ پڑے صبر نالہ و زاری
کہیں تو بھی نہ دل کو کھو بیٹھے
کہیں آنکھوں کو یوں نہ رو بیٹھے

کچھ زمانے کا اعتبار نہیں
دور گردوں پہ اختیار نہیں
عشرت دہر پائدار نہیں
چرخ کو ایک دم قرار نہیں
ہو نہ جائے ہماری بات بڑی
کبھی دن ہے کبھی رات بڑی

قلق میں رکھے ہے مجھ کو ہمیشہ میرا دل
مرے تو سینے میں اے کاشکے نہ ہوتا دل
اگر ہوا بھی تھا تو جیسے اور سب کا دل
تجھے بھی دینا تھا یا رب مجھی کو ایسا دل

دل فریفتۂ روے قاتلے دارم
زدست دل بہ عذابم عجب دلے دارم

ملا جو مومن غمگیں بہ حال زار سحر
کہا یہ میں نے کہ کیا حال ہے بیان تو کر
تو کچھ بھی منہ سے نہ بولا وہ دل گرفتہ مگر
پڑھا یہ شعر عظیم اُس نے ہاتھ دھر دل پر

دل فریفتۂ روے قاتلے دارم
زدست دل بہ عذابم عجب دلے دارم

———

خدا کے واسطے اے یارو کیوں جلاتے ہو
یہ پوچھ پوچھ کے احوال جی دکھاتے ہو
بتنگ کرتے ہو بک بک کے جان کھاتے ہو
جو ماجرا ہے سو لو سن لو کیوں ستاتے ہو

دل فریفتۂ روئے قاتلے دارم
زدست دل بہ عذابم عجب دلے دارم

کہاں تلک نفس سرد و آہ گرم بھروں
کہاں تلک پئے تسکیں جگر پہ دست دھروں
کہاں تلک قلق و اضطراب سے میں مروں
نہیں ہے بس میں ذرا ایسے دل کو صدقے کروں

دل فریفتۂ روئے قاتلے دارم
زدست دل بہ عذابم عجب دلے دارم

کہا جو میں نے کہ مت پوچھو سرگذشت مری
جب آپ جانیں کہ ہوتی ہے کیسی دل کی لگی
کہ دل ہو میرا سا اور چاہ بھی ہو میری سی
تو مجھ سے کہتے ہیں کیا مسکرا کے وہ میں بھی

دل فریفتۂ روئے قاتلے دارم
زدست دل بہ عذابم عجب دلے دارم

یہ میرا حال جو اے یارو دیکھتے ہو تباہ
کہ رنگ زرد ہے منہ فق ہے بکھری بکھری نگاہ
ہیں اشک چشم میں اور لب پہ نالۂ جاں کاہ
یہ سب ہے دل کے سبب دل نے مجھ کو مارا آہ

دل فریفتۂ روئے قاتلے دارم
زدست دل بہ عذابم عجب دلے دارم

تضمین

شعر منشی فضل عظیم

یہ رنگ زرد جو ہے اور اشک آئے ہیں لال
یہ سب وبال غرض جی کے لگنے کا ہے وبال
بیان کرتے ہوئے جی کیسے ہے یہ احوال
خدا کے واسطے یارو نہ پوچھو دل کا حال
دل فریفتۂ روے قاتلے دارم
زدست دل بہ عذابم عجب دلے دارم

تڑپتے گزرے ہے ہر روز جاگتے ہر شب
یہ کیسی بن گئی مجھ پر یہ کیا ہوا یا رب
کسی سے کہہ بھی تو سکتا نہیں یہ کیا ہے غضب
کہ سب عزاب یہ دل کے سبب ہیں دل کے سبب
دل فریفتۂ روے قاتلے دارم
زدست دل بہ عذابم عجب دلے دارم

نہ شکوۂ فلک و بخت نارسا ہے مجھے
نہ کچھ شکایت دلدار بے وفا ہے مجھے
غرض کسی سے نہ شکوہ نہ کچھ گلا ہے مجھے
اگر گلا بھی ہے تو اپنے دل ہی کا ہے مجھے
دل فریفتۂ روے قاتلے دارم
زدست دل بہ عذابم عجب دلے دارم

دورۂ چرخ نے مجھے خاک میں بس ملا دیا
چاندنی رات کو مری روز سیہ بنا دیا
یاد شب وصال نے پھر وہی دن دکھا دیا
جلوۂ آفتاب نے سینہ مرا جلا دیا

صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

جلوۂ بزم عشرت و رونق خانہ ہائے ہائے
زمزمہ و ترنم و رقص و ترانہ ہاے ہاے
ساقی و مطرب و مئے وصل شبانہ ہاے ہاے
گردش چرخ حیف حیف دور زمانہ ہاے ہاے

صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

مومن یاوہ گو حریف تو نہیں اپنے راز کا
رات کو یاں گذر ہوا اس بت دل نواز کا
وقت اذاں فلک رہا زمزمہ عیش و ناز کا
کس سے ادا ہو اب صلات ہوش کہاں نماز کا

صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

ساقئی ماہ رو نہیں پیجیے کس طرح شراب
سینہ و دل کو کردیا آتش ھجر نے کباب
اختر بخت جل گئے دیکھ شعاع آفتاب
رات کی صحبت اب کہاں پھر وھی ھم وھی عذاب

صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

گر چہ کئی برس کے بعد رات ھوا وصال یار
ھمدم و ھم نشیں رہے ھم نفس اور ھم کنار
لیک نہ دل کو چین تھا اور نہ جان کو قرار
جس سے کہ ڈر رہے تھے ھم وہ ھی ھوا مآل کار

صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

آنے سے اُن کے رات یاں رنج تھے دل میں ھو گئے
وصل سے کام یاب کر کام سے ھائے کھو گئے
شام سے تا دم سحر، عیش نصیب ھو گئے
جاگتے جاگتے غرض بخت ھمارے سو گئے

صبح دمید و شب گزشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

کیا ھی مزے اٹھائے شب چھپ کے جو آگئے وہ یاں
لذت وصل دوستو تم سے میں کیا کروں بیاں
لیتے تھے لب کے بوسے ھم دیتے تھے منہ میں وہ زباں
ھاے تھے کامیاب عیش دونوں بہم کہ ناگہاں

صبح دمید و شب گذشت ماہ شبیہ خانہ رفت
روے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

تضمین

شعر طوطی شکرستان هند

کیا کہوں کچھ نہ پوچھ ہائے رات کا حال ہم نفس
بعد زمانہ وصل پر آج ہوا جو دست رس
کچھ تو بر آئی آرزو رہ گئی دل میں کچھ ہوس
یعنی وفور عشرت و جوش نشاط تھا کہ بس
صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

ہاے نظر میں پھرتی ہیں شب کی سیاہ مستیاں
بادۂ سرخ رنگ کے فرش پہ ہیں کئی نشاں
تاب کسل خمار ہے نشۂ وصل اب کہاں
سیل سرشک لالہ گوں چشم سے کیوں نہ ہوں رواں
صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

آئے جو شب کو وہ یہاں چارۂ رنج و غم ہوا
دشت قضا الم کدہ رشک دہ ارم ہوا
گو کہ حصول مدعا ہو تو گیا پہ کم ہوا
عین سرور و لطف میں قہر ہوا ستم ہوا
صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

کھو دیا مفت میں دل میں نے کہ دکھ ہے پایا
قلق ہجر نے کیا کیا یہ مجھے گھبرایا
پر وہ پرفن نہ ملا یوں ہی سدا ترسایا
نہ وہاں مجھ کو بلایا نہ یہاں آپ آیا
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی آس سے ملاقات نہ ہونے پائی

یاں نہ آیا وہ عیادت کو بھی اک بار افسوس
مرتے مرتے نہ گئی حسرت دیدار افسوس
کر سکا ولولۂ شوق نہ اظہار افسوس
نہ ہوے نزع تلک وا لب گفتار افسوس
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی آس سے ملاقات نہ ہونے پائی

نہ ہوا عشق میں اس شوخ کے آرام کبھی
نہ دیے دست نگاریں سے مجھے جام کبھی
لب شیریں سے سنا ایک نہ دشنام کبھی
نہ ملی لذت عرض ہوس کام کبھی
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی آس سے ملاقات نہ ہونے پائی

میں بھی حاضر تھا ہوئے جب طرف کعبہ رواں
حضرت مومن تقوی روش و شیخ زماں
بے ادب ہنستے تھے کیا لوگ ہیں بیہودہ گماں
پڑھ کے یہ درد کا مطلع جو ہوے اشک فشاں
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی آس سے ملاقات نہ ہونے پائی

ایک دم صحبت دلدار میسر نہ ہوئی
نظر لطف و عنایت کبھی ہم پر نہ ہوئی
عشرت و عیش سے فرصت اسے دم بھر نہ ہوئی
اپنے ملنے کی کوئی جاے مقرر نہ ہوئی
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی

ایک دم صحبت اعدا سے کنارا نہ ہوا
یہ مقرب ہوے کچھ پاس ہمارا نہ ہوا
ہم کو عرض قلق و رنج کا یارا نہ ہوا
ہائے اُس بزم تک اک بار گزارا نہ ہوا
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی

کیا سیہ روز ہیں یارب مرے آرام و شکیب
کہ رہے جلوہ گہ یار سدا بزم رقیب
میرے گھر آنے کی ہرگز بھی نہ پائی تقریب
ایک دن بھی نہ ہوئی ہاے شب وصل نصیب
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی

تیرہ روزی کی وہی جلوہ فزائی ہے ہے
نہ ہوئی صبح کبھی شام جدائی ہے ہے
کیا کہوں اپنے نصیبوں کی برائی ہے ہے
طالع بد کی یہ خوبی نظر آئی ہے ہے
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی

تضمین

شعر خواجه میر درد قدس الله سرہ به طریق تسدیس

جاے عبرت ہے مرا حال پریشاں یارو
آس توڑے ہے یہ مایوسی و حرماں یارو
دل لگا کر میں ہوا سخت پشیماں یارو
ہائے افسوس نہ نکلا کوئی ارماں یارو
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی

دل نہ دیتے اگر اُس کو تو نہ ہوتے بدنام
کیا خبر تھی کہ اس آغاز کا یہ ہے انجام
رنج بھی ہوتے ہیں الفت میں پہ بعد از آرام
کہیں دنیا میں نہ ہوگا کوئی ہم سا بدنام
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی

جذبۂ شوق اسے کھینچ کے لایا نہ کبھی
اثر اس نالۂ دل کش میں بھی پایا نہ کبھی
ماجراے الم و درد سنایا نہ کبھی
سخن شوق غرض لب تلک آیا نہ کبھی
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی

مومن کو دیکھ چشم میں آیا لہو اُتر
یہ حال تھا کہ مضطر و حیراں تھے چارہ گر
کہتا تھا اک رفیق کو ہر بار دیکھ کر
ایسی ہی بے قراری رہی متصل اگر
اے شیفتہ ہم آج نہیں بچتے شب تلک

بس اس کی مت کر اے دل بے ہوش حس۱ طرف
کیا جانے تو کہ ہے نگہ لطف کس طرف
منہ پھیر لے ہے بزم میں بیٹھوں میں جس طرف
وہ چشم التفات کہاں اب جو اس طرف
دیکھے کہ ہے دریغ نگاہ غضب تلک

نقد روان اشک کا ہے صرف روز و شب
یا قوت لخت دل کا یہاں خرچ ہے غضب
وہ در بے بہا جسے رکھیں عزیز سب
ایسے کریم ہم ہیں کہ دیتے ہیں بے طلب
پہنچا دو یہ پیام اجل جاں طلب تلک

اچھا نہیں ہے عہد وفا دشمنوں سے یار
کھو ہاتھ سے نہ مجھ سے ستم کش کو زینہار
ہونا پڑے گا ناز سرشتوں سے شرم سار
مایوس لطف سے نہ کر اے دشمنی شعار
امید سے اٹھاتے ہیں ہم جور اب تلک

وہ جو یہ کہتے ہیں کہ کسی سے نہ مل فریب
ہم ان کے رشک سے جو ہیں اتنے خجل فریب
دونوں طرف سے ہوتے ہیں اب متصل فریب
یاں عجز بے ریا ہے نہ واں ناز دل فریب
شکر بجا رہا گلۂ بے سبب تلک

۱- نسخہ نول کشور طبع اول ۱۸۷۶ع (حاشیہ ص ۱۵۱) اور طبع ششم (ص ۲۲۰) میں ''جس طرف'' ہے جو غلط ہے اس لیے کہ مصرع ثالث میں بھی ''جس'' کا قافیہ موجود ہے - ''حس'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

تخمیس

(غزل نواب محمد مصطفیٰ خان بہادر شیفتہ تخلص)

کہتے ہیں سب کہ تم نہیں بچنے کے شب تلک
ناداں ہیں یار انھیں کوئی سمجھائے کب تلک
دشوار ہے وصال میں ناکام جب تلک
رہ جائے کیوں نہ ہجر میں جاں آکے لب تلک
ہے آرزوئے بوسہ بہ پیغام اب تلک

ہر چند عمر بھر ستم ناسزا سہا
پر اُس جفا شعار سے شرمندہ ہی رہا
بیداد نو سے اب ہے یہ دریائے خوں بہا
کہتے ہیں بے وفا مجھے میں نے جو یہ کہا
مرتے رہیں گے تم ہی پہ جیتے ہیں جب تلک

کب بزم میں میں کام ہوس یاب ہو سکا
کب مجھ سے کچھ مخالف آداب ہو سکا
میں کیا کہ غیر بھی نہیں ہم خواب ہو سکا
تمکین حسن ہے کہ نہ بے تاب ہو سکا
خلوت میں بھی کوئی قلق بے ادب تلک

بس زہر دے کہ مضطرب اے چارہ جو نہ ہو
گزرا میں ایسے جینے سے تکلیف تو نہ ہو
جز نیم جان کچھ نہیں باقی ہے سو نہ ہو
آ جائے کاش موت ہی تسکیں نہ ہو نہ ہو
ہر وقت بے قرار رہے کوئی کب تلک

کرتے ہیں رند قدح کش مری صحبت سے حذر
ایسے ناکام کے جینے سے تو مرنا بہتر
جل رہا ہوں مجھے کیا آتش دوزخ سے خطر[۱]
نیست پرہیز من از زهد که خاکم بر سر
ترسم آلوده شود دامن عصیان از من

کف کشادہ ہے پر افسوس نہیں دست کرم
ہیں گدا لیک شہنشاہ اقالیم ہم
گر کوئی لے تو ہیں جاں دینے تلک حاضر ہم
گرچه مورم ولے آں حوصله با خود دارم
که به بخشم بود از ملک سلیماں از من

قابل چارہ نہیں ہے مرا احوال سقیم
رو گئے سر پہ مرے سارے اطبائے فہیم
تجھکو مومن کی سی الفت ہے نہ ویسا توحکیم
اشک بیہودہ مریز ایں همه از دیده کلیم
گرد غم را نه تواں شست به طوفاں از من

۱- نسخہ نول کشور کانپور (ص ۱۵۱ طبع ۱۸۷۶ء) میں ''خطر'' صحیح اور طبع ششم نول کشور (ص ۲۱۹) میں '' حذر'' غلط ہے -

تخمیس

(غزل ابوطالب همدانی کلیم تخلص)

طبع سنبل کده گاهیست پریشاں از من
گہ کدورت به دل دشت و بیاباں از من
چه کنم من که نه صحرا نه گلستاں از من
نه همی می رمد آں نوگل خنداں از من
می کشد خار دریں بادیه داماں از من

لطف ہے پر ستم آلودہ کرم میں آزار
دل کہیں اور ہی بیٹھا ہے بغل میں ناچار
ایک دم تو بھی نہیں شوخیٔ بے جا سے قرار
با من آمیزش او الفت موج است و کنار
روز و شب با من و پیوسته گریزاں از من

کس کو ڈھونڈوں میں کہاں جاؤں کہ باقی نہیں دم
کیا کروں اٹھ نہیں سکتا ترے کوچے سے قدم
وقت رحم و دم الطاف ہے هنگام کرم
قمریٔ ریخته بالم به پناه که روم
تا به کے سر کشی اے سرو خراماں از من

اب تلک صدمۂ الفت سے نہیں ہوں آگاہ
کچھ بھی دشوار نہیں میری گرفتاری آہ
کوئی دلدار ہو اور کوئی ادائے دل خواہ
به تکلم به خموشی به تبسم به نگاه
می تواں برد به هر شیوه دل آساں از من

کیسا طلوع صبح کہاں ہے نمود روز
ہے گھر میں جلوہ گر ابھی وہ ماہ دل فروز
کیا کیجے ہم نیشیں گلۂ جوش تاب سوز
بے طاقتیٔ شوق ببیں کز برم[1] ہنوز
نہ گزشتہ یار و روے بہ راہ دگر کنم

ناصح ذلیل گننے لگے مجھ کو شیخ و شاب
ملنے سے میرے کرنے لگی خلق اجتناب
اب تو خوشی ہوئی تری اے خانماں خراب
رسوائیم رسید بجائے کہ از حجاب
دیگر بہ پیش او نتوانم گزر کنم

زر اجرت پیام براں سے نہ تھا زیاد
روز آیا کام دشمن پر کینہ و عناد
زاری رہی سو آس پہ نہ کیا کیا تھے اعتماد
اکنوں کہ ہیچ داد دلم گریہ ہم نہ داد
در کوے او نشینم و خاکے بسر کنم

مومن کی طرح جوش میں پھرتا ہوں کو بہ کو
شوق نظارہ سے ہوئی برباد آبرو
افسوس کامیاب نہ میں ہو سکا کبھو
میلی ز شرم عشق بہ جانم کہ سوئے او
با شوق این چنیں نتوانم نظر کنم

---

۱ - نسخہ نول کشور طبع ششم میں بجائے برم "بزم" غلط ہے - (ص ۲۱۸)

تخمیس

(بر غزل میلی)

در بزم یار همره دشمن گزر کنم
سویم جو بنگرد سوے دیگر نظر کنم
گر گریه سر دهد گلۂ درد سر کنم
ترسم گر از محبت خویشش خبر کنم
با خویش سر گرانیٔ او بیش تر کنم

کیا کیا اُمید تھی ترے ہاتھوں سے قتل کی
تھا جی میں کچھ کہوں کہ ملے آرزو مری
پر کیا کروں نزاکت دل یاد آگئی
ترسم ز بے وفائیٔ خود منفعل شوی
گر از اُمیدواریٔ خویشت خبر کنم

دیکھا جو میرے حال پہ ہنستے ہیں شیخ و شاب
کھائی قسم پھر آنے کی اے جوش اضطراب
پردہ نشیں ہے آئے نہ کس طرح سے حجاب
وقت وداع او من دیوانۂ خراب
با ہرکہ رو برو شوم و گریہ سر کنم

کل ملا مومن اگرچہ تھی تو وحشت پہلے بھی
پر ہوا ہے عاشق اب ہے اور ہی دیوانگی
بھاگتا تھا دور دور اور ورد لب یہ بیت تھی
رام شد وحشی دل میلی بہ او از سرکشی
هر زماں آرام از آھوے رام من برد

———

یہ کہاں قسمت کہ کانوں سے سنوں وہ گفتگو
ہاں مگر قاصد ہو پیدا بعد بے حد جستجو
ہائے ناکامی رہی دل ہی کی دل میں آرزو
بر نگردد قاصد از شرم جواب تلخ او
چوں پیام من بر شیریں کلام من برد

میری ہی قسمت میں تھا یا رب عذاب جاوداں
جیتے جی تو تھے الم ہائے فزوں سب وقف جاں
بعد مردن بھی ہوں پامال غم و حرماں کہ ہاں
رشک دارم بر قبول آں کہ پیش از دیگراں
مژدۂ مرگم بہ سرو خوش خرام من برد

اس اسیری میں گرفتار کمند مشک بو
دل سے بہر صید صیاد اپنی ہے تدبیر جو
اے تغافل لا پھنسا اس کو کہ ہے دام نکو
مرغ دل بستم پے صیدش بہ دام آرزو
آہ اگر آں مرغ وحشی پے بہ دام من برد

ہجر شیریں لب میں ہوں میں تلخ عیش و تلخ روز
کیوں مرے ماتم میں جلنا کیوں یہ شور غم فروز
فی الحقیقت گرچہ اے ارباب شور و اہل سوز
تلخ باشد زہر مرگ اما بہ شیرینی ہنوز
می تواند تلخیٔ ہجراں بہ کام من برد

گو دلا باتوں میں آ کھلنا نہ تھا یوں ایک بار
شکوہ اس کا غیر سے کرنا نہ تھا بے اختیار
لیک اب کیوں ہے پشیماں کس لیے ہے بے قرار
خاطرم جمع است از بد گوئیٔ دشمن کہ یار
گوش بر حرفش بنیدازد چو نام من برد

غیرت نے ہائے قتل کیا مجھ کو یا نصیب
دکھلائی پھر خدا نے یہ بزم اجل فریب
میں دور بیٹھوں اور عدو یار کے قریب
آں طالعم کجاست کہ از پہلوے رقیب
قتل مرا بہانۂ بر خاستن کند

مدت سے اس کی ہم سخنی کی تھی آرزو
اب عین وصل ہے تو نہیں تاب گفتگو
اے جوش گریہ بس ہے ترے ہاتھ آبرو
او می‌کند سوال و مرا در جواب او
از اضطراب دل نہ تواند سخن کند

تھے چند جمع میکش خونیں دل ایک جا
جاے کباب غیرت عاشق کا ذکر تھا
مومن بھی کیا ہی شوخ ہے کس طعن سے کہا
میلی ہزار حیف کہ آں مے پرست را
ذوق شراب ساقیٔ ہر انجمن کند

مخمس

(بر غزل میلی)

کیست تا پیشش تو پیغام و سلام من برد
کیست تا غم نامۂ خونیں کلام من برد
گر برد پیک خیال فتنہ کام من برد
بس کہ قاصد را بیازارد چو نام من برد
رحم نہ گزارد کہ بگزارم پیام من برد

مخمس

(بر غزل مرزا قلی میلی)

چوں شکوہ ام بہ دشمنم آں دل شکن کند
او در جواب کار دل خویشتن کند
غیرت چہا بہ جان من خستہ تن کند
کو بخت آں کہ یار شکایت ز من کند
چنداں کہ مدعی نہ تواند سخن کند

یوں ہے تری وفا سے دل زار نا امید
جیسے کہ جینے سے کوئی بیمار نا امید
ایسا یہ نا امید ہے اے یار ناامید
گردد ہزار بارہ گرفتار نا امید
گر شکوۂ دلم ز تو پیماں شکن کند

یارانۂ بتاں پہ بھلا اعتماد کیا
یا تو کسی کو دخل نہ تھا واں مرے سوا
یا اس قدر وہ شکل سے بیزار ہو گیا
گر بیم سر گرانیٔ او نیسپ غیر را
متعم چرا زھمر ھی خویشتن کند

کیا ترے عشق میں پائی ہے سراسر رنجش
یعنی موجود تھی ملنے کی برابر رنجش
بس کہ ہوتی گئی ہر بار فزوں تر رنجش
اب کی بے حد و نہایت ہے ستم گر رنجش
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

لا علاج آہ جب آزار کو اپنے پایا
عدم آباد کو ناچار سفر ٹھہرایا
تو سمجھ یا نہ سمجھ میں نے تجھے سمجھایا
یہ نہ ہو گھر کہ گیا اور مجھے لے آیا
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

اے صنم رشک سے کب تک کوئی نا شاد رہے
مثل ناقوس صدا ہمدم فریاد رہے
دیر ویراں سہی کعبہ مرا آباد رہے
یعنی مومن ہوں چلا جاؤں گا میں یاد رہے
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

کیا ھی دیوانہ سمجھ کا تری اے یار ھوں میں
قابل لطف عدو لائق آزار ھوں میں
غیر کو عیش ھو اور زیست سے بیزار ھوں میں
ھاتھ سے مجھ کو نہ کھو دیکھ وفادار ھوں میں
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

صبر آئے جو عدو کو بھی ستائے تو کبھی
نہ لگے آگ جو اس کو بھی جلائے تو کبھی
جی میں ھے جاؤں وھاں اب کہ نہ آئے تو کبھی
گم کروں آپ کو ایسا کہ نہ پائے تو کبھی
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

رحم ھرگز نہیں آتا تجھے ھم پر ظالم
دل ٹھہرتا نہیں ٹھہرے کوئی کیوں کر ظالم
تیری محفل سے چلے سخت مکدر ظالم
اے دل آزار جفا کیش ستم گر ظالم
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

ایسے دکھ دیکھ کے پھر شکل دکھائے گا کوئی
یاد کیا کر کے یہ غم دل سے بھلائے گا کوئی
کون سی بات ھے جس بات پہ جائے گا کوئی
سر پھرا ھے کہ ترے پاس پھر آئے گا کوئی
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

کیوں نہ آزردہ ھوں کچھ جان سے بیزار نہیں
مجھ میں تاب ستم غیرت اغیار نہیں
جس سے مل جاتے تھے لڑبھڑ کے وہ بیزار نہیں
اب کی ھو ترک وفا ھم سے تو دشوار نہیں
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

تضمین

مصرع از وا سوخت وحشی یزدی به طریق تخمیس

من ز پیش آمد اغیار چو رفتم رفتم
مرد از راہ کہ بیزار چو رفتم رفتم
با چنیں رنجش و آزار چو رفتم رفتم
از جفاے تو من زار چو رفتم رفتم
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

جب کہ جی بیٹھ گیا ناز آٹھانا معلوم
آٹھ گیا دل تو سماجت سے بٹھانا معلوم
آ بنی جان پہ جس دم تو نہ جانا معلوم
پھر گئی تجھ سے طبیعت تو پھر آنا معلوم
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم

اور ھیں جو گھبے آتے ھیں گھبے جاتے ھیں
ھم نہیں آنے کے ھر بار کھبے جاتے ھیں
جور بے صرفہ کسی سے بھی سہے جاتے ھیں
اب کی پھر خاطر الفت سے رہے جاتے ھیں
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

کس لیے کوئی حریف غم و حرماں ھوگا
پائمال ستم رشک رقیباں ھوگا
تختۂ مشق جفا ھاے نمایاں ھوگا
چھوڑ دے جور نہیں دیکھ پشیماں ھوگا
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

ایک مشت استخواں ہے بلکہ کچھ اس سے بھی کم
جو کمیں میں اپنی ہو سچ تو یہ ہے اس کا کرم
قتل گہ میں سرنگوں خجلت زدہ بیٹھے ہیں ہم
آں شکارم من کہ لائق ہم بہ کشتن نیستم
شرم می آید مرا زاں کس کہ جلاد من است

جو ہو خود ہر کام میں واماندہ و اصلاح جو
اس سے مطلب نکلے کیا وہ اے فریب آرزو
جائے رونے کی ہے مومن سادگی تو دیکھ تو
کار دشوار نظیری گریہ می آرد کہ او
شاد از تدبیر ہاے سست بنیاد من است

مخمس

غزل رئیس المتغزلین مولانا نظیری نیشاپوری

خانۂ زاد عشقم و اندوه ہم زاد من است
یاس و محرومی سرشت طبع ناشاد من است
از جفاے طالع من داد و بے داد من است
آں کہ رحم از دل برو تاثیر فریاد من است
واں کہ نسیاں آور دخاصیت یاد من است

ہم کبھی تھے مے پرست اور گاہ تھے شاہد پرست
گہ حزین و مضطرب گہ بے خود و بےہوش و مست
عاشق بت تھے کبھی گہ محو معشوق الست
نیست در عالم تمناے کہ از قیدم نجست
ہر کجا بینی ہواے صید آزاد من است

آنکھ پھڑکے ہے کہ آتا ہے وہ زیب انجمن
شوق کہتا ہے کرو آرائش بیت الحزن
جب نہیں آتا تو کیا جلتا ہے جی کوتہ سخن
ساختن ممنون دیدار و بہ حسرت سوختن
از تصرف ہاے حرمان خدا داد من است

دیکھ لے ہم سا نہ دیکھا ہوئے گا الفت پرست
ہیں خموش اس جور پر اے ترک چشم نیم مست
جی کبھی ایسا ہی بھر آیا تو کاٹیں پشت دست
حرف عاشق بے زبان شکوۂ دل عاجز است
آں چہ ہرگز آشنا بالب نہ شد داد من است

یہ تو کیا منہ ہے کہ ہم بستر اغیار کہوں
دشمن ننگ و حیا پردہ‌در عار کہوں
ہاں کنایت سے مگر دولت بیدار کہوں
گر ہو آزردہ تو اس پر بھی تو اے یار کہوں
خواب این نرگس فتّان تو بے چیزے نیست

یا تو پھر شب کو رہا آج تو ہم بزم رقیب
گھر میں آیا ہے ابھی صبح نخستیں کے قریب
یا یہاں سے ہے اٹھانے کی ہمارے تقریب
کچھ نہ کچھ تو ہی کہہ اے مایۂ آرام و شکیب
خواب این نرگس فتان تو بے چیزے نیست

کیا شب ہجر عذاب دل مضطر نہ سہا
ایک دریا تھا کہ بس دیدۂ حافظ سے بہا
صبح دیکھا آسے مخمور تو حسرت سے کہا
اے بت افسوس تو مومن سے ہم آغوش رہا
خواب این نرگس فتّان تو بے چیزے نیست

تو یہ سمجھا ہے کہ میں محرم اسرار نہیں
کس سے کہتا ہے کہ غیروں سے سروکار نہیں
میں کہیں اور رہا رات کو زنہار نہیں
چپ کہ بیداریٔ شب قابل اظہار نہیں
خواب ایں نرگس فتّان تو بے چیزے نیست

شب کسی نے تجھے مہمان بلایا ہوگا
بیٹھ کر پاس عجب لطف آٹھایا ہوگا
ہوس آلودہ نے کیا کیا نہ ستایا ہوگا
بخت بیدار نے دشمن کے جگایا ہوگا
خواب ایں نرگس فتّان تو بے چیزے نیست

غیر نے گرمئی صحبت میں جلایا ہے تجھے
میرا افسانۂ جاں سوز سنایا ہے تجھے
طعنے دے دے کہ یہ بدگو نے رلایا ہے تجھے
شام سے صبح تلک خوب جگایا ہے تجھے
خواب ایں نرگس فتّان تو بے چیزے نیست

بے مزا پائے بھلا ہوش کو کھوتا ہے کوئی
دامن آلودہ نہ ہو مے سے تو دھوتا ہے کوئی
بے ہم آغوش کسل مند بھی ہوتا ہے کوئی
تو ھی کہہ صبح کو بن جاگے بھی سوتا ہے کوئی
خواب ایں نرگس فتّان تو بے چیزے نیست

تضمین

مصرع خواجہ حافظ بہ طریق تخمیس

خندہ زن چاک گریبان تو بے چیزے نیست
بے شکن زلف پریشان تو بے چیزے نیست
بے نمک خندۂ پنہان تو بے چیزے نیست
ہے حریف لب و دندان تو بے چیزے نیست
خواب ایں نرگس فتّان تو بے چیزے نیست

کس کے گھر رات تو اے غیرت مہتاب رہا
کون سا بیہدہ سر کام ہوس یاب رہا
بستر خواب نہ تھا ہائے کہ بے خواب رہا
نیند آئی نہ نزاکت سے جو بے تاب رہا
خواب ایں نرگس فتّان تو بے چیزے نیست

شب کسی رند قدح خوار نے سونے نہ دیا
بادۂ عیش سے سرشار نے سونے نہ دیا
آرزو مند ہوس کار نے سونے نہ دیا
حسرت آلود طلب گار نے سونے نہ دیا
خواب ایں نرگس فتّان تو بے چیزے نیست

عدو کی بات بھلی اور برے مرے اشعار
پسند نالۂ زاغ اور رد نوائے ہزار
کہاں ہے جلد پہنچ ہدہد صبا رفتار
ہمائے گو مفگن سایۂ شرف زنہار
دراں دیار که طوطی کم از زغن باشد

وفور وحشت و جوش قلق ہے روز فزوں
نہیں ہے صبر و شکیب و قرار و تاب سکوں
اگرچه خوار و زبوں دشت دشت پھرتا ہوں
ہوائے کوئے تو از سر نمی رود بیروں
غریب را دل آواره با وطن باشد

میں کیوں وہ بات کروں جس سے ہو وہ شوخ خجل
وفور ولوله کی التماس سے حاصل
ہر ایک حرف ہے یاں دل شگاف و تاب گسل
بیان شوق چه حاجت که شرح آتش دل
تواں شناخت ز سوزے که در سخن باشد

ہے مومن آگے ترے کیا ہی دم به خود حافظ
مجال ہے جو کرے تجھ سے جد و کد حافظ
تو ره نمائے سخن اور نابلد حافظ
به سان سوسن اگر ده‌زباں شود حافظ
چو غنچه پیش تواش مہر بر دہن باشد

تخمیس

(غزل حافظ)

کسے به غم کده تا کے به صد محن باشد
ز داغ رشک عدو گرم سوختن باشد
به گوشهٔ جگر افشان و ناله زن باشد
خوش است خلوت اگر یار یار من باشد
نه[۱] من به سوزم و او شمع انجمن باشد

بتنگ آئے ھیں اب تجھ کو چھوڑ دیں گے ھم
ھمیں پسند نہیں بے وفا یه لطف و کرم
که غیر سے بھی ملاقات ھے اگرچه ھے کم
من آن نگین سلیماں به ھیچ نستانم
که گاہ گاہ برو دست اھرمن باشد

کہاں تلک رھے خاطر میں حزن و رنج و ملال
کہاں تلک ستم رشک سے ھو جاں پامال
بس اس کی محفل دل چسپ سے عدو کو نکال
روا مدار خدایا که در حریم وصال
رقیب محرم و حرماں نصیب من باشد

---

۱ که۔ نسخهٔ نول کشور لکھنؤ بار ششم ۱۹۳۰ع ص ۲۱۱۔ ''نه'' نسخهٔ نول کشور طبع ۱۸۷۶ع میں ھے (ص ۱۴۵)

سیاہ پوش ہے اک خلق اک جہاں غمگیں
وہ کون ہے کہ پریشاں و خستہ حال نہیں
ہمارے کہنے کا تجھ کو اگر نہ آئے یقیں
گزار کن چو صبا بر بنفشہ زار و ببیں
که از تطاول زلفت چه سوگوارانند
میں اور چند ہوس ناک عاشقی دشمن
ہوئے ہیں راہ رو جلوہ گاہ رشک چمن
ہیں خار یاں تہ پا واں ہیں زیرراں تو سن
تو دست گیر شوا ے خضر پے خجستہ کہ من
پیاده می روم و هم رهاں سوارانند
ہمیں امید رہائی نہ آرزوے خلاص
نہ چھوٹنے کی تگ و دو نہ جستجوے خلاص
ہے ناگوار بلا جی کو گفتگوے خلاص
ز دام زلف تو دل را مباد روے خلاص
که بستگان کمند تو رستگارانند
ہے سر پہ خاک کلہ گرد ہے لباس بدن
کدورت دل غم گیں عبیر پیراہن
غبار فرق سے آئینۂ جبیں روشن
ز نقش چهرهٔ حافظ همی تواں دیدن
که ساکنان در دوست خاکسارانند

ہمارے مد نظر تھے بہت نشیب و فراز
نہ کوئی واقف اسرار تھا نہ محرم راز
پہ کیا کرے کہ یہ ہے اقتضاے راز و نیاز
ترا حیا و مرا آب دیدہ شد غماز
وگرنہ عاشق و معشوق رازدارانند

خرام ناز سے پامال ہے جہاں یکسر
ہے عاشقوں کا ترے ساتھ ساتھ اک لشکر
ولے نہیں تجھے احوال پر کسی کے نظر
ز زیر زلف دوتا چوں نگہ کنی بنگر
کہ در یمین ویسارت چہ بے قرارانند

ہمارے جلنے سے کیا تجھ کو کیوں لگی ہے لو
سنے نہ ایک تری تو بنائے باتیں سو
یہاں نہیں کوئی دیوانہ جو کرے تگ و دو
نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو
کہ مستحق کرامت گناہ گارانند

کہے ہے پیر مغاں دیکھنا یہ رنگ سخن
ہے تازہ توبہ ابھی یاد کر شراب کہن
بکے ہے تیرہ دروں واعظ اس کی بات نہ سن
بیا بہ مے کدہ و چہرہ ارغوانی کن
مرو بہ صومعہ کانجا سیاہ کارانند

وہ کون ہے کہ نہیں پاے بند دام ہوس
ہوے ہیں زمزمہ سنج وفا کس و ناکس
پڑا ہے شور زمانے میں اے نسیم نفس
نہ من بر آں گل عارض غزل سرایم و بس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزارانند

لب هلانے کا بھی باقی نہ رہا ضعف سے حال
کیا کہوں سینے میں کیسا ہے بھرا شوق وصال
دل کی دل ہی میں وہی عرض تمنائے محال
جان بیمار مرا نیست ز تو روے سوال
اے خوش آں خستہ کہ از دوست جوابے دارد
ایک دشمن ہے یہ مومن کو خدا دفع کرے
سخت بد خواہ عزیزاں ہے کہیں جلد مرے
اس سے کہتا ہے کہ خاموش ہو یا آہ بھرے
کے کند سوے دل خستۂ حافظ نظرے
چشم مستت کہ بہ ہر گوشہ خرابے دارد

تخمیس

(غزل حافظ)

عنادل گل روے تو گل عذارانند
اسیر دام بلاے تو دل شکارانند
غبار راہ وفاے تو شہ سوارانند
غلام نرگس مست تو تاجدارانند
خراب بادۂ لعل تو ہوشیارانند

هر بلا ہے سر عشاق برآوردۂ زلف
ظلمت شب جسے کہتے ہیں سو پروردۂ زلف
روز کس کس کے نہیں آہ سیہ کردۂ زلف
ماہ خورشید نمایش ز پس پردۂ زلف
آفتابیست کہ در پیس سحابے دارد

گرچہ ہر بوسے پہ ہم کرتے ہیں سو جان نثار
پر ہمیں زندگیٔ تازہ ملے ہے ہر بار
جان لے جائے اجل تو بھی ہے مرناد شوار
آب حیواں اگر این است کہ دارد لب یار
روشن است ایں کہ خضر نیز سرابے دارد

جستجو میں تری ہر سو ہے رواں سیل سرشک
دیکھتے ہی ترے پاؤں کے نشاں سیل سر شک
تو جہاں جائے ہے پہنچے ہے وہاں سیل سرشک
چشم من کرد بہ ہر گوشہ رواں سیل سر شک
تا سہی سرو ترا تازہ بہ آبے دارد

زندگانی سے ہوں بیزار جدائی میں اشد
شاد ہوتا ہوں جب احوال نظر آئے ہے بد
ہوں تو بے جرم پہ تعزیر سے خوش ہوں بے حد
غمزۂ شوخ تو خونم بہ خطا می‌ریزد
فرحتش باد کہ خوش فکر ثوابے دارد

سینہ آتش کدہ ہے آہ سے جھڑتے ہیں شرر
اس تب و تاب میں آتا ہے دل افسردہ نظر
اب تک اس خام کو ہے حاجت صد داغ دگر
چشم خوں ریز تو دارد زدلم قصد جگر
ترک مست است مگر میل کبابے دارد

مومن زار کی صحت کا نہ تھا کچھ اسلوب
نہ دوا اور نہ پرهیز مرض حرص ذنوب
پر ترا لطف هے اعجاز مسیحا سے بهی خوب
یا طبیب الفقرا انت شفاء لقلوب
زاں سبب آمده قدسی پئے درماں طلبی

تخمیس

(غزل خواجه حافظ علیه‌الرحمه)

دور ایام دگر شرم و حجابے دارد
فلک از ابر به رخسار نقابے دارد
بخت سیراب نگاهاں سر خوابے دارد
آں که از سنبل او غالیه تابے دارد
باز با دل شدگاں ناز و عتابے دارد

جی گیا مفت میں حاصل نه هوئی هائے مراد
کیوں نه هوں نیش زن دل گله هائے جلاد
شوخیاں هیں قلق بسمل مضطر سے زیاد
از سر کشتهٔ خود می گذرد هم چوں باد
چه تواں کرد که عمرست و شتابے دارد

خود کہا ابن ذبیحین تو ظاہر میں کہا
جوہر پاک کی خوبی ہے فرشتوں سے سوا
سر سے لے پاؤں تلک نور خدا نام خدا
نسبتے نیست بہ ذات تو بنی آدم را
برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

صاحب خانہ سے ہوتا ہے مکاں کا اکرام
وہی جنت ہے جہاں میں ہو جہاں تیرا مقام
آب ہر چشمہ کرے کوثر و تسنیم کا کام
نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

ہوئی انجیل کہاں ناسخ توریت و زبور
تیری خاطر سے خدا نے یہ نکالا دستور
ہے رعایت تری ہر بات کی کتنی منظور
ذات پاک تو دریں ملک عرب کردہ ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبان عربی

کرسکے پایۂ عالی کو ترے کون ادراک
تیرے درجے کو نہ عیّوق ہی پہنچے نہ سماک
گرچہ کافی تھی فضیلت کو حدیث لولاک
شب معراج عروج تو گذشت از افلاک
بہ مقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

جوش میں شوق کے کچھ یاد رہی مدح نہ ذم
یہ نہ سمجھے کہ یہ کیا جائے ہے اور کیا ہیں ہم
خود ستائی ہے زبس رسم فصیحان عجم
نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بہ سگ کوے تو شد بے ادبی

تخمیس

بر غزل قدسی در نعت سرور عالم
صلی اللہ علیہ وسلم

ہوں تو عاشق مگر اطلاق یہ ہے بے ادبی
میں غلام اور وہ صاحب ہے میں امت وہ نبی
یا نبی یک نگہ لطف بہ امی و ابی
مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

مظہر نور خدا شکل ہے محسود صنم
محو تیرے ملک و حور و پری و آدم
کیا ہی عالم ہے کہ تصویر ہی کا سا عالم
من بے دل بہ جمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

دشت عالم میں سراسیمہ گذاری اوقات
آج تک منزل مقصود نہ پائی ہیہات
مدد اے خضر کرامت کہ نہیں پائے ثبات
ماھمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات
لطف فرما کہ ز حد می گذرد تشنہ لبی

اے شیخ سیر بندہ و خلد بریں پرست
گاھے به یاد سرو قدے گریه هم خوش است
تاکے زشوق سدرہ و طوبیٰ گریستن

لاکھوں تباہ حال ھیں میں اشک بار ایک
هر کس که هست گریه به حالش رواست لیک
نتوان به عالمے تن تنہا گریستن

مومن یه کہه دے جاکے که ھے گرچه دل په شاق
عرفی زگریه دست نه‌داری که در فراق
دردت زدل نه می بر الّا گریستن

مثلث

(برغزل مولانا عرفی شیرازی)

لذت فزاست در دل شب ها گریستن
خوش در خورست حسرت طوبیٰ گریستن
پنہاں ملول بودن و پیدا گریستن

مت بے حجاب رو تو نہ یوں جھانک چار سو
اے دیدہ شرم دار کہ مقبول عشق کو
رسوا نگاہ کردن و رسوا گریستن

منظور ہے کچھ اور کہ اشک آنکھ سے چلے
من خود کیم کہ گریہ بہ حالم کنی ولے
می زیبدت بہ نرگس شہلا گریستن

ہیں خوں فشانیاں عبث اے چشم اشک بار
گر کام دل بہ گریہ میسر شدے ز یار
صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

حیراں ہوں دیکھ ربط گل و شبنم اے ہزار
بے درد را بہ صحبت ارباب دل چہ کار
خندیدن آشنا نہ بود باگریستن

بے صرفہ ہائے روتے ہیں کن مدتوں سے خوں
عمرم بہ گریہ ہاے ہوس صرف شد کنوں
عمرے بہ تازہ بایدم و وا گریستن

مثلث ، تخمیس ، تضمین ، مخمس ، مسدس
مثمن ، ترجیع بند اور ترکیب بند

(۱۲۹)

پھر چھرے ہوے سرخ سیہ کاروں کے
نو روز ہے دن پھرے گنہ گاروں کے
بے وجہ نہیں کہ ابر رحمت ہے سیاہ
دھوئے ہیں مگر گناہ سے خواروں کے

(۱۳۰)

وصلت میں کبھی مزا نہ پایا ہم نے
عشق ایک فریب تھا کہ کھایا ہم نے
اے کاش کہ جان دل سے پہلے دیتے
جی کے یہ عبث عذاب اٹھایا ہم نے

(۱۳۱)

ہوتے نہ جدا گرچہ برائی کرتے
اے جان اتنی ہی دل فزائی کرتے
جاں پاس رہی ہے مرتے دم اے کاش
تم بھی ایسی ہی بے وفائی کرتے

---

(۱۲۵)

بدمست ہوں خم کا خم پیا ہے میں نے
جب شہ سے مقابلہ کیا ہے میں نے
مرتا نہیں جور محتسب سے زنہار
کیا آب حیات پی لیا ہے میں نے

(۱۲۶)

مومن خلقت لباس پر مرتی ہے
سر پاؤں پہ دامن کی طرح دھرتی ہے
عمامہ ہے نے عصا نہ جبّہ حضرت
پیروں کی یہی وضع ہوا کرتی ہے

(۱۲۷)

مومن لازم ہے وضع مرغوب بنے
جو رنگ ہو آدمی خوش اسلوب بنے
کیا خرقہ و عمامہ ہے اللہ اللہ
جب شکل بگڑ گئی تو تم خوب بنے

(۱۲۸)

مومن کوئی کس واسطے معیوب بنے
ہاں سچ ہے بنی رہے جس اسلوب بنے
جب ہو نہ صنم سے بدسلوکی پہ بگاڑ
اللہ سے گر بنے تو کیا خوب بنے

(۱۲۱)

کی صرف کہاں زندگانی ہم نے
دیکھی نہ جہاں میں قدر دانی ہم نے
افسوس کہ ایسے بے تمیزوں سے گلہ
قدر اپنی کچھ آپ ہی نہ جانی ہم نے

(۱۲۲)

آتش دل زار میں لگائی اس نے
برسوں جان حزیں جلائی اس نے
پھینکا مجھ پر کل اختلاطاً پانی
بھڑکی ہوئی کیا آگ بجھائی اس نے

(۱۲۳)

احسان کیا اگر ستایا تو نے
قصے سے نباہ کے چھڑایا تو نے
کرنے لگے پھر وہی سمجھ کی باتیں
بارے ہمیں آدمی بنایا تو نے

(۱۲۴)

ویراں ہوئی سو جائے ہے یہ کہنہ سرائے
اس پر بھی مرے سامنے تم ہنستے آئے
بس مجھ کو زیادہ نہ رلاؤ دیکھو
ایسا نہ ہو کچھ اور خرابی آ جائے

(۱۱۷)

راز غم عشق کو چھپایا ہم نے
اس ضبط سے جان کو کھپایا ہم نے
تھی دل میں بھری ہوئی ہوائے جاناں
درد قولنج اسے بتایا ہم نے

(۱۱۸)

جو کھائے یہ داغ شعلہ زا خاک جیے
جو زیست سے جلتا ہو بھلا خاک جیے
ہوتے جاتے ہیں خاک اجزائے وجود
یک چند جو یوں جیے تو کیا خاک جیے

(۱۱۹)

دل درد کا مبتلا خرابی یہ ہے
تو یار سو بےوفا خرابی یہ ہے
میں جان دوں تجھ پہ ہو نہ تجھ کو معلوم
اے خانہ خراب کیا خرابی یہ ہے

(۱۲۰)

شوخی تھی یہ بس میرے ستانے کے لیے
گرمی تھی یہ آگ پر لٹانے کے لیے
دشمن پہ گناہ سرد مہری کے سبب
تم آگ ہوے میرے جلانے کے لیے

(۱۱۳)

فرمائیے رات آپ کی کیوں کر گذری
ہر آن قیامت مرے دم پر گذری
تھی بس کہ خبر جوش مرض کی مجھے رات
بیمار کی رات سے بھی بدتر گذری

(۱۱۴)

مظہر سے بری ہے کبریائی اس کی
آئینہ گداز خود نمائی اس کی
وہ بندۂ نفس جو "انا اللہ" کہے
زیبندہ اسی کو ہے خدائی اس کی

(۱۱۵)

مردک نے شہنشاہ سے بیعت چاہی
گمراہ نے کس راہ سے بیعت چاہی
مصداق ہوا معنی "تبّت" کا یزید
فرزند "یداللہ" سے بیعت چاہی

(۱۱۶)

واں تم کو سفر ہوا جو مجبوری سے
یاں ناک میں دم ہے درد مہجوری سے
تم تو واں پہنچے اور میں یاں پہنچا
مرنے کے قریب آپ کی دوری سے

(۱۰۹)

ہے اور ہی آگ سوزش پنہانی
یہ بات طبیبوں نے کہاں پہچانی
سمجھو نہ عرق کہ دیکھ کر دل کی جلن
تپ شرم سے ہوگئی ہے پانی پانی

(۱۱۰)

دنیا کی طلب نہ روضۂ رضواں کی
ہو کوئی خفا کہیں گے ہم ایماں کی
چھوڑا کیا کچھ تیرے لیے پر تجھ کو
کافر ہوئی کچھ قدر نہ مومن خاں کی

(۱۱۱)

عاشق ہوئے کیا ایک مصیبت آئی
جوں روز نشور شام فرقت آئی
گویا یہ مکاں تھا تنگ نائے عالم
جس وقت کہ دل گیا قیامت آئی

(۱۱۲)

ہے بزم طرب میں اور ہی پامالی
مستی نے نئی خلش یہ دل میں ڈالی
حسرت سے فلک کو دیکھ کر کہتا ہوں
یا رب یہ سبو کیا ہے کس نے خالی

(۱۰۵)

آوارہ ہے خلق سب برا دور ہے یہ
پھرتے نہیں دن کبھی نیا دور ہے یہ
چکر میں ہے چرخ اور تو ہے بدنام
اے گردش روزگار کیا دور ہے یہ

(۱۰۶)

افسوس شکایت نہانی نہ گئی
دل پر سے فریب کی گرانی نہ گئی
الطاف تھے بس کہ روبروے دشمن
اس شوخ سے مجھ کو بدگمانی نہ گئی

(۱۰۷)

مومن یوں بھی کسی پہ مرتا ہے کوئی
اس طرح بھی جان سے گذرتا ہے کوئی
خود کام کو کیا سمجھ کے دل تو نے دیا
نادان ایسا بھی کام کرتا ہے کوئی

(۱۰۸)

خاطر نہیں تم کو گر ہماری نہ سہی
گر اب نہیں وہ جو دوستی تھی نہ سہی
ملنا نہیں تو پیام بھی ہو موقوف
جب وہ نہ رہا تو خیر یہ بھی نہ سہی

(۱۰۲)

کب تک ربط بتان دل‌جو کی نباه
کب تک فکر حصول حشمت اور جاه
آتا هے یه جی میں چھوڑ سب کچھ مومن
اک کونے میں بیٹھے کیجے الله الله

(۱۰۳)

گر دیکھے هے آئنه نوازش خاں گاه
اور پڑتی هے صورت مبارک په نگاه
ابلیس کے شبه[1] میں یه پڑھتے هیں آپ
لاحول ولا قوة الا بالله

(۱۰۴)

بے شاهد و بے باده صبر توبه توبه
اس عمر میں دل په جبر توبه توبه
ایام شباب اور دل‌جو ساقی
فصل گل و جوش ابر توبه توبه

---

۱ - شبیه - نسخهٔ نول کشور (کان پور ، طبع ۱۸۷٦ع ص۱۴۰) -
تصحیح قیاسی ''شبه''

(۹۸)

جو میرے بخار کا سبب ہے نہ کہو
یہ بات جگر سوز غضب ہے نہ کہو
معلوم نہیں تم کو طبیبو احوال
جلتا ہوں یہ کہنے سے کہ تب ہے نہ کہو

(۹۹)

درد شہدائے کربلا تو دیکھو
خوں ریزیٔ چشم ماجرا تو دیکھو
ایسوں سے ہو کیوں نہ حق تعالیٰ راضی
کیا صبر کیا ان کی رضا تو دیکھو

(۱۰۰)

مومن یہ اثر سیاہ مستی کا نہ ہو
اندیشہ کبھی بلند و پستی کا نہ ہو
توحید وجودی میں جو ہے کیفیت
ڈرتا ہوں کہ حیلہ خود پرستی کا نہ ہو

(۱۰۱)

گردش میں ہیں خاص و عام کیا دور ہے یہ
صہبائے طرب حرام کیا دور ہے یہ
جو بزم نشاط ہے جہاں میں سو خراب
یک جا نہیں دور جام کیا دور ہے یہ

(۹۴)

مومن ہے امید وصل بے جا تجھ کو
کم فہمیٔ شوق نے ڈبویا تجھ کو
پانی پھینکا تو گرم جوشی نہ سمجھ
ناداں یہ دیا ہے اس نے چھینٹا تجھ کو

(۹۵)

الفت میں بھی مجھ کو دکھ دیے جاتے ہو
مذکور ندامت کا کیے جاتے ہو
کہتے ہو کہ اب غیر کا میں نام نہ لوں
یوں بھی تو وہی نام لیے جاتے ہو

(۹۶)

بے فائدہ غیروں سے جدا ہوتے ہو
کب مائل ارباب وفا ہوتے ہو
اک ایک سے میری بے وفائی کا گلہ
کچھ خبر ہے غیرت سے خفا ہوتے ہو

(۹۷)

کیا رحم نہ آئے بات باور تم کو
کیا لوں جگر چاک دکھا کر تم کو
ہوں کاغذ نامہ کے ہزاروں پرزے
حالِ دل صد چاک لکھوں گر تم کو

(۹۰)

نہ صبر و سکوں کا گھر میں یارا مجھ کو
نے کوچۂ یار میں گزارا مجھ کو
سیماب کی طرح ایک دم چین نہیں
بے تابیٔ دل نے آہ مارا مجھ کو

(۹۱)

پھر کوے صنم پسند آئے مجھ کو
کوئی بت مہر جلوہ بھائے مجھ کو
جس دن نے دکھائیں یہ اندھیری راتیں
وہ دن اللہ پھر دکھائے مجھ کو

(۹۲)

کیا خوار و زبوں کیا وفا نے مجھ کو
کونے میں بٹھا دیا حیا نے مجھ کو
نظروں سے بتوں کی گر پڑا تھا مومن
صد شکر اٹھا لیا خدا نے مجھ کو

(۹۳)

میں کیا کہوں اپنے منھ سے کیسے تم ہو
تم آپ ہی جانتے ہو جیسے تم ہو
ہرجائی و ناقدر عدو کو نہ کہو
کہہ بیٹھے کوئی مبادا ایسے تم ہو

(۸۶)

ہے فکر سدا کوئی نہ چاہے تجھ کو
ہو کچھ ایسا کوئی نہ چاہے تجھ کو
شکوہ کر کے کروں گا سب میں رسوا
تا میرے سوا کوئی نہ چاہے تجھ کو

(۸۷)

گو ضعف یہی رہے گا مومن خاں کو
ہو گی تکلیف رحمت یزداں کو
کیوں کر پہنچے گی عالم بالا تک
دشوار ہو جب تن سے نکلنا جاں کو

(۸۸)

مظلوم ہوں پر داد خدا دے کس کو
اس بار گناہ سے بچاوے کس کو
جو اپنی بنی سو اپنے ہاتھوں سے بنی
گر رحم کرے مجھ پہ سزا دے کس کو

(۸۹)

کیسے دیے پیچ و تاب دل نے مجھ کو
دکھلائے یہ سب عذاب دل نے مجھ کو
کہتے ہو کہ اب غیر کا میں نام نہ لوں
کیا کیا نہ کیا خراب دل نے مجھ کو

(۸۲)

یہ حکم خدا کہ قطرہ مے کا نہ پیوں
اور مرضیٔ جانانہ کہ پیمانہ پیوں
توبہ بھی عزیز خاطر ساقی بھی
حیراں ہوں کہ پھر بادہ پیوں یا نہ پیوں

(۸۳)

تھا لائق سیر گرچہ گل زار جہاں
جاں بخش و طرب خیز و خوش و آباداں
پرھم کو بہ رنگ داغ لالہ کیا حظ
سودے میں کٹی بہار حسرت میں خزاں

(۸۴)

کیا طول عمل سے جان کو شاد کروں
حسرت سے دل خراب آباد کروں
بیزار ہوا ہوں اس قدر دنیا سے
گر ہاتھ لگے تو خوب برباد کروں

(۸۵)

جنت میں ہے روز حشر جانا مومن
ناداں نہ بن کہ تو ہے دانا مومن
ہر رات نہ مل روے صنم سے آخر
اک دن ہے خدا کو منھ دکھانا مومن

(۷۸)

(رباعی مستزاد)

اتنا عاشق پہ ظلم اتنی بے داد اے آفت جاں
یہ لوگ جہاں میں شوخ کافر جلاد پیدا ہیں کہاں
صد حیف نہ جانی قدر اُس کی تو نے تھا ایک ہی وہ
افسوس کی بات ہے کہ یوں ہو برباد مومن سا جواں

(۷۹)

روتا ہوں حسین ابنِ علی کے غم میں
ہیں عیش جناں کی آز، اس ماتم میں
حیف آل نبی میں کوئی باقی نہ رہا
لازم ہے کہ باقی نہ رہے کچھ ہم میں

(۸۰)

ہر لحظہ جو نا امید تر ہوتا ہوں
بے فائدہ رو رو کے میں جی کھوتا ہوں
قسمت میں شب و روز لکھا ہے رونا
قسمت کے لکھے کو رات دن روتا ہوں

(۸۱)

ارباب حدیث کا میں فرماں بر ہوں
تقلید کے منکروں کا سر دفتر ہوں
مقبول روایت آئمہ نہ قیاس
یعنی کہ فقط مطیع پیغمبر ہوں

(۷۵)

آرام و سکوں کہاں ھے بے تابی میں
صد برق تپاں نہاں ھے بے تابی میں
اک آن بھی دل کو چین لینے نہ دیا
تیری ھی سی شوخیاں ھے[1] بے تابی میں

(۷۶)

کیا خوب عذاب میں گرفتار ھوں میں
جاں دادۂ لطف رشک اغیار ھوں میں
جینے سے مرے وہ دشمنی سے خوش ھے
جانے ھے کہ زندگی سے بیزار ھوں میں

(۷۷)

تاثیر یہ پند کی ھے میں بھی کیا ھوں
یہ کہتے ھیں آپ اور میں جلتا ھوں
اے حضرت مومن اب تمھاری ضد سے
ان شاء اللہ پھر بتوں کو چاھوں

۱- نسخہ نول کشور (کانپور اکتوبر ۱۸۷۶ع حاشیہ ص ۱۳۷) میں ''ھیں'' ھے لیکن مصرع اول اور ثانی میں ''ھے'' آیا ھے اس لیے تصحیح کی گئی -

(۷۲)

اچھا ہے گر اس کے دم میں پھر آؤں میں
چاہت کی سزا زیادہ تر پاؤں میں
اس دشمن جاں کا پاس کب تک ہے
کہتا ہوں کہ دل ملے تو مل جاؤں میں

(۷۳)

قاصد میں ترے سخن کا شائق ہی نہیں
کچھ ذکر ہو طبع کے موافق ہی نہیں
پیغام سے بن ملے ہو کیوں کر تسکیں
باتوں میں جو بہل جائے عاشق ہی نہیں

(۷۴)

پائی یہ سزا چاہ کی جی کھوتا ہوں
ہنسنے کی ہے کیا جائے اگر روتا ہوں
اس جور پہ اب تلک نہیں شرم تمھیں
میں ذکر وفا کر کے خجل ہوتا ہوں

(۶۸)

اس طالع شور کا تو چارا ھی نہیں
دنیا میں علاج ایک ھمارا ھی نہیں
اغیار کو نوش جاں مے وصل کہ یاں
جز شربت مرگ کچھ گوارا ھی نہیں

(۶۹)

مومن رہ عشق آہ کچھ خوب نہیں
واللہ بتوں کی چاہ کچھ خوب نہیں
آ مان کہا نہ جا سوے بت خانہ
کچھ خوب نہیں یہ راہ کچھ خوب نہیں

(۷۰)

اب ھم پہ جو ھر گھڑی وہ جھنجھلاتے ھیں
الطاف قدیم آہ یاد آتے ھیں
تھا یا تو وہ لطف یا یہ نفرت واللہ
لوگ ایسے بھی دنیا میں بدل جاتے ھیں

(۷۱)

پانی اس بت نے تجھ پہ پھینکا مومن
احسان میں سر بسر ڈبویا مومن
ھے کشت امید سبز و خرم بارے
ابر رحمت کچھ آج برسا مومن

(٦۴)

ہے تم کو عداوت آزمانا معلوم
کیا زیست کہ گور پر بھی آنا معلوم
ہم جان سے جائیں یا جہاں سے لیکن
ہو آپ کے دل میں کچھ ٹھکانا معلوم

(٦۵)

تابندگیٔ عذار سے فرق امام
تھا جلوہ نما سناں پہ جوں ماہ تمام
یہ حجت ساطع کرامات حسین
افزوں ہوئی تیرہ روزیٔ لشکر شام

(٦٦)

خالص ہوں محمدی مرا دین اسلام
گو رائے صواب ہو نہیں مجھ کو کام
تقلید کی ٹھہری تو بنوں گا شیعہ
کس واسطے چھوڑ دیجے افضل تر امام

(٦۷)

مومن تمھیں کچھ بھی ہے جو پاس ایماں
ہے معرکۂ جہاد چل دیجے وہاں
انصاف کرو خدا سے رکھتے ہو عزیز
وہ جاں جسے کرتے تھے بتوں پر قرباں

(٦٠)

میں شمع نہیں میرے رلانے سے حصول
لوبان نہیں میرے جلانے سے حصول
هوں خردۂ گل نہ آب باران بہار
ظالم مرے خاک میں ملانے سے حصول

(٦١)

معلوم ھے رنج کا جو سارا احوال
ھے تم سے زیادہ تر ھمارا احوال
واں تن پہ ھے صدمہ اور یہاں جان پہ ھے
اپنا کہیں یا سنیں تمھارا احوال

(٦٢)

مصروف روائے کار تھے ھر جا ھم
کام آئے هر ایک شخص کے کیا کیا ھم
پر جس کے ھوئے نہ جانا اس نے اپنا
دنیا میں مکان وقف تھے گویا ھم

(٦٣)

کس واسطے متصل رلانا ظالم
یوں کس لیے دم بہ دم جلانا ظالم
هوتی ھے ادا اگر قضا هو بیداد
ھے فرض مگر مرا ستانا ظالم

(۵٦)

ہر ایک پہ کھل رہا ہے سارا احوال
مشہور ہے خلق میں ہمارا احوال
افسوس یہ پوچھنا کہ احوال ہے کیا
معلوم ہوا مجھے تمہارا احوال

(۵۷)

مومن تب و تاب غم میں رونے سے حصول
پھل پا چکے مفت جان کھونے سے حصول
یہ تخم کہیں ہوا ہے سرسبز اب تک
اس دانۂ سوختہ کے بونے سے حصول

(۵۸)

کیوں زرد ہے رنگ کس لیے آنسو لال
کس واسطے ہر گھڑی رہے ہے تو نڈھال
کیا شکل یہ بن گئی ہے تیری مومن
کیا ہوگیا تجھ کو کیوں ہے تیرا یہ حال

(۵۹)

بدنام کیا ترا برا ہو اے دل
ناکام کیا ترا برا ہو اے دل
مومن کو بتوں سے کیا سرو کار بھلا
کیا کام کیا ترا برا ہوا اے دل

(۵۲)

گہ دھیان ہے طالع بد اختر کی طرف
گہ چشم امید لطف دل بر کی طرف
ہے خوف بلا و انتظار جاناں
اک آنکھ ہے سوے چرخ اک در کی طرف

(۵۳)

تاثیر نہ کی عشق نے اپنے مطلق
چھیڑے ہے زیادہ شوخ ہنگام قلق
گلگونۂ لالہ رنگ خوں‌نابہ کو دیکھ
کہتے ہیں وہ کیا ہی منہ پہ پھولی ہے شفق

(۵۴)

مومن شوق گناہ گاری کب تک
اے تیرہ دروں سیاہ‌کاری کب تک
مان اپنے خدا کو باز آ بہر خدا
اے دشمن دیں بتوں سے یاری کب تک

(۵۵)

خاطر میں یہ کلفتیں نہ لائیں کب تک
صحرا صحرا یہ خاک اڑائیں کب تک
ناچار جہان سے ہم اٹھ جائیں گے
جور و ستم فلک اٹھائیں کب تک

(۴۸)

کہتا ہوں میں اک بات بہ تعلیم سروش
کرلے جسے تسلیم ہر اک صاحب ہوش
مدت سے کہے نہیں جو تم نے اشعار
تب کا نہیں یہ گرمیٔ مضموں کا ہے جوش

(۴۹)

جلتی ہے تمام رات جس طرح سے شمع
روتی ہے ہمارے سات کس طرح سے شمع
پر شعلہ زبانی ہے یہاں روز فزوں
کیا بات کہے یہ بات اس طرح سے شمع

(۵۰)

پروانے کو کس لیے جلایا اے شمع
بے جرم کو خاک میں ملایا اے شمع
سر کٹنے سے بھی ذرا شرارت نہ گئی
تو نے تو غضب ہی سر اٹھایا اے شمع

(۵۱)

ہر روز ہوں مثل مہر سر تا پا داغ
ہر رات ہے سوز سینہ مانند چراغ
سیماب کی طرح جان مضطر کے سبب
مر کر بھی ہوا نہ مجھ کو جلنے سے فراغ

(۴۴)

ہے بس کہ محبت رسول مختار
مذہب کو میں سوچتا ہوں لیکن ہر بار
آتا ہے قیاس میں حق اہل حدیث
ہر چند قیاس سے نہیں ہے سروکار

(۴۵)

کعبے سے اٹھا ابر ہمیں سوجھی دیر
پرہیز پہ بے راہ روی دیکھو سیر
واللہ بڑا ہے ابر رحمت کا ہجوم
توبہ کی نہیں آج نظر آتی خیر

(۴۶)

ہم بوالہوس اور یار ٹھہرے جاں باز
ہم غیر بنے عدو ہوئے محرم راز
گو بات بگڑ گئی پہ سب کچھ بن آئے
گر ہوئے موافق یہ سپہر ناساز

(۴۷)

تشریف وہ یاں نہ لائے افسوس افسوس
مرتے دم بھی نہ آئے افسوس افسوس
سب رہ گئیں دل کی حسرتیں دل ہی میں
افسوس افسوس ہائے افسوس افسوس

(۴۰)

مومن ہے اگرچہ سب آسی کا یہ ظہور
توحید وجودی کا نہ کرنا مذکور
یعنی کہ بنائے ہیں خدا نے بندے
بندے کو خدا بنائے کس کا مقدور

(۴۱)

ہے ضعف سے دل پہ ہاتھ دھرنا دشوار
جب دم نہ رہا تو نام کرنا دشوار
اس پر یہ غضب کہ حسرتوں کا ہے ہجوم
جینا دشوار مجھ کو مرنا دشوار

(۴۲)

ہر چند نہیں قیاس سے کچھ سروکار
پر توبہ سے از بس کہ ہوا میں بیمار
مے بہر دوا پینے کو مفتی کے حضور
تقلید ابوحنیفہ کا ہے اقرار

(۴۳)

خلوت میں نہ تھا کوئی فقط میں اور یار
سب صبح دم آئے ہیں رفیق و غم‌خوار
جو لطف اٹھائے ہیں شب وصل اس نے
وہ قصہ کہے کون کہ بہلے دل زار

(۳٦)

کیا ڈر ہے اگر نیند نہ آئی یک چند
بے خوابیٔ ہر روزہ سے میں ہوں خرسند
معلوم ہوا ابھی خدا کو میرے
منظور نہیں کہ میری آنکھیں ہوں بند

(۳۷)

تہمت ترے عشق کی لگا دی مجھ پر
کر دی مری جاں حرام شادی مجھ پر
نہ دن کو قرار اور نہ ہے رات کو خواب
دل نے مرے ہائے کیا بنا دی مجھ پر

(۳۸)

یاں رشک کمال و ناتمامی ہے لذیذ
کیوں کر نہ جلوں وفا کی خامی ہے لذیذ
خوں نابۂ درد و تندیٔ مے میں ہے فرق
افسوس عدو کی تلخ کامی ہے لذیذ

(۳۹)

امواج فرات دیکھ روئے شبیر
حسرت سے یہ خوں نابہ فشاں کی تقریر
ہیں اپنے ہی امتی لہو کے پیاسے
کیا تشنگیٔ آل نبی کی تدبیر

(۳۲)

یہ کچھ رہ سنت نہ طریق توحید
پھر کیا ہے ضرور سب کی یکساں فہمید
ہم سمجھے ہیں معنئی حقیقی یعنی
حیواں ہیں حقیقت میں یہ اہل تقلید

(۳۳)

مومن نہیں زھد بے ریا سے امید
کیا شیخ بنوں کسی دعا سے امید
جب رحم محبت صنم میں نہ کیا
کیا عشق حقیقی میں خدا سے امید

(۳۴)

کرتا ہے لگاوٹیں وہ رشک مہ عید
بے وجہ نہیں ہے جوش دریاے امید
پانی اس نے جو تجھ پہ پھینکا مومن
تر دامنئی وصال کی ہے یہ نوید

(۳۵)

کیا سخت تھے ابن سعد اور ابن زیاد
اولاد نبی پہ ہے ستم یہ بیداد
فریاد امام کی کسی نے نہ سنی
اللہ سنے مقلدوں کی فریاد

(۲۸)

درماں میں مرے طبیب کو غور ہے آج
معلوم ہوا مزاج بے طور ہے آج
اس حال میں کل تلک تو جینا معلوم
آج آؤ کہ زندگی مری اور ہے آج

(۲۹)

پامال ہوں میں اگر جفا سے ناصح
کیا کام تجھے تیری بلا سے ناصح
جس بت کو کہ پوجے خلق دل میں بھی
کیا ظلم ہے ڈر ذرا خدا سے ناصح

(۳۰)

جوں ماہ میں عمر بھر پھرا ہوں اے چرخ
ہر شہر میں در بہ در پھرا ہوں اے چرخ
ان سا کوئی مہروش تو دیکھا ہی نہیں
میں تجھ سے زیادہ تر پھرا ہوں اے حرخ

(۳۱)

مومن نے کیا نام محبت برباد
ہے طوف حرم میں اور کیا کیا دل شاد
آتا ہے یہ جی میں پوچھیے کیوں حضرت
اب بھی وہ بتوں کے گرد پھرتا ہے باد

(۲۴)

اے خواجۂ خواجگاں دم خشم و عتاب
کیا تاب کہ دے سکے کوئی تجھ کو جواب
گر جرم کا میرے وزن کرنا ٹھہرا
انصاف سے کر اپنے کرم کا بھی حساب

(۲۵)

یہ چند منافق سراپا بدعت
ہے کفر و ضلال و فسق جن کی طینت
بتلاتے ہیں بدعتی امام حق کو
گویا کہ جہاد ہے خلاف سنت

(۲۶)

رو رو کے کہا اس سے ملاقات کی رات
رو رو کے کٹیں ہجر کی راتیں ہیہات
اب ذکر شب وصل ہے احباب سے اور
رونا وہی زار زار یہ ہے کیا بات

(۲۷)

اے حلقۂ زلف دامداری ہے عبث
اے ناز و ادا کمیں ہماری ہے عبث
یاں دل سے قرار جا چکا ہے کب کا
اے شوخئ یار بے قراری ہے عبث

(۲۰)

لکھا نہ گیا اگرچہ دفتر لکھا
لکھا وہی بالکل کہ ہے دل پر لکھا
حیراں ہوں کہ جو حال پریشاں ہے مرا
یہ کاتب تقدیر نے کیوں کر لکھا

(۲۱)

رباعی مستزاد

مومن دل سا مکاں جو برباد دیا مانند حباب
ان سنگ دلوں کو دے کے کیا خاک لیا جز رنج و عذاب
یعنی وہ مکاں کہ تھا خدا کا مسکن کر نذر بتاں
برباد کیا آسے یہ کیا کام کیا اے خانہ خراب

(۲۲)

کیا کہیے ہوا جو ضعف سے حال خراب
کیا ذکر طعام پی نہیں سکتا آب
منھ خاک چلے ہے لب کی جنبش معدوم
لوں تاب و تواں کا نام میری کیا تاب

(۲۳)

ہے شرم گنہ سے جان کیسی بے تاب
یہ ذکر جہاں ہوا ہوا جی بے تاب
یا رب کہ موثر ہو یہ کہنا میرا
یا رب ہے ترا بندۂ عاصی بے تاب

(١٦)

روشن ہے جو ہے آل عبا کا پایا
ہاں مرتبہ تسلیم و رضا کا پایا
قندیل ہے عرش کی جو ہر جان شہید
کیا ہوئے گا، شاہ شہدا کا پایا

(١٧)

ہے عہد شباب زندگانی کا مزا
پیری میں کہاں وہ نوجوانی کا مزا
اب یہ بھی کوئی دن میں فسانہ ہوگا
باتوں میں جو باقی ہے کہانی کا مزا

(١٨)

ہے طرفہ ستم آن کے پھر گھر جانا
حسرت زدہ جینا بھی ہے گو مر جانا
پر مجھ کو سحر تلک نہ جینے دے گا
تیرا یہ شب بہ خیر کہہ کر جانا

(١٩)

مومن کو رفیق گبر و ترسا دیکھا
پھر طائف کعبۂ معلیٰ دیکھا
ہندی صنم اب ہیں جستجو میں بے تاب
اللہ کی قدرت کا تماشا دیکھا

(۱۲)

کیا ظلم یہ اے نالۂ بے باک کیا
اُس شعلہ مزاج کو غضب ناک کیا
افسوس وہ لعل لب نہیں گرم سخن
اس آتش خاموش نے جی خاک کیا

(۱۳)

یوں کا ہے کو یار بے وفا جانا تھا
یوں کا ہے کو دشمن آشنا جانا تھا
ایسا کہیں آتا ہے دل ایسے پر بھی
کیا جانیے میں نے تم کو کیا جانا تھا

(۱۴)

اندیشۂ پایان جفا کرنا تھا
نادان ذرا پاس وفا کرنا تھا
غیروں کے لیے ہاتھ سے کھویا ہم کو
کیا تم نے کیا اور آہ کیا کرنا تھا

(۱۵)

ہنگامۂ حشر جب کہ برپا ہوگا
یوں روے سوال سوے اعدا ہوگا
اولاد نبی پہ ظلم کیا کیا نہ کیے
سمجھے نہ یہ تم کہ ہم پہ کیا کیا ہوگا

(۸)

کیوں مدنظر ہے تم کو مرنا میرا
کیوں بھائے ہے جان سے گزرنا میرا
ہے روز وصال یا کہ عید قرباں
واجب گنتے ہو ذبح کرنا میرا

(۹)

جام آپ نے دم بہ دم دیے ہیں کیا کیا
خوں نابۂ درد و غم پیے ہیں کیا کیا
کچھ کش مکش صبر و جفا کی حد ہے
انصاف کرو ستم کیے ہیں کیا کیا

(۱۰)

رباعی مستزاد

گہہ دین میں تھا لقب یگانا اپنا — تھے بت سے خفا
گاہے صنموں کو ہم نے جانا اپنا — اللہ ری خطا
سب دیر و حرم کی خاک چھانی مومن — کیا خاک کہیں
دیکھا تو کہیں نہیں ٹھکانا اپنا — جی بیٹھ گیا

(۱۱)

جب پاس وفا اسے ہمارا نہ رہا
ہم کو بھی خیال دوستی کا نہ رہا
قرباں میں کس ادا سے کہتا ہے تمھیں
اتنے ہی میں عاشقی کا دعوا نہ رہا

(۴)

جب سے وہ گئے آدھر نہیں یاد کیا
بھیجی نہیں کچھ خبر نہیں یاد کیا
ہم یاد میں جس کی آہ سب کچھ بھولے
اس نے ہمیں بھول کر نہیں یاد کیا

(۵)

گر جور و ستم پہ طبع آئی اچھا
ہے شوق محبت آزمائی اچھا
یاں روز جزا کی آس ہے روز فزوں
کر لیجے جو ہو سکے برائی اچھا

(۶)

گر دل میں اثر نہ تیرے غم کا ہوتا
کاہے کو یہ لوٹنا تڑپنا ہوتا
کیسی آرام سے گذرتی اوقات
اے کاش کہ میرا دل بھی تجھ سا ہوتا

(۷)

محروم حصول مدعا نے چاہا
حسرت زدہ بخت نارسا نے چاہا
مومن اس بت نے گر نہ چاہا نہ سہی
ہم خوش ہیں اسی میں جو خدا نے چاہا

(۱)

تھا ہم سے بھی ربط بے وفا یا کہ نہ تھا
ایسی ہوئی کچھ کبھی بھی گویا کہ نہ تھا
یاروں میں تمھارے ہم بھی تھے یا کہ نہ تھے
دیکھو تو ادھر کو کبھی کچھ تھا کہ نہ تھا

(۲)

ہو حق وفا ادا قضا نے چاہا
کعبے کا سفر بخت رسا نے چاہا
ہے ترک علاج ان بتوں کا مومن
دیکھو چاہیں گے گر خدا نے چاہا

(۳)

کیا گوشہ خفا میں انجمن میں بھی تو تھا
کیا دشت کہ تنگ دل چمن میں بھی تو تھا
کچھ اور نہیں سفر میں ایذا لیکن
اک درد ہے دل میں سو وطن میں بھی تو تھا

رباعیات

جنبش نہ دیجے ابروے خوش خم کو دیکھیے
تیغ ستم کو دیکھیے اور ہم کو دیکھیے

دیکھا ہے خواب میں یہ کس آرام جاں کو ہائے
غش پہروں آپ جان کے رہتے ہیں ہم پڑے

باقی نہیں رہا ہے کچھ تن میں حال اپنے
اک ایک موے سر ہے سر کا وبال اپنے

جو بعد مرگ بھی الفت کا کچھ اثر ہو جائے
ہماری خاک پہ ہو جائے یار پر ہو جائے

یاں یہ ٹھیری ہے کہ اب بیڑی پنہانی چاہیے
آں کو مقناطیس کی چوکھٹ لگانی چاہیے

کافر آسے بنانا تھا یہ کیا کیا بتو
مومن سے مل کے تم بھی مسلمان ہوگئے

دو ہی دن ہے شب و روز غم و شادی مومن
کچھ ہمیشہ نہ رہے گا نہ رہا یاد رہے

اس نے نامہ لکھا نصیب پھرے
نامہ بر کیا پھرا نصیب پھرے

جہاں نے جوں خاک ہم کو روندا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے
ہوئی ہے مٹی خراب کیا کیا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے

بہا کب اشک آ کر اس کی چشم سرمہ گیں میں ہے
عصائے آبنوسی دست بیمار حزیں میں ہے

چھیڑ دیکھو جو سنا نالۂ موزوں میرا
غیر سے شوخ نے اشعار فغانی مانگے

ستم گر پوچھتا ہے حال کیا بیمار کا اپنے
کوئی دم کا گھڑی کا لحظے کا ساعت کا مہماں ہے

خدا کے واسطے اب تو جنوں ہو سلسلہ جنباں
کوئی دیوانۂ وحشت زدہ تا دست و پا کھولے

سنگ مرقد سے مرے فیض ہے سب کو مومن
ہوں تہہ خاک بھی طوطی پس آئینہ

چاک کر کھول دیا گرچہ یہ سینہ تو نے
تو بھی دل کی نہ گرہ ناخن شمشیر کھلی

لچھے ریشم کے نہ ہاتھوں میں پہن
دیکھ نازک ہے کلائی تیری

ہجر کی شب اور یاد زلف نے لوٹا مجھے
جی وہ آ کر لے گئی اور دل یہ آ کر لے گئی

بہ جان و دل پیام یار کی تعظیم کی ہم نے
سلام اس کا کہا قاصد نے جاں تسلیم کی ہم نے

اے ماتم فراق اجل سے بچا بچا
رکھا تھا میں نے جان کو کیا تیرے واسطے

بہائیں کیا کہیں اب دیدۂ اعدا سے ہم آنسو
کہ بن کر بہہ گئی اے شوق گریہ چشم نم آنسو

یارو کسی صورت سے تو احوال جتا دو
دروازے پہ اس کے مری تصویر لگا دو

میں تو بولا ہی نہیں کس نے کیا ہے شکوہ
جھوٹ طوفاں نہ اٹھا خیر ہے برہم مت ہو

گریۂ شب نے بھگویا ہے اب اے آہ سحر
تیری گرمی سے جو بستر نہ جلے خشک تو ہو

یہ حالت بن گئی مومن ذرا کچھ منہ سے تو پھوٹو
تمھیں کیا ہو گیا یہ دل دیا کس شوخ کافر کو

ہو صورت خاک دل لگنے کی جنت مین بھلا مومن
مری نظروں میں ہے شاہجہاں آباد کا نقشہ

ہے لطف بناوٹ کا ہم خوب سمجھتے ہیں
یہ طور لگاوٹ کا ہم خوب سمجھتے ہیں

مجھ کو کیا کام کہ آئینے کی حیرت دیکھوں
دیکھ تو آئینہ اور میں تری صورت دیکھوں

جیوں یامرچکوں یوں نزع کب تک
ادھر ہو جاؤں یا رب یا آدھر میں

نہ ہو تو بیٹھے بٹھائے خراب اے مومن
لڑا نہ اس بت خانہ خراب سے آنکھیں

مری تربت پہ کیا ہے کام شمع و گل کا اے یارو
یہاں پروانہ و بلبل کے اک دو چار پر دیکھو

خوش آئے مجھ کو صبا کب گلوں کی باغ میں بو
بھری ہوئی ہے یہاں اور ہی دماغ میں بو

خوش نہ کیوں کر ہوں میں کافر کو مسلماں کر کے
مومن اس بت نے دلائی مجھے ایماں کی قسم

بے جا کدورتوں سے تری دم ہے ناک میں
مل جاؤں کاش پر اسی کوچے کی خاک میں

مضمون بسمل ان کے کہوں کیا عتاب میں
قاصد کی لاش آئی ہے خط کے جواب میں

دست جنوں کے جائیے صدقے کہ چین سے
پھیلائے پاؤں ہم نے گریباں کے چاک میں

ساقیا زہر دے ہجراں میں کہ بے ہوش ہوں میں
کاسۂ عمر ہو لب ریز تو مے نوش ہوں میں

نہ کیوں اٹھ جائیں اس محفل سے جب یہ طور ہم دیکھیں
لڑائے آنکھ تو غیروں سے بیٹھا اور ہم دیکھیں

جس سے ہمیں ہے کام اسی خود کام کے باعث
ہم نام سے صحبت ہے تو کیوں نام کے باعث

بھیج قاصد اے دل جُو اور معتمد سا بھیج
تیرے واسطے میں نے دل رکھا ہے منگوا بھیج

اسے غیر کے پاس سنتے نہیں ہیں
زیادہ ہمیں ہوش سے بھائے ہے غش

میں تو دیوانہ ہوں مومن کا کہ ہے اس شخص کو
اس قدر وحشی مزاجی پر بھی اک عالم سے ربط

چکھتے ہیں شور محبت کا مزا لذت نصیب
تجھ سے اے ناصح کبھی کیا کوئی غم کھانے کا حظ

مجھ پہ ہنستے تو ہیں پر دیکھنا روئیں گے رقیب
لب خنداں کی قسم دیدۂ گریاں کی قسم

بارے محشر میں بگڑنا تو ہمیں بن آیا
کہ اٹھے خاک سے جب وہ سرمدفن آیا

جان دی اور اس وفا پر امتحاں باقی رہا
حشر کی فریاد کا اُس کو گماں باقی رہا

ہے زمیں سب فتنہ خیز اس کے خرام ناز سے
یہ قیامت کیسی آئی آسماں باقی رہا

خیال نرگس سے گوں میں مر گئے ہیں ہم
نہ کیوں کہ لوگ پئیں اپنی بزم غم میں شراب

محروم ہوا[۱] مومن ناکام محبت
اے اہل محبت یہ ہے انجام محبت

در بت خانہ پر کھڑا تھا آج
مومن دین دار کیا باعث

۱- چلا -

بدایوں میں مجھے جوش جنوں لایا ہے دلی سے
یہ کیوں کر چارۂ پند خردمنداں کا ہوش آیا

وقت وداع یار عجب اپنا حال تھا
کیا کرتے ہمرھی کہ ٹھہرنا محال تھا

جاں باز مومن اُس نے دیا غیر کو خطاب
ہم جان پر بھی کھیلے پہ نام اور کا ہوا

رحم کرنے کا نہیں مومن وہ کافر کیش پھر
فائدہ رونے سے سر چوکھٹ سے حاصل توڑنا

تھے ہمیں مومن کی خود داری پہ کیا کیا اعتماد
کیا خبر تھی یہ کہ یوں محو بتاں ہو جائے گا

تمھیں ملنا تھا دشمن سے تو ملتے
ولے یک چند ترسایا تو ہوتا

قلق نے شب یہ گھبرایا نہ جب وہ ماہ‌رو آیا
کہ جب اچھلا زمیں سے دامن گردوں کو چھو آیا

اس ستم کیش نے یہ اپنے نصیبوں کا لکھا
خط بھی لکھا تو سلام اُس میں رقیبوں کا لکھا

جُوڑا کھلا تو زلف سیہ فام میں پھنسا
چھوٹا تھا دل قفس سے سو پھر دام میں پھنسا

سینۂ مجنوں کی جانب دیکھ کر رخ کیجیو
محمل لیلیٰ کہیں مت سنگ طفلاں توڑنا

عطر ملتا تھا وہ عذربد دماغی کے لیے
دور سے دیکھا عدو کو ھاتھ مل کر رہ گیا

نہ کیوں کر دیکھ مجھ کو رنگ بدلے اُس پری رو کا
پلٹنا ان نگاھوں کا الٹ جانا ھے جادو کا

فردیات

جہاں سے تنگ تر جنت نہ ہو جاے
بہت حسرت بھرا جاتا ہوں یاں سے

برا انجام ہے آغاز بد کا
جفا کی ہو گئی خو امتحاں سے

خدا کی بے نیازی ہاے مومن
ہم ایماں لائے تھے ناز بتاں سے

برا ہے عشق کا انجام یا رب
بچانا فتنۂ آخر زماں سے
رہی شب کی سی بے تابی تو ہر روز
چرائیں گے ہم آنکھیں پاسباں سے
وہ آیا خاک پر تو بھی نہ اٹھے
ہوے ہم کیا سبک خواب گراں سے
مرا بچنا برا ہے آپ نے کیوں
عیادت کی لب معجز بیاں سے
ملے دشمن سے کیوں کر بے حجاب آپ
نہ شرم آئی مرے شوق نہاں سے
مرے گھر آپ یوں جاتے تھے کس دن
اٹھانا مدعا ہے آستاں سے
وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر آپ
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

(ق)

گر اپنے وہم ہی سے اس نے پوچھا
مرا احوال میرے راز داں سے
نہ بولوں گا نہ بولوں گا کہ میں ہوں
زیادہ بدگماں اس بدگماں سے
نہ نکلی ھائے یوں بھی حسرت دل
بہے سو بحر چشم خوں فشاں سے
نہ بجلی جلوہ فرما ہے نہ صیاد
نکل کر کیا کریں ہم آشیاں سے
اٹھے دیوار کیا جب خانۂ غیر
بنے میرے غبار ناتواں سے

لیا ہے دل کے عوض جان دے رقیب تو دوں
میں اور آپ کی سوداگری زیاں کے لیے

وہ لعل روح فزا دے کہاں تلک بوسے
کہ جو ہے کم ہے یہاں شوق جاں فشاں کے لیے

ملے رقیب سے وہ جب سنا وصال ہوا
دریغ جان گئی ایسے بدگماں کے لیے

کہاں وہ عیش اسیری کہاں وہ امن قفس
ہے بیم برق بلا روز آشیاں کے لیے

جنون عشق ازلی کیوں نہ خاک اڑائیں کہ ہم
جہاں میں آئے ہیں ویرانیٔ جہاں کے لیے

بھلا ہوا کہ وفا آزما ستم سے موئے
ہمیں بھی دینی تھی جاں اس کے امتحاں کے لیے

رواں فزائیٔ سحر حلال مومن سے
رہا نہ معجزہ باقی لب بتاں کے لیے

(۲۱۹)

نہ ربط اس سے نہ یاری آسماں سے
جفا پھر عدو لاؤں کہاں سے

یہ حالت ہے تو کیا حاصل بیاں سے
کہوں کچھ اور کچھ نکلے زباں سے

قیامت مرتے دم آئی فغاں سے
جہاں لے کر چلے ہیں ہم جہاں سے

شب وصل آپ کا عذر نزاکت
بجا ہے پر نہ مجھ سے نیم جاں سے

خدا کرے ملک‌الموت ان سے پہلے آئے
بہت سی لینی ہیں جانیں پئے نثار مجھے
کیے ہیں طول امل نے تمام کام خراب
ہمیشہ نظم جہاں کے ہیں کاروبار مجھے
ہر آن آن دگر کا ہوا میں عاشق زار
وہ سادہ ایسے کہ سمجھے وفا شعار مجھے
ثواب ترک صنم سچ سہی ولے مومن
یہ کیا سبب کہ سناتے ہو بار بار مجھے

(۲۱۸)

دعا بلا تھی شب غم سکون جاں کے لیے
سخن بہانہ ہوا مرگ ناگہاں کے لیے
نہ پائے یار کے بوسے نہ آستاں کے لیے
عبث میں خاک ہوا میل آسماں کے لیے
خلاف وعدۂ فردا کی ہم کو تاب کہاں
امید یک شبہ ہے یاس جاوداں کے لیے
سنیں نہ آپ تو ہم بوالہوس سے حال کہیں
کہ سخت چاہیے دل اپنے راز داں کے لیے
حجاب چرخ بلا ہے ہوا کرے بے تاب
فغاں اثر کے لیے اور اثر فغاں کے لیے
ہے اعتماد مرے بخت خفتہ پر کیا کیا
وگرنہ خواب کہاں چشم پاسباں کے لیے
مزا یہ شکوے میں آیا کہ بے مزہ ہوے وہ
میں تلخ کام رہا لذت زباں کے لیے

وہ رند خم کدہ کش ہوں کہ زہر دیتے ہیں
بہ تنگ آ کے حریفان بادہ خوار مجھے
نہ ہو وہ بات کہ جس سے وفا میں آئے خلل
کہیں نہ کیجیو ناصح سے شرمسار مجھے
بہ قدر جوش تڑپنے کو تھا ولے پس قتل
وہ بے قرار ہوئے آ گیا قرار مجھے
امید مرگ پہ ہر فتنہ راحت جاں ہے
شب فراق میں کیا بیم روزگار مجھے
قران انجم سیارہ برج آبی میں
ڈبوئے گی مری چشم ستارہ بار مجھے
اگر حساب وفا امتحاں کے بعد نہ ہو
قبول عذر ستم ہائے بے شمار مجھے
شب وصال میں سب قطرہ قطرہ مے پی لی
رہا نہ وسوسۂ چارۂ خمار مجھے
رقیب کھائے قسم تو وفا کا آئے یقیں
تو میری جان ہے کیا تیرا اعتبار مجھے
نہ سیر گل نہ قدح نوشی اس کے ساتھ ہوئی
غم خزاں ہے نہ کچھ حسرت بہار مجھے
پس شکستن خم زجر محتسب معقول
گناہ گار نے سمجھا گناہ گار مجھے
لبوں پہ جان ہے ایسی بھی کیا ہے بے دردی
نہ قرض دیتے ہو بوسہ نہ مستعار مجھے
نہ کام زور سے نکلا نہ عجز کام آیا
بس اب تو چین دے اے شوق ہرزہ کار مجھے

خط کی مجھے قاصد کو ہے انعام کی خواہش
میں دست نگر خود ہوں وہ کیا دست نگر ہے
ارمان نکلنے دے بس اے بیم نزاکت
ہاں ہاتھ تصور میں مرا زیر کمر ہے
رندوں پہ یہ بے داد خدا سے نہیں ڈرتا
اے محتسب ایسا تجھے کیا شاہ کا ڈر ہے
ایسے دم آرام اثر خفتہ کب اٹھا
ہم کو عبث امید دعا ہاے سحر ہے
ہم حال کہے جائیں گے سنیے کہ نہ سنیے
اتنا ہی تو یاں صحبت ناصح کا اثر ہے
وہ ذبح کرے اور یہاں جان فدا ہو
ایسے سے نبھے یوں یہ ہمارا ہی جگر ہے
اب بھی نہیں جاتی ترے آ جانے کی امید
گو پھرگئیں آنکھیں پہ نظر جانب در ہے
دل کھول کے مل لیجیے مومن صنموں سے
اس سال میں گر سوے حرم عزم سفر ہے

(۲۱۷)

بندھا خیال جناں بعد ترک یار مجھے
کیا ہے یاس نے کیا کیا امیدوار مجھے
نہ آسماں کا رخ پھیردوں جدھر چاہوں
دیا ہے کیا طپش دل نے اختیار مجھے
وہ شام وعدہ جو آئے تو بے خود و سرمست
رہا وصال میں بھی وہ ہی انتظار مجھے

اے جنوں اپنی اسیری بعد مردن بھی رہی
حلقۂ ماتم میں آئے حلقۂ زنجیر سے
کب ہمارے ساتھ سوتے ہیں کہ دیکھے گا کوئی
ان کو بے تابی ہے کیوں اس خواب بے تعبیر سے
تم سے وہ کرتا ہے باتیں رشک سے روتا ہوں میں
سچ کہا جھڑتے ہیں موتی غیر کی تقریر سے
نالہ ہائے بوالہوس نے کھو دیا آزار شوق
لو ہم اچھے ہوگئے درمان بے تاثیر سے
ساتھ سونا غیر کے چھوڑ اب تو اے سیمیں بدن
خاک میری ہوگئی نایاب تر اکسیر سے
عشق اس قاتل کا بعد قتل بھی ہم کو رہا
ہے یہ کیسا جرم جو جاتا نہیں تعزیر سے
سر پٹکتا ہے قلق میں مومن خانہ خراب
مسجدیں رہتی نہیں کیا فائدہ تعمیر سے

(۲۱۶)

مومن سوے شرق اس بت کافر کا تو گھر ہے
ہم سجدہ کدھر کرتے ہیں اور کعبہ کدھر ہے
بے ہوش ہے عاشق پہ سیہ‌مست سے کم تر
تم مجھ کو تو کہتے ہو کچھ اپنی بھی خبر ہے
کھاتا ہوں محبت میں اس آداب سے میں گل
گویا شجر وادیٔ ایمن کا ثمر ہے
حسرت سے میں دیکھوں تو فلک کیوں کہ نہ ہو رام
اس نرگس جادو کی نگہ پیش نظر ہے

غیر کے خط لکھنے کو تم نے تراشی ھے قلم
ورنہ میرے استخواں کیوں ھو گئے قطگیر سے
مار ڈالا ھم کو جور گردش ایام نے
بڑھ گئی رات اپنی روز حشر کی تقصیر سے
مومن اب پڑھتا ھوں وہ مضمون بسمل کی غزل
شوخیوں کو جس کے دعویٰ ھو رم نخچیر سے

(۲۱۵)

ھے فسانہ ساتھ سوئے کب کسی تدبیر سے
نیند آتی ھے ھمارے خواب کی تعبیر سے
ھائے پھر مرنے لگا میں لطف کی تقریر سے
اس کا دم بھی کم نہ تھا ھرگز دم شمشیر سے
بزم دشمن سے نہ اٹھے وہ کسی تدبیر سے
مل گئے ھم خاک میں محشر تری تاخیر سے
میرے لکھے کو مٹایا آپ نے اچھا ھوا
تھا شگوں ھی مدعا یاں نامے کی تحریر سے
جائے شربت مرتے دم بھی خوں پلایا ھائے ھائے
منھ مرا کھولا ستم پیشہ نے نوک تیر سے
ایسے نازک کے شمائل کیوں نہ دل میں نقش ھوں
کھنچ گیا سینے پہ نقشہ غیر کی تصویر سے
کب لگا اے کاسہ گر آس لب سے جام اس خاک کا
کام ھونے کا نہیں پھر فائدہ تدبیر سے
کاٹتا ھوں عرض سوزش میں زباں کو دم بہ دم
میرے دندانِ ندامت کم نہیں گل گیر سے

(۲۱۴)

جل گئے اختر یہ کس کے حسن کی تنویر سے
ہے منورتر شب غم ، مہر عالم گیر سے
رو دیا بے اختیار اس شوخ نے تاثیر سے
دود دل بھی کم نہیں ہے سرمۂ تسخیر سے
چین ہو خواب عدم میں تو کسی تدبیر سے
میرے بالش کے لیے پر لا دو اس کے تیر سے
ہوگئی ساری زمیں صرف حروف نو رقم
اک جہاں ویراں ہے میرے نامے کی تحریر سے
کیوں کہا تھا یہ کہ بکتے بکتے سر پھرنے لگا
اب تو باندھوں گا میں ناصح اس کو بھی زنجیر سے
کیوں نہ مجھ سے رم وہ مہ وش اب زیادہ تر کرے
بد گماں ہے سبعۂ سیارہ کی تسخیر سے
یاس محو قطع آز اور شوق بے تاب جواب
باندھتے ہیں نامہ بال ہدہد تصویر سے
جی رکے ہے ضبط کرتے کرتے میں تو مر گیا
ناک میں آیا دم اس آہ ستم تاثیر سے
صبح کیوں کر ایک دم میں ہوگئی شام فراق
کیا اثر ہوتا تھا تم کو نالۂ شب گیر سے
کہتے ہیں سب یہ رہا آوارہ بعد قتل بھی
ہوگئی کتنی مری نام آوری تشہیر سے
ان کو جلدی جانے کی مجھ کو عذاب جاں کنی
دونوں کا دم ناک میں ہے موت کی تاخیر سے
میں نے سوچا آپ اپنے خون ناحق کا جواب
نام اس کا سینے پر لکھا ہے نوک تیر سے

وہم مےخواری سے دل کو نشۂ بنگ آ گیا
هوش جاتے هیں تری بهکی هوئی تقریر سے

فرط ضعف و جوش بے تابی هے میرا حال دیکھ
اشک خون جاری هیں چشم هر جوان و پیر سے

هوں غضب سے اس کے سرگرم فغان شعله زن
جل گیا جی احتراق زهره کی تاثیر سے

لذت وحشت سے جلتا هوں کہیں بهاگے نه دل
هیں مشابه آپ کی زلفیں بہت زنجیر سے

کام جز الفت نہیں اے کاتب اعمال یاں
فائده حرف مکرر کی بهلا تحریر سے

طوطیاں سیکھیں کہاں سے نالۂ رشک آفریں
هو نه زیب پشت آئینه تری تصویر سے

هوں سزاوار ستم میں نے کیا هے جرم عشق
بوالهوس هیں بے گنه پهر کیوں ڈریں تعبیر سے

اے فسوں گر چشم جادو پر نہیں چلتا عمل
دیکھنا بهی چهٹ نه جائے سرمۂ تسخیر سے

حسن کی نیرنگیوں سے کم نہیں ارژنگ عشق
نو به نو جلوه سلا لو رنگ کی تغییر سے

اشک داماں جواهر اور لکھی هے غزل
جس کو مفلس بهی نه بدلے نسخۂ اکسیر سے

یوں بنا کر حال دل کہنا نہ تھا
بات بگڑی میری ہی تقریر سے
انگلیوں میں خامہ جم کر رہ گیا
نامہ ہائے شوق کی تحریر سے
قہر ہے پھرنا نگاہ یار کا
الاماں اس بازگشتی تیر سے
وحشت چشم پری رو دیکھنا
پھر گیا جی سرمۂ تسخیر سے
لے گئی جاں یاد رونق ہائے وصل
گھر مرا ویراں ہوا تعمیر سے
اے صنم مومن ہوں آخر کس طرح
مجھ کو تسکیں ہو تری تصویر سے

(۲۱۳)

کیوں کہ پوچھے حال تلخی عاشق دل گیر سے
ہو گئے ہیں بند لب شیرینیٔ تقریر سے
جوش وحشت کش‌مکش اس ناتواں دل گیر سے
جو نہ در تک پہنچے صحن خانۂ زنجیر سے
کام ہوتے ہیں جوانوں کے سپہر پیر سے
لے گیا ہے پشت خم شاید تری شمشیر سے
دوستو لے آؤ قاصد کو کسی تدبیر سے
سر کٹائیں گے کہ اب تو جنگ ہے تقدیر سے
صبح دم جاتا ہے پہلو سے مرے وہ مہ جبیں
دن سیہ ہوتے ہیں کیا کیا مہر کی تنویر سے

گلہ ہرزہ گردی کا بے جا نہ تھا کچھ
وہ کیوں مسکرائے بجا کہتے کہتے

صد افسوس جاتی رہی وصل کی شب
ذرا ٹھہر اے بے وفا کہتے کہتے

چلے تم کہاں میں نے تو دم لیا ہے
فسانہ دل زار کا کہتے کہتے

برا ہو ترا محرم راز تو نے
کیا اُن کو رسوا برا کہتے کہتے

ستم ہائے گردوں مفصل نہ پوچھو
کہ سر پھر گیا ماجرا کہتے کہتے

نہیں یا صنم مومن اب کفر سے کچھ
کہ خو ہوگئی ہے صدا کہتے کہتے

(۲۱۲)

مشورہ کیا کیجیے چرخ پیر سے
دن نہیں پھرتے کسی تدبیر سے

کس طرح مایوس ہوں تاثیر سے
دم رکے ہے نالۂ شب گیر سے

میری وحشت کے لیے صحرائے قیس
تنگ تر ہے خانۂ زنجیر سے

کیوں نہ ٹپکے آب جب ٹپکے لہو
برق کٹتی ہے تری شمشیر سے

وہ مٹا دے نامۂ مضمون وصل
گر ہو خط کاتب تقدیر سے

پھر کس نے غیر کو نہ دیا ناز سے جواب
پھر خواہش پیام اجل کا پیام ہے
دیکھا نگاہ ناز سے کس شوخ چشم نے
پھر مضطرب نظر کو جہاں نیم گام ہے
کس کم سخن نے دیکھ مجھے آہ کی کہ پھر
اپنے بھی چپکے رہنے میں کچھ کچھ کلام ہے
پھر کس ستم شعار نے پوچھا ہے میرا حال
پھر ناصحوں کو کیوں خطر انتقام ہے
پھر کیوں نہ کام ہووے کہ اس کینے پر کہا
سو بار مجھ کو تم سے تمھیں مجھ سے کام ہے
پھر کچھ صدائے پا سے دل مردہ جی اٹھا
پھر جلوہ‌ریز کون قیامت خرام
پھر دوریٔ بتاں میں نہیں خواب کا خیال
مومن مرے بھی دین میں سونا حرام ہے

(۲۱۱)

میں احوال دل مر گیا کہتے کہتے
تھکے تم نہ بس بس سنا کہتے کہتے
مجھے چپ لگی مدعا کہتے کہتے
رکے ہیں وہ کیا جانے کیا کہتے کہتے
زباں گنگ ہے عشق میں گوش کر ہے
برا سنتے سنتے بھلا کہتے کہتے
شب ہجر میں کیا ہجوم بلا ہے
زباں تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

(۲۱۰)

پھر سینه سوز داغ غم شعله فام ھے
پھر گرم جوشیٔ دل و سوداے خام ھے
ھر مو په پھر ھے طائر مجنوں کا آشیاں
پھر فوج فوج سر په مرے ازدحام ھے
پھر زیب سر ھے شعلۂ داغِ جنوں سے تاج
پھر دور باش ناله اثر اھتمام ھے
پھر دل مے داغ مطلع خورشید دیکھ کر
از بس که یاد جلوۂ بالاے بام ھے
آس آھوے رمیده کو پھر ڈھونڈھتا ھے دل
رم کرده شوق وصل پھر اک صید رام ھے
پھر آ گیا ھے کون سے بے باک کا خیال
یه کیا ھوا که رخصت ناموس و نام ھے
جاں لوٹتی ھے پھر که وھی عیش ھو نصیب
ھم ھیں وہ مست ناز ھے اور دور جام ھے
جی چاھتا ھے پوچھے کوئی کیا وہ مر گیا
پھر ایک بات کہنے میں قصه تمام ھے
پھر تلخ کامیوں نے کیا جان و دل سے کوچ
پھر آرزوے بوسه کا لب پر مقام ھے
چلون سے کس پری کا نظاره ھوا نصیب
پھر اپنے تنکے چننے کی کیوں دھوم دھام ھے
پھر پرده در ھے کس کی وہ انگلی ھلال سی
جو مثل صبح چاک گریبان شام ھے
پھر کس نے مسکرا کے مجھے بے وفا کہا
کیوں کہه رھا ھوں بنده تو صاحب غلام ھے

گوش نازک پر کسی کے رحم کر
جوش افغاں غل مچانا چھوڑ دے

داغ سے میرے جہنم کو مثال
تو بھی واعظ دل جلانا چھوڑ دے

پردے کی کچھ حد بھی اے پردہ نشیں
کھل کے مل بس منھ چھپانا چھوڑ دے

ہوں وہ مجنوں گر میں زنداں میں رہوں
فصل گل گلشن میں آنا چھوڑ دے

لب پہ حرف آرزو کا خوں ہوا
رنگ پاں کا منھ لگانا چھوڑ دے

ہم نہیں اٹھنے کے تیری بزم سے
پاس غیروں کا بٹھانا چھوڑ دے

اس دھن کو غنچہ اے دل کیا کہوں
ڈر لگے ہے مسکرانا چھوڑ دے

وصل میں بھی دل سے غم جاوے کہاں
کیا کوئی اپنا ٹھکانا چھوڑ دے

آہ میری کب دعائے نوح تھی
چشم تر طوفاں اٹھانا چھوڑ دے

ناتوانائی سے نزاکت ہے زیاد
مجھ سے تو دامن چھڑانا چھوڑ دے

گر ہے مومن روزۂ وصل بتاں
تو غم فرقت بھی کھانا چھوڑ دے

پھونک دے آتش دل داغ مرے
اس کی خو یاد دلاتے ہیں مجھے
گر کہے غمزہ کسے قتل کروں
تو اشارت سے بتاتے ہیں مجھے
میں تو اس زلف کی بو پر غش ہوں
چارہ گر مشک سنگھاتے ہیں مجھے
شعلہ رو کہتے ہیں اغیار کو وہ
اپنے نزدیک جلاتے ہیں مجھے
جاں گئی پر نہ گئی جور کشی
بعد مردن بھی دباتے ہیں مجھے
وہ جو کہتے ہیں تجھے آگ لگے
مژدۂ وصل سنتے ہیں مجھے
اب یہ صورت ہے کہ اے پردہ نشیں
تجھ سے احباب چھپاتے ہیں مجھے
مومن اور دیر خدا خیر کرے
طور بے ڈھب نظر آتے ہیں مجھے

(۲۰۹)

جذب دل زور آزمانا چھوڑ دے
پاے نازک کا ستانا چھوڑ دے
جان سے جاتی ہیں کیا کیا حسرتیں
کاش وہ دل میں بھی آنا چھوڑ دے
حال دکھلاتا ہوں شاید شرم سے
غیر اس کو منھ دکھانا چھوڑ دے

رشک پری کہے سے عدو کے یہ وحشتیں
نفرت بلا تمہیں مرے دیوانہ پن سے ہے

داغ جنوں کو دیتے ہیں گل سے زبس مثال
میں کیا کہ عندلیب کو وحشت چمن سے ہے

کیوں یار نوحہ زن ہیں کہاں مرگ مجھ کو تو
لب بستگی تصور بوس دھن سے ہے

کیا کیا جواب شکوہ میں باتیں بنا گیا
لو اب بھی دل درست اسی دل شکن سے ہے

اپنا شریک بھی نہ گوارا کرے بتو
مومن کو ضد یہ کیش بد برھمن سے ہے

(۲۰۸)

وہ کہاں ساتھ سلاتے ہیں مجھے
خواب کیا کیا نظر آتے ہیں مجھے

اس پری‌وش سے لگاتے ہیں مجھے
لوگ دیوانہ بناتے ہیں مجھے

یا رب ان کا بھی جنازہ اٹھے
یار اس کو سے اٹھاتے ہیں مجھے

ابروے تیغ سے ایما ہے کہ آ
قتل کرنے کو بلاتے ہیں مجھے

بے وفائی کا عدو کی ہے گلہ
لطف میں بھی وہ ستاتے ہیں مجھے

حیرت حسن سے یہ شکل بنی
کہ وہ آئینہ دکھاتے ہیں مجھے

دنیا ہی سے گیا میں جوں ہی ناز سے کہا
اب بھی گماں بد نہ گئے تیرے یا گئے
اے مومن آپ کب سے ہوے بندۂ بتاں
بارے ہمارے دین میں حضرت بھی آگئے

(۲۰۷)

از بس جنوں جدائیٔ گل پیرہن سے ہے
دل چاک چاک نغمۂ مرغ چمن سے ہے
سر گرم مدح غیر دم شعلہ زن سے ہے
دوزخ کو کیا جلن مرے دل کی جلن سے ہے
روز جزا نہ دے جو مرے قتل کا جواب
وہم سخن رقیب کو اس کم سخن سے ہے
یاد آگیا زبس کوئی مہ روے مہروش
امید داغ تازہ سپہر کہن سے ہے
کچھ بھی کیا نہ یار کی سنگیں دلی کا پاس
سب کاوش رقیب بجا کوہ‌کن سے ہے
ان کو گماں ہے گلۂ چین زلف کا
خوش‌بو دہان زخم جو مشک ختن سے ہے
میں کیا کہ مرگ غیر پہ دامان تر نہ ہو
وہ اشک ریز خندۂ چاک کفن سے ہے
کیوں کر نجات آتش ہجراں سے ہو کہ مرگ
آئی تو دور ہی تب و تاب بدن سے ہے
خود رفتگی میں چین وہ پایا کہ کیا کہوں
غربت جو مجھ سے پوچھو تو بہتر وطن سے ہے

(۲۰۶)

شب تم جو بزم غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے هم ایسے که اغیار پا گئے
پوچھا کسی په مرتے هو اور دم نکل گیا
هم جان سے عناں به عنان صدا گئے
پھیلی وہ بو جو هم میں نہاں مثل غنچه تھی
جھونکے نسیم کے یه نیا گل کھلا گئے
اے آب اشک آتش عنصر ھے دیکھنا
جی هی گیا اگر نفس شعله زا گئے
مجلس میں اس نے پان دیا اپنے هاتھ سے
اغیار سبز بخت تھے هم زهر کھا گئے
اٹھا نه ضعف سے گل داغ جنوں کا بوجھ
قاروں کی طرح هم بھی زمیں میں سما گئے
غیروں سے هو وہ پردہ نشیں کیوں نه بے حجاب
دم هاے بے اثر مرے پردہ اٹھا گئے
تھی بدگمانی اب انھیں کیا عشق حور کی
جو آ کے مرتے دم مجھے صورت دکھا گئے
تابندہ و جوان تو بخت رقیب تھے
هم تیرہ روز کیوں غم هجراں کو بھا گئے
بیزار زندگانی کا جینا محال تھا
وہ بھی هماری نعش کو ٹھوکر لگا گئے
واعظ کے ذکر مہر قیامت کو کیا کہوں
عالم شب وصال کے آنکھوں میں چھا گئے
جس وقت اس دیار سے اغیار بوالہوس
بد خوئیوں سے یار کی هوکر خفا گئے

تشبیه زبس دیتے ہیں لب ہاے بتاں کو
مر جائیں گے پر منت عیسیٰ نہ کریں گے
پھر جائے نہ تا چشم صنم آنکھ کے آگے
سیر چمن نرگس شہلا نہ کریں گے
رکھ لیویں گے پتھر مگر ان سنگ دلوں کو
چھاتی سے لگانے کی تمنا نہ کریں گے
گو دار پہ کھینچیں ہمیں دل دار نصاریٰ
پر آرزوے زلف چلیپا نہ کریں گے
گر حسن گلوسوز نے پھر آگ لگائی
کیوں آب دم تیغ سے ٹھنڈا نہ کریں گے
ہے عہد کہ پھر جا نہ پھریں کوے بتاں میں
پھر جائیں اب اس عہد سے ایسا نہ کریں گے
کہتے ہیں یہ ہم چاٹ کے خاک اس میں ہوں گو خاک
پر اب تو زمیں بوس کلیسا نہ کریں گے
جوں قبلہ نما گرچہ تڑپتے ہی کٹے عمر
پر منھ سوے دیر صنم آرا نہ کریں گے

(ق)

اے حضرت مومن یہ مسلم جو ہے ارشاد
بھولے سے بھی اب ذکر بتوں کا نہ کریں گے
لیکن جو بتوں نے ہی بھلا آپ سے کی بات
پھر آپ ہی فرمائیں کہ کیا کیا نہ کریں گے

دیوار کے گر پڑتے ہی اٹھنے لگے طوفان
اب بیٹھ کے کونے میں بھی رویا نہ کریں گے

گر سامنے اس کے بھی گرے اشک تو دل سے
کیوں روز جزا خون کا دعوی نہ کریں گے

کس وقت کیا مردمک چشم کا شکوہ
اے پردہ نشیں ہم تجھے رسوا نہ کریں گے

ناصح کف افسوس نہ مل چل تجھے کیا کام
پامال کریں گے وہ مجھے یا نہ کریں گے

اس کُو میں ٹھہرنے نہ دیا جوش قلق نے
اغیار سے ہم شکوۂ بے جا نہ کریں گے

گر ذکر وفا سے یہی غصہ ہے تو اب سے
گو قتل کا وعدہ ہو تقاضا نہ کریں گے

مومن وہ غزل کہتے ہیں اب جس سے یہ مضموں
کھل جائے کہ ترک در بت خانہ کریں گے

(۲۰۵)

توبہ ہے ہم عشق بتوں کا نہ کریں گے
وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا نہ کریں گے

ٹھہری ہے کہ ٹھہرائیں گے زنجیر سے دل کو
پر برہمیٔ زلف کا سودا نہ کریں گے

اندیشۂ مژگاں میں اگر خوں نے کیا جوش
نشتر سے علاج دل دیوانہ کریں گے

گر آرزوے وصل نے بیمار کیا تو
پرہیز کریں گے پہ مداوا نہ کریں گے

جہاں خاک اڑائی وہیں دب رہے
کدورت عبث فکر مدفن سے ہے
نئی کچھ نہیں اپنی جاں‌بازیاں
یہی کھیل ہم کو لڑکپن سے ہے
بگڑتے ہو کیا اب بھی کہتا ہوں میں
عیاں صلح پھر کس کی چتون سے ہے
دل سومن آتش کدہ کیوں بنے
لگاوٹ یہ طفل برہمن سے ہے

(۲۰۴)

ہے دل میں غبار اس کے گھر اپنا نہ کریں گے
ہم خاک میں ملنے کی تمنا نہ کریں گے
کیوں کر یہ کہیں منت اعدا نہ کریں گے
کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے
ہنس ہنس کے وہ مجھ سے ہی مرے قتل کی باتیں
اس طرح سے کرتے ہیں کہ گویا نہ کریں گے
کیا نامے میں لکھوں دل وا بستہ کا احوال
معلوم ہے پہلے ہی کہ وہ وا نہ کریں گے
غیروں سے شکر لب سخن تلخ بھی تیرا
ہر چند ہلاہل ہو گوارا نہ کریں گے
بیمار اجل چارہ کو گر حضرت عیسیٰ
اچھا بھی کریں گے تو کچھ اچھا نہ کریں گے
جھنجلاتے ہو کیا دیجیے اک بوسہ دھن کا
ہو جائیں گے لب بند تو غوغا نہ کریں گے

ناتوانی مری مت پوچھ کہوں کیا ہمدم
بات کہنے میں مرا دم ہی ہوا ہوتا ہے
چاک پیراہن گل پر تو نہ پھول اے بلبل
جامہ یاراں لباسی کا قبا ہوتا ہے
ہو نہ بے تاب غم ہجر بتاں میں مومن
دیکھ دو دن میں بس اب فضل خدا ہوتا ہے

(۲۰۳)

اجل جاں بہ لب اس کے شیون سے ہے
یہ نادم مرے زود کشتن سے ہے
وہ بد خواہ مجھ سا تو میرا نہیں
عبث دوستی تم کو دشمن سے ہے
یہ پردہ نہ ہو نیش زنبور کا
مشبّک مرا سینہ چلون سے ہے
مرے داغ یاد آئے گل دیکھ کر
کہ بیزار وہ سیر گلشن سے ہے
جلانے سے بھی تیرے شاکر ہوں میں
گلہ نالۂ آتش افگن سے ہے
شب غم موئے شمع کو دیکھ کر
ہمیں خجلت اس شوخ بدظن سے ہے
مرا خون کیا بار گردن ہوا
کہ بے تاب وہ درد گردن سے ہے
کھلائے نہ کیوں سرمہ گوسالہ کو
خجل سا مری چشم پر فن سے ہے

(۲۰۲)

در به در ناصیه فرسائی سے کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے

اک نظر دیکھے سے سر تن سے جدا ہوتا ہے
بے جگہ آنکھ لڑی دیکھیے کیا ہوتا ہے

شوق کم ملنے سے اندوہ فزا ہوتا ہے
ہائے پرہیز سے یہ درد سوا ہوتا ہے

چشم خوں بار مری آپ نے تلووں سے ملی
ورنہ ایسا بھی کہیں رنگ حنا ہوتا ہے

جاں بہ لب ہوں خبر وصل سنا دے قاصد
لب ہلانے میں ترے کام مرا ہوتا ہے

ہو کے آزردہ پشیماں ہوں کہ میں جس سے کہوں
وہی کہوے کوئی ایسے سے خفا ہوتا ہے

دل دیا جس نے وہ ناکام رہا تا دم زیست
فی الحقیقت کہ برا کام برا ہوتا ہے

وا رہیں حشر تلک بہر دعا گو لب زخم
پر ترا حق نمک کوئی ادا ہوتا ہے

زہر نوش غم شیریں نے کہا خسرو سے
تلخیٔ مرگ میں شکر کا مزا ہوتا ہے

واقعی سجدۂ در ایسی ہی تقصیر ہے اب
جور جو بندے پہ ہوتا ہے بجا ہوتا ہے

اے دل آ جانے دے اس زلف مسلسل کا خیال
جان کر کوئی گرفتار بلا ہوتا ہے

دل میں اتنا تو سمایا ہے کہ جل جاتا ہوں
سرو نوخیز جو انگشت نما ہوتا ہے

عذاب ایزدی جاں کاہ ہے مانا بس اب مومن
خدا کے واسطے ذکر ستم ہائے بتاں کیجے

(۲۰۱)

اجل سے خوش ہوں کسی طرح ہو وصال تو ہے
نہ آئے نعش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے
حنا کے رشک سے کیوں کر نہ آئے جوش میں خوں
کسی سبب سے ہو پر وہ بھی پائمال تو ہے
ذرا تھم اے دل مضطر کہ فکر وصل کروں
شب قلق نہ سہی خواب بھی خیال تو ہے
زمیں سے لگ گئیں آنکھیں تمھاری طرح نہیں
شریک قتل ہو گردوں کو انفعال تو ہے
کہاں تلک گلہ ہائے تغافل قاتل
ہم آپ کاٹ لیں آخر یہ سر وبال تو ہے
جفائے یار کو سونپا معاملہ اپنا
اب آگے ہو نہ ہو امید انفصال تو ہے
وہ اضطراب کہاں ضعف سے مگر اب بھی
ہو آوں حضرت عیسیٰ تک اتنا حال تو ہے
شب فراق میں بھی زندگی پہ مرتا ہوں
کہ گو خوشی نہیں ملنے کی پر ملال تو ہے
عبث ترقیٔ فن کی ہوس ہے مومن کو
زیادہ ہوئے گا کیا اس سے بے مثال تو ہے

(۲۰۹)

کہاں تک دم بہ خود رہیے نہ ہوں کیجے نہ ہاں کیجے
کہاں تک کھائیے غم کب تلک ضبط فغاں کیجے
سوائے نقطۂ موہوم کیا وصف دہاں کیجے
بنا کر بات کیا کہیے جو کچھ ہو تو بیاں کیجے
سوا گل دیکھتے ہی یاد رخ میں یار کہتے تھے
ذرا بہلائیے جی چلیے سیر گلستاں کیجے

(ق)

عدو کے وہم سے تکتا ہوں بزم عیش میں ہر سو
نہیں ہے اور کچھ یوں آپ جو چاہیں گماں کیجے
غرض ہمسائے میں بھی اس کا رہنا کیا قیامت ہے
کہ سن لیتا ہے وہ گھر میں جو کچھ مذکور یاں کیجے
کہیں تو کیا کہیں اور بن کہے کیوں کر دوا ہووے
بڑی مشکل پڑی کیا چارۂ درد نہاں کیجے
وہی ہجراں ہے غم کھانے پہ کب تک زندگانی ہو
بس اب مر جائیے کچھ کھا کے عیش جاوداں کیجے
رکھے سے ہاتھ سینے پر بھلا کب مانتا ہے دل
نہ جب تک روئیے دو چار آہ خوں چکاں کیجے
عدو اس اوج پر شاکی ہے شاید غصہ آ جاوے
ملا دے خاک میں یہ تو بھی شکر آسماں کیجے
کچھ آخر حد بھی ہے جور و جفا و ظلم کی کب تک
تحمل در گزر ہرلحظہ ہردم ہرزماں کیجے
گلا ہم کاٹ لیں گے آپ تیغ رشک سے اپنا
عدو کو قتل کیجے پھر ہمارا امتحاں کیجے

(۱۹۹)

کرتا ہے قتل عام وہ اغیار کے لیے
دس بیس روز مرتے ہیں دو چار کے لیے

دیکھا عذاب رنج دل زار کے لیے
عاشق ہوئے ہیں وہ مرے آزار کے لیے

دل عشق تیری نذر کیا جان کیوں کہ دوں
رکھا ہے اُس کو حسرت دیدار کے لیے

قتل اُس نے جرم صبر جفا پر کیا مجھے
یہ ہی سزا تھی ایسے گنہ گار کے لیے

لے تو ہی بھیج دے کوئی پیغام تلخ اب
تجویز زہر ہے ترے بیمار کے لیے

آتا نہیں ہے تو تو نشانی ہی بھیج دے
تسکین اضطراب دل زار کے لیے

کیا دل دیا تھا اس لیے میں نے تمھیں کہ تم
ہو جاؤ یوں عدو مرے اغیار کے لیے

چلنا تو دیکھنا کہ قیامت نے بھی قدم
طرز خرام و شوخیٔ رفتار کے لیے

جی میں ہے موتیوں کی لڑی اُس کو بھیج دوں
اظہار حال چشم گہر بار کے لیے

دیتا ہوں اپنے لب کو بھی گل برگ سے مثال
بوسے جو خواب میں ترے رخسار کے لیے

جینا اُمید وصل پہ ہجراں میں سہل تھا
مرتا ہوں زندگانیٔ دشوار کے لیے

مومن کو تو نہ لائے کہیں دام میں وہ بت
ڈھونڈھے ہے تار سبحہ کے زنار کے لیے

(۱۹۸)

کیا مرے قتل پہ حامی کوئی جلاد بھرے
آہ جب دیکھ کے تجھ سا ستم ایجاد بھرے

خون دل پیتے ہیں خوکردۂ محنت اے کاش
ساغر دھر میں ساقی مئے بیداد بھرے

کہیں ہو جائے وصال آہ بلا سے چھوٹوں
ھجر کا دکھ کوئی کب تک دل ناشاد بھرے

تیشہ کچھ دشنۂ شیرویہ نہیں اے غیرت
اپنے ھی خوں سے مگر دامن فرہاد بھرے

ہوں میں وہ صید جگر خون اسیری مشتاق
جو پس ذبح بھی ھردم دم صیاد بھرے

پھر تو سرگوشیٔ دشمن میں بھی تاثیر نہ ہو
گر نہ کان اس کے فغان گلہ ارشاد بھرے

چارہ گر اس کی خطا کیا مرے تن میں نہ رہا
خون اتنا کہ سر نشتر فصّاد بھرے

دم بہ دم رنگ ہے تغییر مرا حیراں ہے
رنگ کیسا مری تصویر میں بہزاد بھرے

مومن اس شعلہ زبانی کی کہاں قدر مگر
منھ دُر آبلہ سے گرمیٔ فریاد بھرے

اے دل آہستہ آہ تاب شکن
دیکھ ٹکڑے جگر نہ ہو جائے
مومن ایماں قبول دل سے مجھے
وہ بت آزردہ گر نہ ہو جائے

(۱۹۷)

جہاں سے شکل کو تیری ترس ترس گزرے
جو تجھ پہ بس نہ چلا اپنے جی سے بس گزرے
بنی ہے صور سرافیل آہ بے تاثیر
کہ میرے دم پہ قیامت نفس نفس گزرے
نہ جاؤں کیوں کہ سوے دام آشیاں سے جب
خیال حسرت مرغان ہم قفس گزرے
ہو اور کو تو ہدایت جو خود ہوں آوارہ
یہ عمر کاش کے جوں نالۂ جرس گزرے
وفاے غیرت شکر جفا نے کام کیا
کہ اب ہوس سے بھی اعداے بوالہوس گزرے
یہ نیم جان و غم ہجر ہے وہی انصاف
جو تیرے دھیان میں اے مرگ داد رس گزرے
دکھاؤں ناقۂ لیلیٰ خرام ناز تجھے
کبھی ادھر سے جو اس شوخ کا فرس گزرے
نہ چھوٹے کیوں تن کاھیدہ سے پسینہ ھائے
طرف سے غیر کی جب نذر عطر خس گزرے
کہاں وہ ربط بتاں اب کہ اس کو تو مومن
ہزار سال ہوئے سیکڑوں برس گزرے

(۱۹۶)

صبر وحشت اثر نہ ہو جائے
کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے

رشک پیغام ہے عناں کش دل
نامہ بر راہ بر نہ ہو جائے

دیکھو مت دیکھیو کہ آئینہ
غش تمہیں دیکھ کر نہ ہو جائے

ہجر پردہ نشیں میں مرتے ہیں
زندگی پردہ در نہ ہو جائے

کثرت سجدہ سے وہ نقش قدم
کہیں پا مال سر نہ ہو جائے

میرے تغییر رنگ کو مت دیکھ
تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے

میرے آنسو نہ پونچھنا دیکھو
کہیں دامان تر نہ ہو جائے

بات ناصح سے کرتے ڈرتا ہوں
کہ فغاں بے اثر نہ ہو جائے

اے قیامت نہ آئیو جب تک
وہ مری گور پر نہ ہو جائے

مانع ظلم ہے تغافل یار
بخت بد کو خبر نہ ہو جائے

غیر سے بے حجاب ملتے ہو
شب عاشق سحر نہ ہو جائے

رشک دشمن کا فائدہ معلوم
مفت جی کا ضرر نہ ہو جائے

اشک شادی نے دم وصل جلایا کہ مجھے
منع نظارہ مرا دیدۂ تر کرتا ہے
محو وعدہ ہے کسی بت کا تو مومن کہ نماز
پھیر کر قبلے سے منہ جانب در کرتا ہے

(۱۹۵)

فغاں کیا دم بھی لینا پارہ ہائے دل اڑاتا ہے
کہوں کیا درد پنہاں کی کلیجہ منہ کو آتا ہے
سنا اس نے مرا نالہ اثر بھی کچھ ہوا شاید
کہ دشمن کہہ گیا بے فائدہ کیوں غل مچاتا ہے
پری لوٹے ہے انگاروں پہ دوزخ میں پڑیں حوریں
تمہارا حسن عالم سوز کس کس کو جلاتا ہے
گراں خوابی وہی ہے بخت خوابیدہ کی اے ظالم
مرا شور فغاں کاہے کو سوتوں کو جگاتا ہے
گرائے اشک پر تاثیر کیوں خلوت میں اے آنکھو
کوئی یوں خاک میں ایسے گہر کو بھی ملاتا ہے
کبھی کی پھر گئیں آنکھیں فرشتے بھی نظر آئے
تمہارا منہ چھپانا دیکھیے کیا کیا دکھاتا ہے
میں ایسا ہوں کہ دوں گا تجھ کو طعنہ بے وفائی کا
بگڑنا گر نہیں دشمن سے کیوں باتیں بناتا ہے
نہ کرنی تھی نصیحت اس کے بیٹھے پر قیامت کی
عجب فتنہ ہے ناصح بھی کہ یہ فتنے اٹھاتا ہے
خیال خواب راحت ہے علاج اس بدگمانی کا
وہ کافر گور میں مومن مرا شانہ ہلاتا ہے

بخت بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانپ اٹھتا ہوں
تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے
قتل کی ٹھہر گئی اپنے رقیبوں میں کہ آج
خندہ کچھ طرز دگر چاک جگر کرتا ہے
سن رکھو سیکھ رکھو اس کو غزل کہتے ہیں
مومن اے اہل فن اظہار ہنر کرتا ہے

(۱۹۴)

دیکھ گریاں مجھے وہ چشم کو تر کرتا ہے
اشک غماز بھی کیا آنکھوں میں گھر کرتا ہے
ذکر کر بیٹھیں برائی ہی سے شاید میرا
اب وہ اغیار کی صحبت سے حذر کرتا ہے
نالۂ غیرت بلبل سے بھڑک اٹھے ہے آگ
گل مری قبر پہ کیا کار شرر کرتا ہے
سدّرہ ایسی نہیں غیرت یاد اغیار
کب خیال اپنا ترے دل میں گزر کرتا ہے
میرے زرد آبلوں سے تختۂ صد برگ ہے دشت
ہے وہ اکسیر جنوں خاک کو زر کرتا ہے
ہے تری جائے تو ہر ایک کے دل میں کیوں کر
دیکھیے حال مرا سب کو اثر کرتا ہے
تیری غفلت سے یہ حالت ہے کہ اب دیکھ مجھے
ترک آئینہ گری آئنہ گر کرتا ہے
کیا رلاتی ہے مجھے فکر خیال دشمن
وصل میں جب وہ ادھر ہنس کے نظر کرتا ہے

بن کہے راز ہائے پنہانی
آسے کیوں کر سنائے لوگوں نے
کیا تماشا ہے جو نہ دیکھے تھے
وہ تماشے دکھائے لوگوں نے
کر دیا مومن اس صنم کو خفا
کیا کیا ہائے ہائے لوگوں نے

(۱۹۳)

سرمگیں چشم سے کیوں تیز نظر کرتا ہے
کب مرا نالہ ترے دل میں اثر کرتا ہے
جب وہ حیرت زدہ چہرے پہ نظر کرتا ہے
آئنہ صد گلۂ آئنہ‌گر کرتا ہے
گر تصور سے ہوں ہم‌بزم تو بے تاب رہے
کس قدر وہ مرے ملنے سے حذر کرتا ہے
غم خط میں ترے مر جائیں تو کچھ کیا ہے عجب
زہر کو جو کوئی کھاتا ہے ضرر کرتا ہے
اک نمک‌داں سے تو نہ اٹھی اے قاتل
زخم دل عرض نمک دان دگر کرتا ہے
کیا کیا دل نے کہ آنکھوں سے کہا راز نہاں
ایسے غماز کو بھی کوئی خبر کرتا ہے
عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو
کہ شب غم کوئی کس طور بسر کرتا ہے
عدم آباد سے آنا مجھے یاد آئے ہے جب
کوئی حسرت زدہ دنیا سے سفر کرتا ہے

بخت پروانہ سے قربان عدو ہوں یعنی
آگ بن جائے ہے وہ گرد پھروں میں جس کے

نالۂ رشک نہ ہو باعث درد سر مرگ
غیر کے سر پہ لگاتا ہے وہ صندل گھس کے

لذت مرگ سے ہجراں میں دعا ہے کہ خدا
یہ مزا ہو نہ نصیبوں میں کسی بے حس کے

کیوں نہ ہم شمع کے مانند جلیں دور کھڑے
جب عدو باعث گرمی ہوں تری مجلس کے

یار مومن سے بھی ہیں مدعی طبع رواں
واہ افکار تر ان ادمغۂ یابس کے

(۱۹۲)

مجھ پہ طوفاں اٹھائے لوگوں نے
مفت بیٹھے بٹھائے لوگوں نے

کر دیے اپنے آنے جانے کے
تذکرے جائے جائے لوگوں نے

وصل کی بات کب بن آئی تھی
دل سے دفتر بنائے لوگوں نے

بات اپنی وہاں نہ جمنے دی
اپنے نقشے جمائے لوگوں نے

سن کے اڑتی سی اپنی چاہت کی
دونوں کے ہوش اڑائے لوگوں نے

اور ہی کچھ پڑھا دیا اس کو
دشمنوں کے پڑھائے لوگوں نے

نوید قتل سے بھی ہو دل مضطر کو کیا تسکیں
که قدر نیم رقص مرغ بسمل جازمیں پر ہے
مری فریاد سن کہتا ہے اسرافیل حیرت سے
قیامت آ گئی کیوں کر یہ غل کیسا زمیں پر ہے
گلہ ہے گردش چشم سیہ کا تیرے وحشی کو
کہ تنگی سے سدا ہے ہے فلک لکھتا زمیں پر ہے
وہ سر جو کل ترے زانو پہ تھا سو آج اے ظالم
کبھی رہتا ہے پتھر پر کبھی رہتا زمیں پر ہے
فرشتو لے چلے اس کو سے کیوں جنت میں تم مجھ کو
بھلا کیا ساکنان چرخ کا دعویٰ زمیں پر ہے
ہوا مہر برات عفو نقش سجدہ مومن کو
قدم رکھتا فلک پر ہے کہ سر رکھتا زمیں پر ہے

(۱۹۱)

کشتۂ حسرت دیدار ہیں یا رب کس کے
نخل تابوت میں جو پھول لگے نرگس کے
وہ چلا جان چلی دونوں یہاں سے کھسکے
اس کو تھاموں کہ اسے پاؤں پڑوں کس کس کے
پاؤں تربت پہ مری دیکھ سنبھل کر رکھنا
چور ہے شیشۂ دل سنگ ستم سے پس کے
مجھ کو مارا مرے حال متغیر نے کہ ہے
کچھ گماں اور ہی دھڑکے سے دل مونس کے
کس پری روے ستم گر سے ملا دل افسوس
کس پہ دیوانہ ہوا ہوش گئے ہیں اس کے

بدناميوں کے ڈر سے عبث تم چلے که ميں
هوں تیره روز میری سحر بهی تو رات هے
لکها جو اس کو خط میں بلا نوشیوں کا شکر
بالیدگی سے جوں خم گردوں دوات هے
کیا مال هیں که جاں دیں دیتے هیں دم تمهیں
اغیار بوالہوس کی یہی کائنات هے
کیا ابتداے حسن میں میں تجھ په مر گیا
خلقت کا تیری دن مرا روز وفات هے
جهوٹی شراب اپنی مجهے مرتے دم تو دے
یه آب تلخ شربت قند و نبات هے
کیوں کر خدا کو دوں که بتوں کو هے احتیاج
مومن یه نقد دل زر جاں کی زکات هے

(۱۹۰)

نه دینا بوسهٔ پا گو فلک جهکتا زمیں پر هے
که یه اتنا زمیں کے نیچے هے جتنا زمیں پر هے
تڑپتا هے پڑا شوق شہادت خاک اور خوں میں
گرا کوچے میں تیرے یه لهو کس کا زمیں پر هے
خرام ناز نے کس کے جہاں کو کر دیا برهم
زمیں گرتی فلک پر هے فلک گرتا زمیں پر هے
تری دوری میں بهی کیا جائے جاں اس پاس جانا هے
که جس نے آسماں پر سے اسے پٹکا زمیں پر هے
رها اس کو میں مٹی یار لے جائیں تو لے جائیں
که پڑتا پاؤں مانند نشان پا زمیں پر هے

ہے زباں بند اثر دل سے شب وصل میں اور
فکر سو سو ہیں دل مرغ سحر میں پھرتے
قلق دل سے ہے جنبش ترے پیکانوں کو
پوچھ مت حال کہ برسے سے ہیں بر میں پھرتے
ایک دم گردش ایام سے آرام نہیں
گھر میں ہیں تو بھی ہیں دن رات سفر میں پھوتے
گر گئے تھے تو تسلی کو مری کہہ جاتے
کہ اب آتا ہوں وہ گو آٹھ پہر میں پھرتے
زرد رخ رنگ طلائی کے ہوے دیوانے
کیمیا ساز بھی ہیں خواہش زر میں پھرتے
سرمہ گیں چشم کی گردش جو نہ بھا جاتی تو
خاک یوں کا ہے کو ہم ڈالتے سر میں پھرتے
جنبش نرگس جنت نے رلایا مومن
چشم کافر کے اشارے ہیں نظر میں پھرتے

(۱۸۹)

پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے
اُس کا نہ دیکھنا نگہ التفات ہے
پیغام‌بر رقیب سے ہوتے ہیں مشورے
سنتا نہیں کسی کی یہ کہنے کی بات ہے
چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی
ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ہے
کیا یوں ہی جائے گی مری فریاد سرزنش
واعظ کو روز حشر امید نجات ہے

گو کہ ہم صفحۂ ہستی پہ تھے اک حرف غلط
لیک اٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے اٹھے

ہو عذاب شب یلدا سے رھائی یا رب
زلف منھ سے کہیں اس مہر لقا کے اٹھے

اف رے گرمیٔ محبت کہ ترے سوختہ جاں
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اٹھے

میں دکھاتا تمھیں تاثیر مگر ھاتھ مرے
ضعف کے ھاتھ سے کب وقت دعا کے اٹھے

سوزش دل سے ہوا کیا ھی میں پانی پانی
وہ جو پہلو سے پسینے میں نہا کے اٹھے

جی ھی مانند نشان کف پا بیٹھ گیا
پاؤں کیا کوچے سے اس ہوش ربا کے اٹھے

شعر مومن کے پڑھے بیٹھ کے اس کے آگے
خوب احوال دل زار سنا کے اٹھے

(۱۸۸)

پھر وہ وحشت کے خیالات ھیں سر میں پھرتے
دشت یاد آتے ھیں آھو ھیں نظر میں پھرتے

واہ اے طالع برگشتہ کہ وہ پھر ھی گیا
آن کر دیکھ مجھے راہ گزر میں پھرتے

پھرتے دن اپنے تو غیروں کی طرح راتوں کو
کیسے ہم کوچۂ ھم تاب قمر میں پھرتے

منتظر کس کے یہ رھتے ھیں کہ ھم ھر شب کو
تا سحر شام سے اٹھ اٹھ کے ھیں گھر میں پھرتے

داغ دل نکلیں گے تربت سے مری جوں لالہ
یہ وہ اخگر نہیں جو خاک میں پنہاں ہوں گے

چاک پردہ سے یہ غمزے ہیں تو اے پردہ نشیں
ایک میں کیا کہ سبھی چاک گریباں ہوں گے

(ق)

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی
پھر وہی پاؤں وہی خار مغیلاں ہوں گے

سنگ اور ہاتھ وہی وہ ہی سر و داغ جنوں
وہ ہی ہم ہوں گے وہی دشت و بیاباں ہوں گے

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

(۱۸۷)

سینہ کوبی سے زمیں ساری ہلا کے اٹھے
کیا علم دھوم سے تیرے شہدا کے اٹھے

آج اس بزم میں طوفان اٹھا کے اٹھے
یاں تلک روئے کہ اس کو بھی رلا کے اٹھے

دل سے کیوں کر نہ دھؤاں ساتھ ہوا کے اٹھے
شعلہ ہائے تپ غم سینہ جلا کے اٹھے

گر نہ ہو دل میں خیال نگہ خواب آلود
درد کیا کیا اثر خفتہ جگا کے اٹھے

شمع کے چور کا محفل میں جو مذکور ہوا
دل چرا بیٹھے تھے جب آنکھ چرا کے اٹھے

(۱۸۶)

دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہوں گے
فلس ماہی کے گل شمع شبستاں ہوں گے
ناوک انداز جدھر دیدۂ جاناں ہوں گے
نیم بسمل کئی ہوں گے کئی بے جاں ہوں گے
تاب نظارہ نہیں آئنہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے
تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے
ہم تو کل خواب عدم میں شب ہجراں ہوں گے
ناصحا دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہوے کیا تجھ سے بھی ناداں ہوں گے
کر کے زخمی مجھے نادم ہوں یہ ممکن ہی نہیں
گر وہ ہوں گے بھی تو بے وقت پشیماں ہوں گے
ایک ہم ہیں کہ ہوے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنھیں چاہ کے ارماں ہوں گے
ہم نکالیں گے سن اے موج ہوا بل تیرا
اس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہوں گے
صبر یا رب مری وحشت کا پڑے گا کہ نہیں
چارہ فرما بھی کبھی قیدیٔ زنداں ہوں گے
منت حضرت عیسیٰ نہ اٹھائیں گے کبھی
زندگی کے لیے شرمندۂ احساں ہوں گے
تیرے دل تفتہ کی تربت پہ عدو جھوٹا ہے
گل نہ ہوں گے شرر آتش سوزاں ہوں گے
غور سے دیکھتے ہیں طوف کو آھوے حرم
کیا کہیں اس کے سگ کوچہ کے قرباں ہوں گے

جاں نہ کھا وصل عدو سچ ہی سہی پر کیا کروں
جب گلہ کرتا ہوں ہمدم وہ قسم کھا جائے ہے

رشک دشمن نے بنا دی جان پر اے بے وفا
کب تلک کوئی نہ بگڑے حال بگڑا جائے ہے

تلخ کام عشق شیریں لب جیے تو کیا ہوا
شور بختی سے مزا ہی زندگی کا جائے ہے

حسن روز افزوں پہ غرہ کس لیے اے ماہ رو
یوں ہی گھٹتا جائے گا جتنا کہ بڑھتا جائے ہے

پونچھے آنسو وارثوں کے کیا کروں اب ہائے ہائے
داغ میرے خون کا دامن سے چھوٹا جائے ہے

غیر کے ہمراہ وہ آتا ہے میں حیران ہوں
کس کے استقبال کو جی تن سے میرا جائے ہے

تاب و طاقت صبر و راحت جان و ایماں عقل و ہوش
ہائے کیا کہیے کہ دل کے ساتھ کیا کیا جائے ہے

رو رہا ہوں خندۂ دنداں نما کی یاد میں
آب گوہر کے لیے آنکھوں سے دریا جائے ہے

خاک میں مل جائے یا رب بے کسی کی آب رو
غیر میری نعش کے ہمراہ روتا جائے ہے

اب تو مر جانا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو
ضعف کے باعث کہاں دنیا سے اٹھا جائے ہے

پندگو اب تو ہی فرما کس کو سودا ہے یہ کون
اور کی سنتا نہیں اپنی ہی بکتا جائے ہے

دیکھیے انجام کیا ہو مومن صورت پرست
شیخ صنعاں کی طرح سوے کلیسا جائے ہے

جا به جا نہریں ھیں جاری میں نے اشک
پونچھے ھوں گے دامن کہسار سے
گر نہ کھیلیں جان پر جی ھار دیں
عشق بازی سیکھیے اغیار سے
لاغری سے زندگی مشکل ہوئی
ھے گراں تر جان جسم زار سے
کر علاج جوش وحشت چارہ گر
لا دے اک جنگل مجھے بازار سے
ذکر اشک غیر میں رنگینیاں
بوے خوں آئی تری گفتار سے
عشق میں ناصح بھی ھے کیا مدعی
جرم ثابت ھوگیا انکار سے
چھڑکے ھے کان ملاحت لون کیا
خود لپٹ جا سینۂ افگار سے
گر دعا کرتا ھوں مومن وصل کی
ھاتھ باندھے ھے وہ بت زنار سے

(۱۸۵)

ھے نگاہ لطف دشمن پر تو بندہ جائے ھے
یہ ستم اے بے مروت کس سے دیکھا جائے ھے
سامنے سے جب وہ شوخ دل ربا آجائے ھے
تھامتا ھوں پر یہ دل ھاتھوں سے نکلا جائے ھے
حال دل کیوں کر کہوں میں کس سے بولا جائے ھے
سر اٹھے بالیں سے کیا کچھ جي ھي بیٹھا جائے ھے

کھا گیا جان آ کہ دوں اس کو نکال
میں نہیں خوش صحبت غم خوار سے
یوں کبھی درد آیا اپنی چیز کا
حال دل گر پوچھیے دلدار سے
گر نصیحت گر میں سچ ہوں سادہ لوح
تو نبھے گی خوب اس عیار سے
کیوں نہ کاٹیں لب اطبا مر گیا
حال پوچھا تھا ترے بیمار سے
وعدہ کرکے وہ نہ آئے نامہ بر
تو نے پوچھا ہوئے گا تکرار سے
دست قاصد کاٹے کیوں ثابت ہے کیا
دزدیٔ مضموں مرے طومار سے
ہائے بخت خفتہ کی یوں جھپکی آنکھ
دشمنوں کے طالع بیدار سے
مجھ سے وہ چھپتے پھریں اس کے سوا
اور حاصل عشق کے اظہار سے
کبھہ غزل اک اور بھی مومن کہ ہے
شوق اس بت کو ترے اشعار سے

(۱۸۴)

زہر ٹپکے ہے نگاہ یار سے
موت سوجھی نرگس بیمار سے
قتل ہوکر ہم بچے آزار سے
عمر کے دن کٹ گئے تلوار سے

نزع میں جی کا نکلنا تیرا آنا ہوگیا
بس کہ مرتے مرتے دل میں حسرت پابوس ہے
شاعری اپنی ہوئی نیرنگیٔ دانش وری
جو سخن ہے سو طلسم راز بطلیموس ہے
کر چکا ہوں دور اخلاص بتاں میں امتحاں
میں نہ مانوں گا کہ مومن زاہد سالوس ہے

(۳۸۱)

دیتے ہو تسکیں مرے آزار سے
دوستی تم کو نہیں اغیار سے
کچھ نہ سوجھا حسرت دیدار سے
سہل چھوٹے مردن دشوار سے
داغ خوں سے میرے وہ حیراں ہوا
دامن الجھا ہے گل بے خار سے
پھوڑ جلد اے بوالہوس سرکو کہ اب
جھانکتے ہیں روزن دیوار سے
فصد کی حاجت مجھے کیا چارہ گر
بہہ گیا خوں دیدۂ خوں بار سے
مال کیسا جاں بھی دے کر بوالہوس
گر بنے تو دل چھٹا لوں یار سے
مت کرو کنگھی نہ یہ دزد حنا
دل چرائے طرۂ طرار سے
آہ دور چرخ کی کیا خاک اڑائے
فتنہ برپا ہے تری رفتار سے

محو دلدار ہوں کس طرح نہ ہوں دشمن جاں
مجھ پہ جب ناصح بے درد کو پیار آجائے
ٹھہر جا جوش تپش ہے تو تڑپنا لیکن
چارہ سازوں میں ذرا دم دل زار آجائے
حسن انجام کا مومن مرے بارے ہے خیال
یعنی کہتا ہے وہ کافر کہ تو مارا جائے

(۱۸۲)

تیری پابوسی سے اپنی خاک بھی مایوس ہے
نقش پا پر نقش پا ظالم کف افسوس ہے
ہائے یاد سرغ مجنوں کی جنوں افزائیاں
میرے سر کو سایۂ بال ہما منحوس ہے
چشم دریا بار ہے کس کے خیال خط میں جو
فلس ماہی داغ افزاے پر طاؤس ہے
کیا یہ مطلب ہے کہ برعکس وفا ہوگی جفا
جو تمہارے عہد نامے میں خط معکوس ہے
یاں جلایا جی حجاب شمع رو نے اور بھی
سوز پروانہ کو مانع پردۂ فانوس ہے
بس کہ شام وصل آغاز سحر میں مر گئے
سینہ کوبی اہل غم کی ہم صداے کوس ہے
غیرت آمد شد دشمن سے تلووں سے لگی
جل بجھیں گے اب کہ حال مشعل منکوس ہے
گر نہ ہو شکر جفاے متصل سے درد سر
لب پہ کچھ کچھ التماس جان غم مانوس ہے

پرہیز سے اس کے گئی بیماری دل آہ
بے گانگیوں میں بھی عجب ربط رہا ھے
تھا محو رخ یار میں کیا آئنہ دیکھوں
معلوم ھے یارو مجھے جو رنگ مرا ھے
چاھا کرے دل لاکھ نہ بولوں گا جو ھمدم
وہ میرے منانے کو رقیبوں سے خفا ھے
میں ترک وفا سے بھی وفادار ھوں مشہور
کیں تجھ سے جو اے دشمن ارباب وفا ھے
مومن نہ سہی بوسۂ پا سجدہ کریں گے
وہ بت ھے جو اوروں کا تو اپنا بھی خدا ھے

(۱۸۱)

میں اگر آپ سے جاؤں تو قرار آجائے
پر یہ ڈرتا ھوں کہ ایسا نہ ھو یار آجائے
باندھو اب چارہ گرو چلے کہ وہ بھی شاید
وصل دشمن کے لیے سوے مزار آجائے
کر ذرا اور بھی اے جوش جنوں خوار و ذلیل
مجھ سے ایسا ھو کہ ناصح کو بھی عار آجائے
نام بدبختیٔ عشاق خزاں ھے بلبل
تو اگر نکلے چمن سے تو بہار آجائے
جیتے جی غیر کو ھو آتش دوزخ کا عذاب
گر مری نعش پہ وہ شعلہ عذار آجائے
کلفت ھجر کو کیا روؤں ترے سامنے میں
دل جو خالی ھو تو آنکھوں میں غبار آجائے

ردیف ے

(۱۸۰)

منظور نظر غیر سہی اب ہمیں کیا ہے
بے دید تری آنکھ سے دل پہلے پھرا ہے
کھائی ہے قسم ہم نے کہ پرہیز کریں گے
گر درد سے بھر جائے طبیعت تو مزا ہے
جب گھر میں نہ ہو تم تو رہیں کوچے میں ہم کیوں
شکوہ جو تمھارا تو ہمارا بھی بجا ہے
بس بس نہ کرو بات کہ یاد آئے ہے مجھ کو
ناصح سے جو کچھ بے خودیوں میں بھی سنا ہے
کس طرح نہ اس شوخ کے رونے پہ ہنسوں میں
نظروں میں مروت ہے نہ آنکھوں میں حیا ہے
اب شوق سے تم محفل اغیار میں بیٹھو
یاں گوشۂ خلوت میں عجب لطف اٹھا ہے
یا رب کوئی معشوقۂ دلجو نہ ملے اب
جو اُن کی دعا ہے وہی اپنی بھی دعا ہے
توبہ گنہ عشق سے فرمائے ہے واعظ
یہ بھی کہیں دل دے کے گنہگار ہوا ہے
آزردۂ حرمان ملاقات ملے[1] کیا
یعنی کہ نہ ملنا ہی نہ ملنے کی سزا ہے

۱- (ن) منے -

فلک کے ہاتھ سے میں جا چھپوں گر
خبر لا دے کوئی تحت الثریٰ کی

شب وصل عدو کیا کیا جلا ہوں
حقیقت کھل گئی روز جزا کی

چمن میں کوئی اس کُو سے نہ آیا
گئی برباد سب محنت صبا کی

کشاد دل پہ باندھی ہے کمر آج
نہیں خیر آپ کے بند قبا کی

کیا جب التفات اس نے ذرا سا
پڑی ہم کو حصول مدعا کی

کہا ہے غیر نے تم سے مرا حال
کہے دیتی ہے بے باکی ادا کی

تمھیں شور فغاں سے میرے کیا کام
خبر لو اپنی چشم سرمہ سا کی

دیا علم و ہنر حسرت کشی کو
فلک نے مجھ سے یہ کیسی دغا کی

غم مقصد رسی تا نزع اور ہم
اب آئی موت بخت نارسا کی

مجھے اے دل تری جلدی نے مارا
نہیں تقصیر اس دیر آشنا کی

جفا سے تھک گئے تو بھی نہ پوچھا
کہ تو نے کس توقع پر وفا کی

کہا اس بت سے مرتا ہوں تو مومن
کہا میں کیا کروں مرضی خدا کی

عشق میں کام کچھ نہیں آتا
گر نہ کی حرص مال و جاہ نہ کی

تاب کم ظرف کو کہاں تم نے
دشمنی کی عدو سے چاہ نہ کی

میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کرکے
تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

محتسب یہ ستم غریبوں پر
کبھی تنبیہ بادشاہ نہ کی

گریہ و آہ بے اثر دونوں
کس نے کشتی مری تباہ نہ کی

تھا مقدر میں اس سے کم ملنا
کیوں ملاقات گاہ گاہ نہ کی

دیکھ دشمن کو اٹھ گیا بے دید
میرے احوال پر نگاہ نہ کی

مومن اس ذہن بے خطا پر حیف
فکر آمرزش گناہ نہ کی

(۱۷۹)

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

موئے آغاز الفت میں ہم افسوس
اسے بھی رہ گئی حسرت جفا کی

کبھی انصاف ھی دیکھا نہ دیدار
قیامت اکثر اس کُو میں رہا کی

گھر تو اس ماہ وش کا دور نہ تھا
لیک طالع نے نارسائی کی
مر گئے پر ہے بے خبر صیاد
اب توقع نہیں رہائی کی
کوچۂ غیر میں ملا وہ ہمیں
ہرزہ تازی نے رہ نمائی کی
دل ہوا خوں خیال ناخن یار
تو نے اچھی گرہ کشائی کی
مومن آؤ تمھیں بھی دکھلا دوں
سیر بت خانے میں خدائی کی

(۱۷۸)

دل میں اس شوخ کے جو راہ نہ کی
ہم نے بھی جان دی پر آہ نہ کی
پردہ پوشی ضرور تھی اے چرخ
کیوں شب بوالہوس سیاہ نہ کی
تشنہ لب ایسے ہم گرے مے پر
کہ کبھی سیر عید گاہ نہ کی
اس کو دشمن سے کیا بچائے وہ چرخ
جس نے تدبیر خسف ماہ نہ کی
کون ایسا کہ اس سے پوچھے کیوں
پرسش حال دادخواہ نہ کی
تھا بہت شوق وصل تو نے تو
کمی اے حسن تاب کاہ نہ کی

اب اغیار سے ھاتھا پائی ھے کیوں
نزاکت بس اے نازنیں ھو چکی
خیال اجل سے تسلی کروں
یہ طاقت بھی جان حزیں ھو چکی
ثوابت ھیں سیار مثل شرر
مری آہ کرسی نشیں ھو چکی
جنوں میں بھلا کوئی کیا خاک اڑائے
کہ اک جوش ھی میں زمیں ھوچکی
کہیں میں ھے مومن وہ کافر صنم
بس اب پاسبانیٔ دیں ھو چکی

(۱۷۷)

نہ کٹی ھم سے شب جدائی کی
کتنی ھی طاقت آزمائی کی
رشک دشمن بہانہ تھا سچ ھے
میں نے ھی تم سے بے وفائی کی
کیوں برا کہتے ھو بھلا ناصح
میں نے حضرت سے کیا برائی کی
دام عاشق ھے دل دھی نہ ستم
دل کو چھینا تو دل ربائی کی
آگے وہ دست غیر میں دیے ھاتھ
آس ٹوٹی شکستہ پائی کی
گر نہ بگڑو تو کیا بگڑتا ھے
مجھ میں طاقت نہیں لڑائی کی

(ق)

وہ کینہ ورز تھا مومن تو دل لگایا کیوں
کہو تو کیا تمھیں' ایسی بھلی وہ آن لگی
برنگ صورت بلبل نہیں نوا سنجی
یہ کیا ہوا کہ چپ اے گلستاں بیاں لگی

(۱۷۶)

تسلی دم واپسیں ہو چکی
ہمیں ہو چکے جب نہیں ہو چکی
قلق کشتۂ سخت جانی ہے پھر
امید اجل آفریں ہو چکی
بلا اس سیہ روز کو بزم میں
شب عیش اے مہ جبیں ہو چکی
یہاں دم نہیں شوق سے قتل کر
مرے خون سے تر آستیں ہو چکی
مری تعزیت میں نہ لا غیر کو
کہاں تک ستم پیشہ کیں ہو چکی
کہو مرگ سے ہاں نوازش کرے
کہ اس سے زیادہ نہیں ہو چکی
وہ ہم دوش ہوگا بھی تو غیر سے
مری قسمت اے شانہ بیں ہو چکی

۱۔ ''تھی کہ'' نسخہ ضیا طبع ثانی (ص ۲۲۲)

قطرہ ہائے اشک گنتے ہو اگر روتا ہوں میں
اس قدر خو ہوگئی اختر شماری آپ کی
کس صنم کی بندگی میں بت پرستی چھوڑ دی
ہوگئی مومن کی سی کیوں دین داری آپ کی

(۱۷۵)

نہ انتظار میں یاں آنکھ ایک آن لگی
نہ ہائے ہائے میں تالو سے شب زبان لگی
جلا جگر تپ غم سے پھڑکنے جان لگی
الٰہی خیر کہ اب آگ پاس آن لگی
گلی میں اس کی نہ پھر آتے ہم تو کیا کرتے
طبیعت اپنی نہ جنت کے درمیان لگی
جفائے غیر کا شکوہ تھا تیرا تھا کیا ذکر
عبث یہ بات بری تجھ کو بدگمان لگی
ہنسو نہ تم تو مرے حال پر میں ہوں وہ ذلیل
کہ جس کی ذلت و خواری سے تم کو شان لگی
کہاں وہ آہ و فغاں دم بھی لے نہیں سکتے
ہمیں یہ تیری دعائے بد آسمان لگی
میں اور اس کو بلاؤں گا روز وصل میں لو
اجل بھی کرنے محبت کا امتحان لگی
سدا تمھاری طرف جی لگا ہی رہتا ہے
تمھارے واسطے ہے دل کو مہربان لگی

(۱۷۴)

کیوں بنی خوں نابہ نوشی بادہ خواری آپ کی
کس لیے ہے بےخودی غفلت شعاری آپ کی
کیوں رم جانانہ کے بدلے ہے از خود رفتگی
کس لیے شوخی ہوئی ہے بےقراری آپ کی
منفعل ساز دم ناہید نغمے کیا ہوے
کیوں گزرتی ہے فلک سے آہ وِ زاری آپ کی
آشنا سے ہو گئے بیگانگی جاتی رہی
ہو گئی کس آشتی دشمن سے یاری آپ کی
بوے گل سے ہو مکدر کس کی بو آئی ہے یاد
خاک اڑانے کیوں لگی باد بہاری آپ کی
عشق مہ رو میں تڑپتے ہو نہیں تو کس لیے
جوں کتاں ہر شب قبا ٹکڑے ہے ساری آپ کی
مجھ کو حیراں دیکھ کر حیران رہ جاتے ہو کیوں
ایسی محو یاس ہے امیدواری آپ کی
جی جلا جاتا ہے کیوں ہر لحظہ کس پر دل گیا
لے گئی قابو سے جاں بےاختیاری آپ کی
کیوں ہے رنگ زرد پر گلگونہ اشک سرخ کا
کس لیے ملنے لگی رنگت ہماری آپ کی
ہائے کیا بےتاب ہو کر دھر لیا سینے پہ ہاتھ
کھل گئی مہ وش کہے سے دل فگاری آپ کی
سرمہ دینے لگتے ہو جس وقت رونا آئے ہے
بارے ہے اب تک تو باقی شرم ساری آپ کی
دل گیا دم پر بنی آنکھیں لڑیں کہتی ہے حال
بےقراری آہ و زاری اشک باری آپ کی

(۱۷۳)

تمھیں تقصیر اس بت کی کہ ہے میری خطا لگتی
مسلمانو ! ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی
تڑپنے لوٹنے رونے کا باعث تجھ پہ بھی کھلتا
ترے دل کو بھی میری سی اگر اے بے وفا لگتی
ستم اے شور بختی میری ہڈی کیوں ہما کھاتا
سگ لیلیٰ ادا کو گر نہ ظالم بد مزا لگتی
جو مر جاتا تو یہ دکھ کا ہے کو سہتا اگر آمیں
نہ کہتا میں تو شاید دشمنوں کی بد دعا لگتی
وہ پھر ہے گرم نظارہ کہاں تک زخم دل ٹانکوں
کہ ہے ہر ہر نگہ کے ساتھ اک برچھی سی آ لگتی
نسیم مصر کا دم پیر کنعاں کاہے کو بھرتا
اگر کوچے کی تیرے خاک آلودہ ہوا لگتی
جو گریہ تر نہ کر دیتا تو جیسے نالہ کھینچا تھا
چمن میں کوہ میں صحرا میں آتش جا بہ جا لگتی
کیے تھے کاٹ کاٹ آلودہ خوں سے ہاتھ یاں اپنے
وہاں دست عدو سے پاؤں میں تھی شب حنا لگتی
بلائے جاں ہوا دھیاں اس سیہ کاکل کی چوٹی کا
نہ لگتا دل تو دل کے پیچھے کاہے کو بلا لگتی
کہیں سے ڈھونڈھ کے لانا بت کافر کو اے مومن
طبیعت سیر جنت میں نہیں اس کے سوا لگتی

گلہ کیا کیجیے اس بدگماں عیّار پر فن کا
کہ عرض حال سے جس کو شکایت ہو شکایت کی
وہی مذہب ہے اپنا بھی جو قیس و کوہ کن کا تھا
نئی راہ افترا ہے کب بھلا مومن نے بدعت کی

(۱۷۲)

وہ گردن دیکھ یہ حالت ہوئی تغییر شیشے کی
کہ تھمتی ہی نہیں ہچکی ہوئی ہے دیر شیشے کی
مدام اس دلبر سے کش کے منھ لگتا ہے اے ساقی
بنائی ہائے کیا اللہ نے تقدیر شیشے کی
سوا اے محتسب اس کے کہ اپنے دل کی صورت ہے
سزا وار شکستن کون سی تقصیر شیشے کی
اثر اس سنگ دل کو کیا ہو عرض دل شکستن کا
شکایت ہے مری فریاد بے تاثیر شیشے کی
ہوں اک آئینہ رو کا دیدۂ پر آب دیوانہ
بنا اشک مسلسل سے مرے زنجیر شیشے کی
بیاں کرتا ہے ھکلانے کا اس بدمست کے عالم
ولے کیا سمجھیے پیچیدہ ہے تقریر شیشے کی
یہ کیا طاقت کہ اب بھی محتسب پامال کر ڈالے
ملا تو خاک میں پر ہے وہی توقیر شیشے کی
کرامت ہے رخ زرد آپ کے دل تفتہ کا ورنہ
کہیں بنتی سنی ہے آج تک اکسیر شیشے کی
بھلا کیا اعتبار اے مومن ایسی پارسائی کا
کہ بے خود ہوگئے تم دیکھ کر تصویر شیشے کا

کیا ہو گئی خود بینی اب غیر سے چشمک ہے
یا خوش نگہی وہ کچھ یا بد نظری اتنی
کہتا ہے مرے آگے وہ مجھ پہ عدو غش ہے
ہے ہے مری الفت سے ہے بے خبری اتنی
سجدہ نہ کہیں کرنا مومن قدم بت پر
کعبے ہی میں ہوتی ہے بیہودہ سری اتنی

(۱۷۱)

مجھے یاد آ گئی بس ووہیں اس کے قد و قامت کی
چمن میں دیکھ کر کل سرو میں نے کیا قیامت کی
دیا ظالم کو دل جاں غیر کو آرام وحشت کو
کسی کا شکوہ کیا کیجیے یہ خوبی اپنی قسمت کی
ستم پیشہ ہے بدخو ہے ستم‌گر ہے جفا جو ہے
کروں کیا کیا شکایت دوستو اس بے مروت کی
موے ہیں حسرت دیدار میں خوں روتے روتے ہم
عجب کیا ہے جو نکلے سرخ نرگس اپنی تربت کی
مبارک خفتگان خاک کو تصدیع بے داری
کہ گور تیرہ سے یاد آئی مجھ کو رات فرقت کی
جفا کا شکوہ اب کیوں جو کیا اچھا کیا اس نے
سزا ہے اے دل ناداں اس الف اس محبت کی
تری دل گرمیاں آخر جلا رھویں گی غیروں کو
کہ دوزخ نے قسم کھائی ہے میرے سوز غیرت کی
مزہ خواب عدم کا بے ستوں کو کاٹ کر پایا
ملی فرہاد شیریں کام کو راحت یہ محنت کی

کر دے روز جزا شب دیجور
ظلمت اپنی سیاہ کاری کی
ترے ابرو کی یاد میں ہم نے
ناخن غم سے دل فگاری کی
قتل دشمن کا ہے ارادہ اسے
یہ سزا اپنی جاں نثاری کی
کیا مسلماں ہوئے کہ اے مومن
حاصل اس بت سے شرم ساری کی

(۱۷۰)

منھ کو نہ سیا ناصح کی بخیہ گری اتنی
لوں میں بھی ابھی لتّے ہیں پردہ دری اتنی
تم اٹھ گئے محفل سے ذکر آتے ہی مجنوں کا
سائے سے مرے وحشت اے رشک پری اتنی
دل لے کے وفا کیسی پر قول تو دینا تھا
اے سیم تن آفت ہے تو مفت بری اتنی
بے پردہ پس چلون یک بار تم آ بیٹھے
ہے تاب نظر کس کو کیوں جلوہ گری اتنی
لازم تھا حذر مجھ سے ناچیز کے نالوں سے
پر تجھ کو کہاں غیرت اے بے اثری اتنی
لو چھیڑے ہے نکہت کو گل ہائے شبینہ کی
اب تم سے بھی چل نکلی باد سحری اتنی
یہ کون کہے اس سے کی ترک وفا میں نے
کہہ تو ہی ذرا ناصح پیغام بری اتنی

گروں میں وعدہ خلافی کا وعدہ کس کس سے
اجل بھی رہ گئی ظالم سنا کے آنے کی

کہاں ہے ناقہ ترے کان بجتے ہیں مجنوں
قسم ہے مجھ کو صدائے درا کے آنے کی

مرے جنازے پہ آنے کا ہے ارادہ تو آ
کہ دیر اٹھانے میں کیا ہے صبا کے آنے کی

مجھے یہ ڈر ہے کہ مومن کہیں نہ کہتا ہو
مری تسلی کو روز جزا کے آنے کی

(۱۶۹)

ہوئی تاثیر آہ و زاری کی
رہ گئی بات بے قراری کی

شکوۂ دشمنی کریں کس سے
واں شکایت ہے دوست داری کی

مبتلائے شب فراق ہوئے
ضد سے ہم تیرہ روز گاری کی

یاد آئی جو گرم جوشیٔ یار
دیدۂ تر نے شعلہ باری کی

کیوں نہ ڈر جاؤں دیکھ کر وہ زلف
ہے شب ہجر کی سی تاریکی

یاس دیکھو کہ غیر سے کہہ دی
بات اپنی امید واری کی

بس کہ ہے یار کی کمر کا خیال
شعر کی سوجھتی ہے باریکی

ردیف ی

(۱۶۸)

خوشی نہ ہو مجھے کیوں کر قضا کے آنے کی
خبر ہے لاش پہ اُس بے‌وفا کے آنے کی

ہے ایک خلق کا خوں سر پہ اشک خوں کے مرے
سکھائی طرز اُسے دامن اُٹھا کے آنے کی

سمجھ کے اور ہی کچھ مر چلا میں اے ناصح
کہا جو تو نے نہیں جان جا کے آنے کی

اُمید سرمہ میں تکتے ہیں راہ دیدہ غم
شمیم سلسلۂ مشک سا کے آنے کی

چلی ہے جان نہیں تو کوئی نکالو راہ
تم اپنے پاس تک اس مبتلا کے آنے کی

نہ جائے کیوں دل مرغ چمن کہ سیکھ گئی
بہار وضع ترے مسکرا کے آنے کی

مشام غیر میں پہنچے ہے نکہت گل داغ
یہ بے سبب نہیں بندی ہوا کے آنے کی

جو بے حجاب نہ ہوگے تو جان جائے گی
کہ راہ دیکھی ہے اُس نے حیا کے آنے کی

پھر اب کی لا ترے قربان جاؤں جذبۂ دل
گئے ہیں یاں سے وہ سوگند کھا کے آنے کی

خیال زلف میں خود رفتگی نے قہر کیا
اُمید تھی مجھے کیا کیا بلا کے آنے کی

(۱٦٧)

هم میں فلک نگہ کی بھی طاقت نہ چھوڑ دیکھ
دست مژہ سے پنجۂ خور مت مڑوڑ دیکھ

اے جامہ زیب میں ہوں وہ مجنوں کہ قیس کا
پھٹ جائے سینہ میرے گریباں کے جوڑ دیکھ

دور خمار کا بھی ہے کچھ دھیان یا نہیں
اے مست حسن شیشۂ دل کو نہ توڑ دیکھ

گر نازکی سے بار ہے دشنہ تو اک نگاہ
ہم نیم بسملوں کو تڑپتا نہ چھوڑ دیکھ

اغوائے غیر سے نہ جگا خفتہ فتنے کو
میں غش نہیں ہوں لاش مری سب جھنجھوڑ دیکھ

آئینہ خانہ بن گیا دل توڑنا نہ تھا
یعنی اب ایسے جلوہ نما ہیں کڑوڑ دیکھ

طوفاں ہیں آب ہر گہر اشک میں نہاں
اے یاد دوست دامن مژگاں نچوڑ دیکھ

میرا قلق بھی قبلہ نما سے نہیں ہے کم
باور نہیں تجھے تو ذرا منھ کو موڑ دیکھ

کیا رحم دیکھنے کی بھی بندی ہو چاہیے
اے چشم اس کے سامنے تو ہاتھ جوڑ دیکھ

جلنا ترا بتوں میں بھی تاثیر کر گیا
مومن یقیں نہیں ہے تو پتھر کو پھوڑ دیکھ

---

(۱۶۶)

تکلیف ہے جوں پنجۂ گل لال ہوا ہاتھ
نازک ہے وہ بس چھوڑ دے اے رنگ حنا ہاتھ

میں اپنے گریبان کے ٹکڑوں کا ہوں پیرو
چلتے ہیں جنوں میں مرے پاؤں سے سوا ہاتھ

ہے دست مری نبض کی تف سے ید بیضا
یہ معجزۂ تازہ مسیحا کے لگا ہاتھ

ہنگام وداع آہ گلا کاٹ رہے تھے
کیا کھینچتے دامن کو ترے کام میں تھا ہاتھ

رکھا تو دل و چشم سے اب اٹھ نہیں سکتا
قربان نزاکت کے میں کیا پاؤں ہے کیا ہاتھ

ہونے نہ دیا چاک گریبان کفن کو
یاروں نے کیے دفن مرے تن سے جدا ہاتھ

یہ دست بریدہ مرے قاصد کا نہ ہووے
ہے مہر کا خط ہائے شعاعی سے بھرا ہاتھ

جیسا مجھے آرام ترے ہاتھ سے آیا
اللہ کرے یوں ہی ترا سینہ مرا ہاتھ

جوں شاخ گل اے جوش جنوں زار ہوں یعنی
جب چاک ہوا جامہ تو بس ٹوٹ گیا ہاتھ

بیٹھا کف افسوس ملے گا پس کشتن
غیروں سے بھی ظالم تو مرے ساتھ اٹھا ہاتھ

ہم اور یہ بدعت تپش دل کے سبب سے
مومن مرے سینے پہ رہے بعد فنا ہاتھ

(۱۶۵)

الٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
بے طاقتی کے طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ

بہر عیادت آئے وہ لیکن قضا کے ساتھ
دم ہی نکل گیا مرا آواز پا کے ساتھ

بے پردہ غیر پاس اسے بیٹھا نہ دیکھتے
اٹھ جاتے کاش ہم بھی جہاں سے حیا کے ساتھ

وہ لالہ رو گیا نہ ہو گل گشت باغ کو
کچھ رنگ بوے گل کے عوض ہے صبا کے ساتھ

اس کی گلی کہاں یہ تو کچھ باغ خلد ہے
کس جاے مجھ کو چھوڑ گئی موت لا کے ساتھ

آتی ہے بوے داغ شب تار ہجر میں
سینہ بھی چاک ہو نہ گیا ہو قبا کے ساتھ

گل بانگ کس کا مشورۂ قتل ہو گیا
کچھ آج بوے خوں ہے وہاں کی ہوا کے ساتھ

تھے وعدے سے پھر آنے کے خوش یہ خبر نہ تھی
ہے اپنی زندگانی اسی بے وفا کے ساتھ

کوچے سے اپنے غیر کا منہ ہے ہٹا سکے
عاشق کا سر لگا ہے ترے نقش پا کے ساتھ

اللہ ری گم رہی بت و بت خانہ چھوڑ کر
مومن چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ

ہے کس کا انتظار کہ خواب عدم سے بھی
ہر بار چونک پڑتے ہیں آواز پا کے ساتھ

یا رب وصال یار میں کیوں کر ہو زندگی
نکلی ہی جان جاتی ہے ہر ہر ادا کے ساتھ

اللہ رے سوز آتش غم بعد مرگ بھی
اٹھتے ہیں میری خاک سے شعلے ہوا کے ساتھ

سو زندگی نثار کروں ایسی موت پر
یوں روئے زار زار تو اہل عزا کے ساتھ

ہر دم عرق عرق نگہ بے حجاب ہے
کس نے نگاہ گرم سے دیکھا حیا کے ساتھ

مرنے کے بعد بھی وہی آوارگی رہی
افسوس جاں گئی نفس نارسا کے ساتھ

دست جنوں نے میرا گریباں سمجھ لیا
الجھا ہے اُن سے شوخ کے بند قبا کے ساتھ

آتے ہی تیرے چل دیے سب ورنہ یاس کا
کیسا ہجوم تھا دل حسرت فزا کے ساتھ

میں کینے سے بھی خوش ہوں کہ سب یہ تو کہتے ہیں
اُس فتنہ گر کو لاگ ہے اس مبتلا کے ساتھ

مومن وہی غزل پڑھو شب جس سے بزم میں
آتی تھی لب پہ جان زہ و حبذا کے ساتھ

کیوں چھیڑتے ہو مجھ کو برا ہونے لگا کیوں
ھے غیر کا نامہ نہ مرا خط جبیں یہ
یا[1] پردہ اٹھا ورنہ کھلا شوق نہانی
اب مجھ سے تو چھپتا نہیں اے پردہ نشیں یہ
یاں کاھے کو وہ آنے لگا اے کشش دل
تو لاکھ کہے پر کوئی آتا ھے یقیں یہ

(ق)

بے دم سا پڑا تھا کوئی اس کوچے میں اس نے
دروازے میں آ جھانک کے دیکھا جو کہیں یہ
اس رحم کے صدقے وھیں گھبرا کے کہا ھاں
جا کر کوئی دیکھو کہیں مومن تو نہیں یہ

(۱۶۴)

دل بستگی سی ھے کسی زلف دوتا کے ساتھ
پالا پڑا ھے ہم کو خدا کس بلا کے ساتھ
کب تک نبھائیے بت نا آشنا کے ساتھ
کیجے وفا کہاں تلک اس بے وفا کے ساتھ
یاد ہوائے یار نے کیا کیا نہ گل کھلائے
آئی چمن سے نکہت گل جب صبا کے ساتھ
مانگا کریں گے اب سے دعا ھجر یار کی
آخر تو دشمنی ھے اثر کو دعا کے ساتھ

۱- (ن) ھاں

سما رہے ہیں مگر تیرے نو بہ نو جلوے
کہ بن گیا ہے طلسم بہار آئینہ
شکست رنگ پہ مستی میں ہنستے ہیں ہم بھی
دکھائیں گے انھیں وقت خمار آئینہ
مجھے تو کہتے ہو مت دیکھ میری جانب تو
اور آپ دیکھتے ہو بار بار آئینہ
بلا ہے منع وفا نور آڑ گیا ناصح
تو لے کے دیکھ تو رنگ عذار آئینہ
سمجھ تو مومن اگر ناروا ہے خود بینی
تو دیکھیں کاہے کو پرہیز گار آئینہ

(۱۶۳)

سیماب ہے پہلو میں مرے دل تو نہیں یہ
اس دل نے ستایا مجھے غارت ہو کہیں یہ
معلوم رسائی ترے کانوں تک اگرچہ
نالہ مرا کہتا ہے کہ ہے عرش بریں یہ
کچھ شور محبت کی تو لذت ہی نہ پوچھو
ہے آپ کے بھی حسن سے کتنا نمکیں یہ
اک آہ ہی کرلوں کہ ہو شاید اسے تاثیر
فرصت نہیں اب ہے نفس بازپسیں یہ
حسرت سے کہا خضر نے دیکھ اس کی گلی کو
مرتا ہوں ابھی گر ملے مدفن کو زمیں یہ
کیا یار کے آنے کی سنی کچھ کہ اجل کی
کاہے کو خوشی ہجر میں ہے جان حزیں یہ

(ق)

گھر میں بیٹھے تھے کچھ اداس سے وہ
بولے بس دیکھتے ہی میرا منہ
ہم بھی غمگیں سے ہیں آج کہیں
صبح اٹھے تھے دیکھ تیرا منہ
سنگ اسود نہیں ہے چشم بتاں
بوسہ مومن طلب کرے کیا منہ

(۱۶۲)

جو تیرے منھ سے نہ ہو شرم سار آئینہ
تو رخ کرے سوے آئینہ دار آئینہ
کہے ہے دیکھ کے رخسار یار آئینہ
کہ اس صفائی پہ صدقے نثار آئینہ
سیاہ رو نہ کرے ترک الفت گل فام
میں بوالہوس کو دکھاؤں ہزار آئینہ
صفاے دل کی کہاں قدر تیرہ روزی میں
چراغ صبح ہے شب ہاے تار آئینہ
سمجھ لیا مگر اس سبز رنگ کو طوطی
کہ ہے نظارے کا امیدوار آئینہ
وہ سخت جاں ہوں کہ دکھلائیں گر دم مردن
تو توڑ دے کمر کوہ سار آئینہ
مقابل اس رخ روشن کے کھل گئی قلعی
نہ ٹھہرا آگ پہ سیماب وار آئینہ

ردیف ہ

(۱۶۱)

چل پرے ہٹ مجھے نہ دکھلا منہ
اے شب ہجر تیرا کالا منہ

آرزوے نظارہ تھی تو نے
اتنی ہی بات پر چھپایا منہ

دشمنوں سے بگڑگئی تو بھی
دیکھتے ہی مجھے بنایا منہ

بات پوری بھی منہ سے نکلی نہیں
آپ نے گالیوں پہ کھولا منہ

ہو گیا راز عشق بے پردہ
اس نے پردے سے جو نکالا منہ

شب غم کا بیان کیا کیجے
ہے بڑی بات اور چھوٹا منہ

جب کہا یار سے دکھا صورت
ہنس کے بولا کہ دیکھو اپنا منہ

کس کو خون جگر پلائے گا
ساغر مے کو کیوں لگایا منہ

پھر گئی آنکھ مثل قبلہ نما
جس طرف اس صنم نے پھیرا منہ

تر کر دیا ہے ابر بہاری نے اس قدر
بجلی گرے تو گرم مرا آشیاں نہ ہو

اب شوق وصل ہے نہ غم قرب مدعی
پامال ہوچکا ہوں عبث سرگراں نہ ہو

کرنی نہ تھیں بگاڑ کی باتیں گلے میں ہائے
کیسی بنے جو دل سے وہ نامہرباں نہ ہو

عزم سفر جہاں سے کروں کیا شب فراق
میں جانتا ہوں چین کہاں تو جہاں نہ ہو

اس شرط پر جو لیجے تو حاضر ہے دل ابھی
رنجش نہ ہو فریب نہ ہو امتحاں نہ ہو

یہ جامہ پارہ پارہ تڑپنے سے ہو گیا
صبح شب فراق ہے تو بدگماں نہ ہو

مومن بہشت و عشق حقیقی تمھیں نصیب
ہم کو تو رنج ہو جو غم جاوداں نہ ہو

جب فرق بے کلاہ ہوا چین آ گیا
راحت زیادہ تر ہو اگر تن پہ سر نہ ہو

پامال کیجے شوق سے پر بزم خاص میں
اتنا تو ہو کہ خاک مری در بہ در نہ ہو

سوتے سے اُٹھ کر آئے ہیں یا رب نہ جائیں وہ
شرمندہ آہ شب سے دعاے سحر نہ ہو

اب کیجے آہ تاب گسل ہر جفا کے ساتھ
جب جان سے گذر گئے پھر در گزر نہ ہو

مومن ہوا رقیب حذر اے صنم پرست
ایسے سے ڈریے جس کو خدا کا بھی ڈر نہ ہو

(۱۶۰)

خالی ہواے فتنہ سے گاہے جہاں نہ ہو
اس دم قیامت آئے اگر آسماں نہ ہو

اعجاز سے زیادہ ہے سحر اُن[۱] کے ناز کا
آنکھیں وہ کہہ رہی ہیں جو لب سے بیاں نہ ہو

یوں تو بہت سے دل کے خریدار ہیں ولے
جو ہے سو بد معاملہ کیوں کر زیاں نہ ہو

لکھتا ہوں اُس کو بستگی دل کا ماجرا
آنسو رواں نہ ہوں تو سیاہی رواں نہ ہو

شیخ حرم سے کام نہ پیر مغاں سے ربط
کیا کفر و دیں جو پاس وہ زیبا جواں نہ ہو

۱- ''اُس'' نسخۂ نول کشور مطبوعہ ۱۸۷۶ء صفحہ ۹۵

معشوق و مے سے زاهد مفلس کو یاس هے
قطع تعلقات کس امید پر نه هو
ایسے سے قدر مهر و وفا کی امید کیا
جس کو هنوز اپنے ستم کی خبر نه هو
هوں خانماں خراب ستم سے زیاده تر
ایسا نه هو که اب بهی ترےدل میں‌گهر نه هو
عابد فریب شوخی و رغبت فزا نگاه
میں کیا کسی سے صبر تجھے دیکھ کر نه هو
اے گردش زمانه کبهی تو تغیر آئے
حسرت مجھے قبول اگر اس قدر نه هو
سودا هے مجھ کو گرمئی بازار عشق کا
اس کا کهاں خیال که اپنا ضرر نه هو
پاے طلب شکسته نه کوتاه دست شوق
هم بهی ستم کریں جو وه نازک کمر نه هو
حزن و ملال میں هے دل آزردگی کا وهم
کیسی بری بنے جو گله بے اثر نه هو
هیں آرزو سے مرگ کی بے التفاتیاں
جینا مرا محال تو دشمن اگر نه هو
صحبت میں ایک رات کی وه تنگ آ گئے
طول امل سے قصه مرا مختصر نه هو
لذت بغیر جاں دهئی مردگاں محال
آب بقا فشردۀ دامان تر نه هو
هیں جاں نثار کهیے تو مر جائیں هم ابهی
یه کام بوالهوس سے کبهی عمر بهر نه هو

شکوہ ہے غیر کی کدورت کا
سو مرے خاک میں ملانے کو

روز محشر بھی ہوش گر آیا
جائیں گے ہم شراب خانے کو

سن کے وصف اس پہ مر گیا ہمدم
خوب آیا تھا غم اٹھانے کو

کوئی دن ہم جہاں میں بیٹھے ہیں
آسماں کے ستم اٹھانے کو

(ق)

چل کے کعبے میں سجدہ کر مومن
چھوڑ اس بت کے آستانے کو

نقش پائے رقیب کی محراب
نہیں زیبندہ سر جھکانے کو

(۱۵۹)

صد حیف سینہ سوز فغاں کارگر نہ ہو
یاں جان پر بنے ترے دل میں اثر نہ ہو

دیکھیں غم درونہ پہ کب تک نظر نہ ہو
میرا شگاف سینہ ترا چاک در نہ ہو

اے آہ آسماں میں عبث رخنہ گر نہ ہو
ڈرتا ہوں میں نزول بلا بیش تر نہ ہو

فریاد بے گناہ کشی جا بہ جا کروں
گر وہم جاں نثاریٔ پیغام بر نہ ہو

بخت سعید[1] آئینہ داری کرے تو میں
دکھلاؤں دل کے جور اُس آئینہ فام کو

جب تو چلے جنازۂ عاشق کے ساتھ ساتھ
پھر کون وارثوں کے سنے اذن عام کو

شاید کہ دن پھرے ہیں کسی تیرہ روز کے
اب غیر اُس گلی میں نہیں پھرتے شام کو

مدت سے نام سنتے تھے مومن کا بارے آج
دیکھا بھی ہم نے اُس شعرا کے امام کو

(۱۵۸)

ہم سمجھتے ہیں آزمانے کو
عذر کچھ چاہیے ستانے کو

سنگ در سے ترے نکالی آگ
ہم نے دشمن کا گھر جلانے کو

صبح عشرت ہے وہ نہ شام وصال
ہائے کیا ہوگیا زمانے کو

بوالہوس روئے میرے گریے پہ اب
منہ کہاں تیرے مسکرانے کو

برق کا آسمان پر ہے دماغ
پھونک کر میرے آشیانے کو

سنگ سودا جنوں میں لیتے ہیں
اپنا ہم مقبرہ بنانے کو

۱- (ن) سفید -

(۱۵۷)

اعجاز جاں دہی ہے ہمارے کلام کو
زندہ کیا ہے ہم نے مسیحا کے نام کو

لکھو سلام غیر کے خط میں غلام کو
بندے کا بس سلام ہے ایسے سلام کو

اب شور ہے مثال جو دی اس خرام کو
یوں کون جانتا تھا قیامت کے نام کو

آتا ہے بہر قتل وہ دور اے ہجوم یاس
گھبرا نہ جائے دیکھ کہیں ازدحام کو

گو آپ نے جواب برا ہی دیا ولے
مجھ سے بیاں نہ کیجے عدو کے پیام کو

یاں وصل ہے تلافیٔ ہجراں میں اے فلک
کیوں سوچتا ہے تازہ ستم انتقام کو

تیرے سمند ناز کی بے جا شرارتیں
کرتی ہیں آگ نالۂ اندیشہ گام کو

گریے پہ میرے زندہ دلو ہنستے کیا ہو آہ
روتا ہوں اپنے میں دل جنت مقام کو

سن[۱] سن کے نا درست تری خو بگاڑ دی
ہم نے خراب آپ کیا اپنے کام کو

اس سے جلا کے غیر کو امید پختگی
لگ جائے آگ دل کے خیالات خام کو

۱- (ن) سہہ سہہ ۔

مومن تم اور عشق بتاں ، اے پیر و مرشد خیر ھے
یہ ذکر اور منھ آپ کا صاحب خدا کا نام لو

(۱۵٦)

یہ مایوسی دل و جاں نالۂ شب گیر تو کھینچو
کھنچے گا اس کا دل آہ فسوں تاثیر تو کھنچو
شفیع بے گناھاں ھے نزاکت اس کلائی کی
بھلا خوں تو کروگے پہلے تم شمشیر تو کھینچو
سبک روح تجرد بھی کہیں پابند ہوتا ھے
شمیم گل کی نقاشو بھلا تصویر تو کھینچو
وہ آئے یا نہ آئے زیست میری ھو نہ ھو لیکن
فغاں سے پیش‌تر تم خجلت تقریر تو کھینچو
سر زور آزمائی جذب دل کو آج ھی دیکھو
کھنچے گا ھاتھ سینے سے تم اپنا تیر تو کھینچو
عبث نالش ھے آہ تیرہ روز چشم جادو کی
دھاں بند ھوس سرمے کی اک تحریر تو کھینچو
دکھا دوں گا تماشا بس نہ چھیڑو مجھ سے مجنوں کو
ھلا دوں‌گا زمین و آسماں زنجیر تو کھینچو
کہاں اس نوجواں کے ناز کی طاقت تمھیں مومن
ابھی سر مشق تو[1] ھو جور چرخ پیر تو کھینچو

۱- (ن) لو -

شعر تر وہ ہیں مرے مومن کہ ہنگام جواب
خوف سے منہ اورا زبان ہر سخنور خشک ہو

(۱۵۵)

اے ناصحو! آ ہی گیا وہ فتنۂ ایام لو
ہم کو تو کہتے تھے بھلا اب تم تو دل کو تھام لو

مجنون محو یار ہوں سودے کا میرے کیا علاج
گر چارہ سازو ہوسکے تو فصد لیلیٰ فام لو

کیا قہر ہے کب تک کوئی رہ جائے آنسو پی کے یوں
ہنس ہنس کے میرے آگے تم دست عدو سے جام لو

بندے ہیں ہم صیاد کے کہتا ہے کس کس لطف سے
گر ہو سکے راہ چمن اے رستگان[۱] دام لو

ایسی ادا سے بوسہ دو لب کا کہ شادی مرگ ہوں
جور و ستم کا میری جاں لطف و کرم سے کام لو

بخت سیہ اے منعمو آخر ملائے خاک میں
یک چند ملک ہند لو یا سر زمین شام لو

دن رات فکر جور میں یوں رنج آٹھانا کب تلک
میں بھی ذرا آرام لوں تم بھی ذرا آرام لو

پھر سوے مقتل آئے وہ ہاتھ آئے تو بہر نثار
اے کشتگان شوق جاں زندوں سے سودے وام لو

۱- ن ، میں

۲- ''بستگان'' مطبوعہ نول کشور ۱۸۷۶ ء (ص ۹۳)

(۱۵۴)

پونچھنے سے ہمدمو دریا ہے کیوں کر خشک ہو
سب کے دامن تر ہوں پر کب دیدۂ تر خشک ہو

آہ کی گرمی سے دنیا میں ہو جو تر خشک ہو
نوح کا طوفاں بھی ہو تو خشک ہو پر خشک ہو

اُف رے سوز نالہ و اللہ رے سیلاب اشک
اس سے تر روے زمیں آس سے سمندر خشک ہو

سوز دل آب جگر لینے دے دم تو کب تلک
تر رہیں آنکھیں ہمیشہ اور لب اکثر خشک ہو

موج زن ہے ایک دریا ہاے جوش اشک ہاے
آستیں ہو جائے تر داماں تر گر خشک ہو

شمع ساں میں سوز گریہ سے سراپا جل گیا
ہے تعجب گر شجر پانی کے اندر خشک ہو

ابر بھی کھل جائے ہے دریا بھی گھہ تھم جائے ہے
دیدۂ پرنم کبھی تو بھی تو دم بھر خشک ہو

روز محشر آپ کے اس تشنۂ دیدار کا
حلق تشنہ تر نہ ہو اور حوض کوثر خشک ہو

گریۂ خونیں کو قصد عالم بالا ہے پھر
کیوں نہ خوں روحانیوں کا آسماں پر خشک ہو

تشنہ کام عشق ہوں گر خاک سے میری بنے
آب جوں جوں بھریے ووں ووں اور ساغر خشک ہو

رونے کی جا ہے اگر ہو بعد ملنے کے فراق
ہے غضب گر نخل کوئی پھول پھل کر خشک ہو

سنو ذکر ہے کئی سال کا کہ کیا اک آپ نے وعدہ تھا
سو نباھنے کا تو ذکر کیا تمھیں یاد ھو کہ نہ یاد ھو
کہا میں نے بات وہ کوٹھے کی مرے دل سے صاف اتر گئی
تو کہا کہ جانے مری بلا تمھیں یاد ھو کہ نہ یاد ھو
وہ بگڑنا وصل کی رات کا وہ نہ ماننا کسی بات کا
وہ نہیں نہیں کی ھر آن ادا تمھیں یاد ھو کہ نہ یاد ھو
جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وھی ھوں مومن مبتلا تمھیں یاد ھو کہ نہ یاد ھو

(۱۵۳)

آئے ھو جب بڑھا کر دل کی جلن گئے ھو
جوں سوز دل کہا ہے تم آگ بن گئے ھو
روٹھے سو روٹھے ھم سے منتے نہیں ھو کیوں کر
غیروں سے جب لڑے ھو لڑتے ھی من گئے ھو
باقی نہیں کدورت شوق ستم کی ھرگز
کیا اے دل و جگر تم تیروں سے چھن گئے ھو
جاؤ تو جاؤ سوئے دشمن سوئے فلک کیوں
اے گرم نالہائے آتش فگن گئے ھو
باد بہار میں ہے کچھ اور عطر ریزی
تم آج کل میں شاید سوئے چمن گئے ھو
کیا حال ہے عدم کا کہلا تو بھیجو جو تم
اے خوگران غربت سوئے وطن گئے ھو
ہے کچھ تو بات مومن جو چھا گئی خموشی
کس بت کو دے دیا دل کیوں بت سے بن گئے ھو

ممنون جوش گریۂ شادی ہو چشم تر
صبح شب وصال کا گر بند رستہ ہو
کب جان دے ہے بسمل ابرو نہ جب تلک
خنجر کا تیرے شاخ غزالاں کا دستہ ہو
شاید کبھی وہ مے کش بد مست منھ لگائے
خاک اپنی کاش درد تہہ خم نشستہ ہو
مومن نہ توڑ رشتۂ زنار برہمن
مت کر وہ بات جس سے کوئی دل شکستہ ہو

(۱۵۲)

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وھی یعنی وعدہ نباہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیش تر وہ کرم کہ تھا مرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی بیٹھے سب میں جو روبرو تو اشارتوں ھی سے گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
ہوے اتفاق سے گر بہم تو وفا جتانے کو دم بہ دم
گلۂ ملامت اقربا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کوئی ایسی بات اگر ہوئی کہ تمھارے جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ھی بھولنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

پسینے کی جگہ آنے لگا خوں
چھپاؤں کس طرح زخم نہاں کو

سمجھتا کیوں کہ دیوانے کی باتیں
نہ پایا محرم اپنے رازداں کو

عدو کے گھر میں ہے تصویر شیریں
دکھاؤں کس طرح اس بد گماں کو

نہیں آتا وہ لیلیٰ وش سکھا دے
کوئی مجنوں کا قصہ سارباں کو

ہمارا غش تو کیا مر جائیں تو بھی
نہ کھولے طرۂ عنبر فشاں کو

دیا اس بدگماں کو طعنۂ غیر
غضب ہے کیا کہوں اپنی زباں کو

دل مضطر کی بے تابی نے مارا
کہاں سے لاؤں اس آرام جاں کو

سن اے مومن یہ ایماں ہے ہمارا
نہ کہنا کفر پھر عشق بتاں کو

(۱۵۱)

ایسے سے کیا درستیٔ پیماں بستہ ہو
جو قول دے تو رنگ حنا کا شکستہ ہو

دم ہی الٹ گیا جو سنا ہے ترا مریض
کیا حضرت مسیح سے درماں خستہ ہو

پروانہ وار گرم تپش ہیں قلق سے ہم
تم شوخیوں سے شعلۂ بے تاب جستہ ہو

چشمک مری وحشت پہ ہے کیا حضرت ناصح
طرز نگہ چشم فسوں ساز تو دیکھو
ارباب ہوس ہار کے بھی جان پہ کھیلے
کم طالعئی عاشق جاں‌باز تو دیکھو
مجلس میں مرے ذکر کے آتے ہی اٹھے وہ
بدنامیٔ عشاق کا اعزاز تو دیکھو
محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے
منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو
اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو
دیں پاکیٔ دامن کی گواہی مرے آنسو
اس یوسف بے درد کا اعجاز تو دیکھو
جنت میں بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے
جور اجل تفرقہ پرداز تو دیکھو

(۱۵۰)

یہ قدرت ضعف میں بھی ہے فغاں کو
کہ دے پٹکے زمیں پر آسماں کو
وفا سکھلا رہے گا دل ہمارا
تمہاری خاطر نا مہرباں کو
پڑی ہے اس گلی میں لاش دشمن
اٹھاؤں کیوں کر اس بار گراں کو
کہاں ہے تاب ناز برق، اے کاش
جلا دے آتش گل آشیاں کو

روز ہجراں سے شب فرقت نہ ہو کیوں سخت تر
گاہے گاہے دن کو ملتے تھے وہ، اکثر رات کو

رشک سے جلتا ہوں روز اے شمع بار عام میں
دن کو ہے مجھ پر وہی صدمہ جو تجھ پر رات کو

دیکھیے وہ کون سی شب ہوئے گی، اللہ رے جھوٹ
روز کہتے ہو کہ آؤں گا مقرر رات کو

رہ گئے ہم جھانکنے سے بھی یہ کیا اندھیر ہے
بند کس نے کر دیے تھے روزن در رات کو

بن ترے پیش نظر تھی یہ اندھیری چھا گئی
جائیں آنکھیں پھوٹ گر دیکھے ہوں اختر رات کو

کود کر گھر میں تو پہنچا میں ترے پر کیا کروں
دم نکل جاتا تھا کھٹکے کے برابر رات کو

یاد دلوائی تپش نے تیری شوخی وصل کی
مر گئے ہم دیکھ کر چیں ہائے بستر رات کو

کیا کہوں تم جو نہ آئے کیا قیامت آ گئی
میہماں تھا میرے گھر میں روز محشر رات کو

کیا اسی بت خانے کو فرماتے ہو ظلمت کدہ
حضرت مومن جہاں جاتے ہو چھپ کر رات کو

(۱۴۹)

آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو
ہے بوالہوسوں پر بھی ستم ناز تو دیکھو

اس بت کے لیے میں ہوس حور سے گزرا
اس عشقِ خوشِ انجام کا آغاز تو دیکھو

عدو سے بزم میں ہوتی رہی چشمک زنی کیا کیا
نہ دیکھا حال میرا تم بھی کتنے بے مروت ہو
بجائے سبزہ نکلے خاک سے میری زباں ظالم
دل نالاں پس مردن جو سر گرم شکایت ہو
بھلا ایسے صنم کو خاک دل دے کوئی اے مومن
نہ جس کو کچھ مروت ہو نہ خاطر ہو نہ الفت ہو

(۱۴۸)

کیسے مجھ سے بگڑے تم اللہ اکبر رات کو
ذبح ہی کرتے جو ہوتا پاس خنجر رات کو
اپنی آواز قدم سے بھی وہ ڈر کر رات کو
مڑ کے پیچھے دیکھ لے تھا ہر قدم پر رات کو
ہم میں کیا باقی رہا تھا اے ستم گر رات کو
جاں بہ لب تھے بچ گئے قسمت سے مر کر رات کو
یاں جو تو اے مہروش تھا جلوہ گستر رات کو
چھٹ رہی تھی کیا ہوائی مہ کے منہ پر رات کو
صرصر آہ و فغاں شعلہ زن طوفان اشک
جمع ساماں خرابی تھا مرے گھر رات کو
بوے گل کا اے نسیم صبح اب کس کو دماغ
ساتھ سویا ہے ہمارے وہ سمن بر رات کو
صبح دم مہتاب کا سا رنگ کیوں ہے گر نہ تھا
بوالہوس کے پاس تو اے ناز پرور رات کو
بزم دشمن میں نہ ہو وہ نغمہ گر آتی رہی
ہر فغاں کے ساتھ لب پر جان مضطر رات کو

اُس نے کیا غیر کو دزدیدہ نظر سے جھانکا
رخنہ ھائے در یار آنکھ چراتے کیوں ھو
خیر ھے کس نے کہا شور قیامت تم کو
نالہ ھاے سحری دھوم مچاتے کیوں ھو
دم قدم سے ھے لگا جان نکل جائے گی
دیکھو سینے سے مرے پاؤں آٹھاتے کیوں ھو
کھل گیا عشق صنم طرز سخن سے مومن
اپ چھپاتے ھو عبث بات بناتے کیوں ھو

(۱۴۷)

اگر زنجیر کش سوے بیاباں اپنی وحشت ھو
تو پاے قیس کا ھر ایک چھالا چشم حیرت ھو
ھمارے قتل سے قاتل نہ کیوں غیروں کو عبرت ھو
بہم جوھر سے جوھر تیغ کا جب دست حسرت ھو
کسی کے ابروے خوش خم کا کشتہ ھوں تعجب کیا
جو میری خاک سے تعمیر محراب عبادت ھو
دم بسمل خیال شکوۂ قاتل گر آ جاوے
لب زخم جگر میں دشنہ انگشت ندامت ھو
سمجھتا خوب ھوں میں اس بناوٹ کی لگاوٹ کو
قسم کھا جاؤں گا گر تیرے دل میں کچھ محبت ھو
ھوے بے خواب آہ نیم شب سے تو لگے کہنے
کہ سوتوں کو جگا دیتے ھو تم بھی کیا قیامت ھو
جلا جاتا ھوں سوز رشک سے مانند پروانہ
جلا مت اور کو تو گرچہ میری شمع تربت ھو

ردیف و

(۱۴۶)

سرمہ گیں آنکھ سے تم نامہ لگاتے کیوں ہو
خاک میں نام کو دشمن کے ملاتے کیوں ہو

گرم جولاں مرے مدفن پہ تم آتے کیوں ہو
اپنے دل سوختہ کی خاک اڑاتے کیوں ہو

شعلہ ہاے تپ دل آگ لگاتے کیوں ہو
گر ہو دل سوز مرے مجھ کو جلاتے کیوں ہو

کون سے سوختہ اختر کا خیال آتا ہے
سرمہ جب دیتے ہو تم اشک بہاتے کیوں ہو

بار گردن تو نہیں تیغ ستم گار آخر
جاں نثارو سر مشتاق جھکاتے کیوں ہو

جن سے منظور وفا ہے ہو جفا بھی اُن پر
مجھ سے کچھ کام نہیں ہے تو ستاتے کیوں ہو

کھول دو وعدہ کہ تم پردہ نشیں ہو نہ وصال
آپ چھپتے ہو چھپو بات چھپاتے کیوں ہو

دل بے تاب کی اکسیر بناؤ گے کہیں
اس قدر شوق تہہ دل سے جلاتے کیوں ہو

نہیں منظور اگر بوالہوسی کا شکوہ
غیر کو تم مرے اشعار سناتے کیوں ہو

توڑنا جان کا ہو جائے گا دشوار آخر
چارہ سازو مری امید بندھاتے کیوں ہو

پیہم سجود پائے صنم پر دم وداع
مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

(۱۴۵)

بیم بے داد و ستم کچھ دل مضطر میں نہیں
یوں ہوں نالاں کہ وہ گویا صف محشر میں نہیں
خار بستر پہ شب ہجر بچھاؤں کیوں کر
دل میں تو ہے وہ گل اندام اگر بر میں نہیں
سر پٹکتا ہوں کہ بس ہم بھی نہ ہوں گھر بھی نہ ہو
دھیان جس وقت یہ آتا ہے کہ وہ گھر میں نہیں
مجھ سے میکش کی طرف محتسب آتا ہے تو آئے
ایک قطرہ بھی سبو و خم و ساغر میں نہیں
جی آٹھے اور وہی رنج محبت کے عذاب
ہم نہ مانیں گے کہ ایذا تری ٹھوکر میں نہیں
ہم نفس کیوں کہ مسخر وہ پری رو ہوگا
نام اہل ہوس اوراد فسوں گر میں نہیں
قطع امید سے سر کاٹنے کو کیا نسبت
مجھ میں وہ دم ہے ابھی جو ترے خنجر میں نہیں
دے دیا کیجیے بوسہ طلب اول پر
سچ کہا تم نے مزا حرف مکرر میں نہیں
کیا موثر ہو دعا وصل صنم کی مومن
ہم طلب کرتے ہیں وہ شے جو مقدر میں نہیں

———

آنکھ اُس کی پھر گئی تھی دل اپنا بھی پھر گیا
یہ اور انقلاب ہوا انقلاب میں

بدنام میرے گریۂ رسوا سے ہو چکے
اب عذر کیا رہا نگہ بے حجاب میں

مطلب کی جستو نے یہ کیا حال کر دیا
حسرت بھی اب نہیں دل ناکامیاب میں

گویا کہ رو رہا ہوں رقیبوں کی جان کو
آتش زبانہ زن ہوئی طوفان آب میں

ناکامیوں سے کام رہا عمر بھر ہمیں
پیری میں یاس ہے جو ہوس تھی شباب میں

ہے اختیار یار میں سود و زیاں مگر
فاضل تھے ہم جہاں سے قضا کے حساب میں

ناصح ہے عیب جوے و دل آزار اس قدر
گویا ثواب ہے سخن ناصواب میں

دونوں کا ایک حال ہے یہ مدعا ہو کاش
وہ ہی خط اُس نے بھیج دیا کیوں جواب میں

تقدیر بھی بری مری تدبیر بھی بری
بگڑے وہ پرسش سبب اجتناب میں

کیا جلوے یاد آئے کہ اپنی خبر نہیں
بے بادہ مست ہوں میں شب ماہ تاب میں

ہے منتوں کا وقت شکایت رہی رہی
آئے تو ہیں منانے کو وہ پر عتاب میں

تیری جفا نہ ہو تو ہے سب دشمنوں سے امن
بد مست غیر محودل اور بخت خواب میں

کھولا جو دفتر گلہ اپنا زیان کیا
گذری شب وصال ستم کے حساب میں

اے حشر جلد کر تہ و بالا جہان کو
یوں کچھ نہ ہو امید تو ہے انقلاب میں

قاتل جفا سے باز نہ آیا وفا سے ہم
فتراک میں جو سر ہے تو جاں ہے رکاب میں

بازیچہ کردیا ستم یار و جور چرخ
طفلی سے غلغلہ ہے مرا شیخ و شاب میں

مومن یہ عالم اس صنم جاں فزا کا ہے
دل لگ گیا جہان سراسر خراب میں

(۱۴۴)

جلتا ہوں ہجر شاہد و یاد شراب میں
شوق ثواب نے مجھے ڈالا عذاب میں

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوے اک جواب میں

پھیلی شمیم یار مرے اشک سرخ سے
دل کو غضب فشار ہوا پیچ و تاب میں

چین جبیں کو دیکھ کے دل بستہ تر ہوا
کیسی کشود کار کشاد نقاب میں

ہم کچھ تو بد تھے جب نہ کیا یار نے پسند
اے حسرت اس قدر غلطی انتخاب میں

رہتے ہیں جمع کوچۂ جاناں میں خاص و عام
آباد ایک گھر ہے جہان خراب میں

نالے کے ساتھ دم کے نکل جانے کا ھے خوف
پر کیا علاج طاقت ضبط فغاں نہیں
میں جانتا ھوں نعش پہ آنے کا مدعا
آسودگی پسند تری شوخیاں نہیں
اس بت کی ابتداے جوانی مراد ھے
مومن کچھ اور فتنۂ آخر زماں نہیں

(۱۴۳)

تاثیر صبر میں نہ اثر اضطراب میں
بے چارگی سے جان پڑی کس عذاب میں
بے نالہ منہ سے جھڑتے ھیں بے گریہ آنکھ سے
اجزاے دل کا حال نہ پوچھ اضطراب میں
چرخ و زمیں میں توبہ کا ملتا نہیں سراغ
ھنگامۂ بہار و ھجوم سحاب میں
اے زھرہ چہر دشمن منحوس کو نہ دیکھ
نالے بہیں گے خون کے اس فتح باب میں
اتنی کدورت اشک میں حیراں ھوں کیا کہوں
دریا میں ھے سراب کہ دریا سراب میں
فکر مآل سے مرے و شاھد رھے عزیز
پیری میں موت یاد تھی پیری شباب میں
تم نکلے بہر سیر تو نکلے گا مہر بھی
ھووے گا اجتماع شب ماہ تاب میں
ڈوبی ھجوم اشک سے کشتی زمین کی
ماھی کو اضطراب ھوا جوش آب میں

باتیں تری وہ ہوش رباھیں کہ کیا کہوں
جو کوئی راز دل ھے مرا راز داں نہیں

نومیدیٔ جواب ھے کیوں اتنے شوق پر
یہ کیا ھوا کہ میں پس قاصد رواں نہیں

پیش عدو سمجھ کے ذرا حال پوچھنا
قابو میں دل نہیں مرے بس میں زباں نہیں

بے صرفہ جاں کنی کا مری کچھ تو ھو حصول
محنت کسی کی آج تلک رائگاں نہیں

کرتے وفا امید وفا پر تمام عمر
پر کیا کریں کہ اُس کو سر امتحاں نہیں

اس کو بھی جانتا ھوں فریب وصال غیر
تم کو عبث یقیں ھے کہ میں بدگماں نہیں

میں اپنی چشم شوق کو الزام خاک دوں
تیری نگاہ شرم سے کیا کچھ عیاں نہیں

فطری ھے چرخ پیر سے اپنا مقابلہ
طفلی سے مجھ کو حسرت بخت جواں نہیں

گزرے ھیں میری خاک سے غیروں کے ساتھ وہ
فتنہ اُٹھا ھے گرد پس کارواں نہیں

لگ جاے شاید آنکھ کوئی دم شب فراق
ناصح ھی کو لے آؤ گر افسانہ خواں نہیں

اتنے سبک نظر میں ھیں اوضاع روزگار
دنیا کی حسرتیں مرے دل پر گراں نہیں

ھر ذرہ میری خاک کا برباد ھو چکا
بس اے خرام ناز کہ تاب و تواں نہیں

رستمی کا عوض افلاک سے لوں گا پس مرگ
قتل عاشق ہے یہ خوں ریزیٔ سہراب نہیں

کلبۂ تار میں کیوں کر ترے بن گزرے گی
دن کو یاں دھوپ نہیں رات کو مہتاب نہیں

محتسب وہم ہے تو پہلے پلا دیکھ مجھے
نہ لنڈھا پی لے مے ناب ہے زہراب نہیں

عشق کیوں درپۓ جاں شوق ہے کیوں سینہ شگاف
دشمنی دل شکنی شیوۂ احباب نہیں

گلۂ چرخ عبث شکوۂ جاناں بے جا
یاس و حرماں کو مرے حاجت اسباب نہیں

کشش ابروے صنم کی سی کہاں اے مومن
لاکھ سجدے کرے[1] دل مائل محراب نہیں

(۱۴۲)

آہ فلک فگن ترے غم سے کہاں نہیں
جو فتنہ خیز اب ہے زمیں آسماں نہیں

کہنا پڑا مجھے پۓ الزام پند گو
وہ ماجرا جو لائق شرح و بیاں نہیں

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیاد کی نگاہ سوے آسماں نہیں

اظہار دوستی کی خوشی کیا شب وصال
دشمن سے سن چکا ہوں کہ تو مہرباں نہیں

۱- 'کریں' نسخہ ضیا طبع ثانی (صفحہ ۱۵۸) -

کیوں کر نہ رحم حال پہ آئے شب وصال
اندوہ و درد روز مصیبت کے یار ہیں

پانی کے بدلے برسے گی آج آگ ابر سے
آٹھتے ہماری خاک سے بھی کچھ بخار ہیں

شبنم خراب مہر و کتاں سینہ چاک ماہ
لو اور بھی ستم زدۂ روزگار ہیں

ناصح سے مجھ کو کیوں کہ نہ ہوں بدگمانیاں
دشمن ہیں جو مرے وہ ترے دوست‌دار ہیں

کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقربا
تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

سردوں کو تجھ پہ دیتے ہیں ترجیح جو حسود
مومن یہ جان لے کہ سگ جیفہ خوار ہیں

(۱۲۱)

شب وصل اس کے تغافل کی زبس تاب نہیں
تلخئی مرگ ہے آنکھوں میں شکر خواب نہیں

حسرتیں میرے نصیبوں میں لکھی ہیں کیا کیا
اتنے دفتر میں کہیں فصل نہیں باب نہیں

دل کا کیا حال کرے دیکھیے یہ گرمی حسن
ٹھہرتا آئینۂ یار میں سیماب نہیں

سرفروشوں کے اگر آپ خریدار ہوے
تو گراں ہووے گی وہ جنس جو کم یاب نہیں

جب وہ بدمست ادھر آیا تو عدو کے گھر سے
اپنی قسمت میں بجز درد مئے ناب نہیں

اے کاش عدو کو غیرت آوے
میں منتظر اپنی موت کا ہوں
اس نام کے صدقے جس کی دولت
مومن رہوں اور بتوں کو چاہوں

(۱۴۰)

ہر دم رہین کش مکش دست یار ہیں
چلون کے بند کس کے گریباں کے تار ہیں
بالیدہ دم بہ دم جو مرے دل کے خار ہیں
ہر آن برچھیاں سی کلیجے کے پار ہیں
کیا کیجیے کہ طاقت نظارہ ہی نہیں
جتنے وہ بے حجاب ہیں ہم شرم سار ہیں
عمر دراز کی ہے رقیبوں کو آرزو
دیکھو زمان ہجر کے امیدوار ہیں
مضطر وہ گل جو میرے دم سرد سے ہوا
کیا کیا شمال و باد صبا بے قرار ہیں
چھاتی سے میں لگائے رکھوں کیوں نہ رات دن
یہ داغ زخم دل کی مرے یادگار ہیں
جز نُہ سپہر ہیں مرے دشمن تو اور بھی
لیکن بڑے غضب یہی دو تین چار ہیں
ہجو ملیح غیر سمجھ کر مزے اٹھائے
خوش حرف بے نمک سے بھی ہم دل فگار ہیں
کیسا فلک کہ اختر طالع جلا دیے
کیا سرد مہر میرے دم شعلہ بار ہیں

اُف کر گئی یاد گرم جوشی
میں آتش مردہ سے جلا ہوں

کیا شکوہ جفاے آسماں کا
میں آپ کو دور کھینچتا ہوں

دشمن سے ہے چشم مہربانی
محروم نگاہ آشنا ہوں

ربط اُس سے ہے مثل شعلہ و شمع
مر جاؤں گر ایک دم جدا ہوں

کیوں کر نہ بگڑ کے وہ نکالے
میں دل کے غبار سے بنا ہوں

شکوہ نہیں غیر کے ستم کا
انصاف کروں تو میں بھی کیا ہوں

کھاتا ہوں بدن پہ عشق میں داغ
اعمال کی اپنے خود جزا ہوں

ہے طعن سے مدح شام ھجراں
میں کیسی بلا کو چھیڑتا ہوں

اُس کو میں نہ چھوڑ جائے مجھ کو
ہر چند عدو کا نقش پا ہوں

خود بینی و بے خودی میں ہے فرق
میں تم سے زیادہ کم نما ہوں

بے زار ہے سوز عشق سے جی
کس شعلہ مزاج سے خفا ہوں

مجھ رمز شناس سے یہ باتیں
کیا خوب میں غیر سے برا ہوں

نہ پوچھو کچھ مرا احوال میری جاں مجھ سے
یہ دیکھ لو کہ مجھے طاقت بیاں نہیں

یہ گل ھیں داغ جگر کے انھیں سمجھ کر چھیڑ
یہ باغ سینۂ عاشق ھے گلستاں نہیں

نہ چاھوں روز جزا داد یہ ستم دیکھو
کب آزماتے ھیں جب وقت امتحاں نہیں

نہ پوچھے حال تو جب تک مرا بیاں نہ کروں
مری زباں نہیں گر ترے دھاں نہیں

ز بس کہ دیر لگی نامہ بر کو ڈھونڈھتے ھم
عدم میں جاتے ھیں گو پاؤں کا نشاں نہیں

شب فراق میں پہنچی نہ دل سے جاں تلک
کہیں اجل بھی تو مجھ سی ھی ناتواں نہیں

وہ حال پوچھے ھے میں چشم سرمگیں کو دیکھ
یہ چپ ھوا ھوں کہ گویا مری زباں نہیں

نہ کیوں نثار ھو جاں فرط کین جاناں پر
کہ اس کو میرے سوا اور کا دھیاں نہیں

نکل کے دیر سے مسجد میں جا رہ اے مومن
خدا کا گھر تو ھے تیرے اگر مکاں نہیں

(۱۳۹)

ھجراں میں بھی زیست کیوں نہ چاھوں
جاں دادۂ شوخ بے وفا ھوں

ھیں غیر مرے نکلنے سے خوش
گویا کہ میں اُن کا مدعا ھوں

بے حجابانہ یہ رویا کون مجلس میں کہ ہے
غرق جوں آئینہ وہ شوخ حیا فن آب میں
دوستو مرتا ہوں اس روے عرق آلودہ پر
لاش بھی میری بہانا بعد مردن آب میں
یاد چشم یار میں دریا پہ رویا بن گئیں
مردم آبی کی پلکیں شمع روشن آب میں
کون ڈوبا تنگ آ کر غرق دریاے الم
کیوں صدا شور تموج سے ہے شیون آب میں
تشنہ کام آب تیغ یار ہوں گرمی تو دیکھ
بہر تسکیں تیرتا ہوں تا بہ گردن آب میں
اشک چشم و گریۂ زخم دل اب میں کیا کروں
ہو گئی سب آستیں تر خوں میں دامن آب میں
کشتۂ غیرت ترے پانی چوانے سے ہے غیر
مرتے دم پاتا ہوں ذوق خون دشمن آب میں
ڈوب مریے کیوں نہ غیرت سے جب اے مومن نہائے
غیر کے ہمراہ وہ طفل برہمن آب میں

(۱۳۸)

دکھاتے آئینہ ہو اور مجھ میں جان نہیں
کہو گے پھر بھی کہ میں تجھ سا بدگمان نہیں
جو یار صلح پہ ہے اب تو آسمان نہیں
وہ مہربان ہوا تو یہ مہربان نہیں
ترے فراق میں آرام ایک آن نہیں
یہ ہم سمجھ چکے گر تو نہیں تو جان نہیں

سو رہتے پاے ناقہ زمان وداع اگر
طالع نہ ہوتے قیس کے لیلا کے خواب میں
ان نالہ ہاے شب کا اثر صبح دیکھیو
آیا خلل گر اس ستم آرا کے خواب میں
نیرنگ عشق سے نہ ہو غافل ہے ایک رنگ
اس دل کے جاگنے میں زلیخا کے خواب میں
رہتا ہے دھیان دیکھتے ہو جب مجھے نہیں
کیوں چونک پڑتے ہو گھبرا کے خواب میں
اس کی گلی ہے نالۂ زنجیر غل نہ کر
یاں پاؤں جاگتے ہیں کوئی جا کے خواب میں
سو جاؤں روتے روتے تو کیا ہنس کے طعن سے
کہتا ہے سوتے ہو مرے بن آ کے خواب میں
کیا کفر ہے کہ چھوڑ دے سونا ہی گر کبھی
مومن نظر پڑے بت ترسا کے خواب میں

(۱۳۷)

سوز دل کے ہاتھ سے ڈھونڈھوں جو مامن آب میں
ہووے ہر ہر قطرہ داغ افزاے گلخن آب میں
گر ہو وہ دست حنائی عکس افگن آب میں
ہووے مرجاں جوں چنار آتش زن تن آب میں
بے کسی دیکھو وفور اشک عبرت سے ہوا
بعد مردن جوں غریق اپنا بھی مدفن آب میں
دی دل سوزاں کو تشبیہ سمندر میں نے اب
چھوڑ کر آتش کدہ ڈھونڈھے ہے مسکن آب میں

ہائے قسمت کہ ہوئی مجھ پہ جفا اور فزوں
ان دنوں غیر پہ گر لطف وہ کم کرتے ہیں

کشتۂ یار ہوں اس رشک سے مرتا ہے جہاں
وہ بھی کیا ہیں جو مری موت کا غم کرتے ہیں

کیا ہی بیزار ہے اس زیست سے جی ہائے ستم
قتل کرتے نہیں وہ اور ستم کرتے ہیں

اپنے سودے کی نہ پوچھو کہ خریدار کے ساتھ
جنس میں تو ہے دل اور بیع سلم کرتے ہیں

آبرو رہ‌گئی مرنے کی کہ روتے تو ہیں وہ
اشک شادی ہی سے گو چشم کو نم کرتے ہیں

جا کے کعبے میں بھی مومن نہ گئی دیر کی یاد
جائے لبیک سدا ہائے صنم کرتے ہیں

(۱۳۶)

صورت دکھائیے جو کبھو جا کے خواب میں
بے دید آنکھ کھول دے جھنجلا کے خواب میں

شب وہ جو سو رہے مرے پاس آ کے خواب میں
جاگے تھے بخت خفتہ تمنا کے خواب میں

آنکھوں کو بند کر کے وہیں کھول دے گر آئے
یوسف کسی کے محو تماشا کے خواب میں

کابوس ہیں بتاتے مجھے واں تو رشک ہے
کاش اور کوئی آئے اطبا کے خواب میں

وہ ہے بغل میں تو بھی تو یاں نیند اڑ گئی
یہ سوچ ہے گیا نہ ہو اعدا کے خواب میں

غیر سے سرگوشیاں کر لیجیے پھر ہم بھی کچھ
آرزو ہائے دل رشک آشنا کہنے کو ہیں
تیغ غمزہ کو لگا لے جلد سنگ سرمہ پر
حرف مطلب آرزو مند جفا کہنے کو ہیں
ہو گئے نام بتاں سنتے ہی مومن بے قرار
ہم نہ کہتے تھے کہ حضرت پارسا کہنے کو ہیں

(۱۳۵)

وہ علی الرغم عدو مجھ پہ کرم کرتے ہیں
ہے ستم لطف کے پردے میں ستم کرتے ہیں
طالب وصل کس انداز سے رم کرتے ہیں
شوق نامہ اسے وصلی پہ رقم کرتے ہیں
جب ترے کوچے کا بے تابیٔ دل سے پھرنا
یاد آتا ہے زمیں‌بوس قدم کرتے ہیں
نیم بسمل ہیں نہ چھیڑ اے تپش دل کہ ابھی
روے قاتل کا نظارہ کوئی دم کرتے ہیں
اے اجل کاش الٹ جائیں شب ہجراں میں
وہ دعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں
دم میں مت آئیو اے غیر کہ مانند صبا
جس سے لگ چلتے ہیں وہ اس سے ہی رم کرتے ہیں
محضر قتل ہے مکتوب گنہ‌گاروں کا
سر قاصد کو وہ فتوے سے قلم کرتے ہیں
دیکھنا اس دہن تنگ کے بوسے کا مزا
کہ ہوس ناک تمناے عدم کرتے ہیں

(۱۳۴)

بے مزہ ہو کر نمک کو بے وفا کہنے کو ہیں
کھل گئے زخموں کے منھ کس کو برا کہنے کو ہیں
سب جفا جو اس ستم گر کے سوا کہنے کو ہیں
جن کو چرخ و مرگ کہتے ہیں سنا کہنے کو ہیں
نالہ ہی نکلے ہے گو ہم مدعا کہنے کو ہیں
لب نہیں کہنے میں اب کیا جانے کیا کہنے کو ہیں
تیری تیغ و دشنہ کے کیوں لب پہ چھالے پڑ گئے
گرم خونی کا مری کیا ماجرا کہنے کو ہیں
دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں
ترجمان التماس شوق ہے تغییر رنگ
جوں زبان شمع ، عاشق بے صدا کہنے کو ہیں
جل گیا دل تو بھی اٹھتا ہے دھواں سر سے کہ اب
مرثیہ ہم اس چراغ کشتہ کا کہنے کو ہیں
دیکھنا کس حال سے کس حال کو پہنچا دیا
بخت تیرے عاشقوں کے نارسا کہنے کو ہیں
ایک دن کو تو زبان شعلہ دوزخ قرض دے
قصۂ شب ہائے غم روز جزا کہنے کو ہیں
شکوہ حرف تلخ کا یا شور بختی کا گلہ
ہم جو کچھ کہنے کو ہیں سو بے مزا کہنے کو ہیں
میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات
ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں
وہ نہیں آتے نہ آویں ، مرگ ظالم تو تو آ
یاں لب شوق و تمنا مرحبا کہنے کو ہیں

(۱۳۳)

مانے نہ مانے منع تپش ہائے دل کروں
میں غیر تو نہیں کہ تماشائے دل کروں
ہو جاں بھی جا کے کچھ تو مداوائے دل کروں
کب تک میں دل پہ ہاتھ دھرے ہائے دل کروں
سو طرح کے زیاں ہیں رہنے میں اس کے گر
دشمن بھی مفت لے تو میں سودائے دل کروں
مرتا ہوں کس عذاب سے ہے وقت جی میں ہے
اس دم دعا برائے تمنائے دل کروں
جاں دے دوں ہے اس آفت‌جاں سے معاملہ
بس کب تک انتظار تقاضائے دل کروں
کیوں کہ پھرے دل اس سے کہیں قرض و عاریت
ناصح دیا نہ تھا کہ میں دعوائے دل کروں
میں اور وہ کوچہ لے گیا کس جائے ظلم ہے
اس پر بھی گر شکایت بے جائے دل کروں
چھٹتا ہے جیتے جی کوئی زنجیر زلف سے
دیوانہ ہوں کہ چارۂ سودائے دل کروں
بے رحم ہرزہ گردیوں سے پاؤں گھس گئے
کیا ذکر جوش حوصلہ فرسائے دل کروں
دھبا لگا ہے شوق سیہ‌کار زلف کو
اللہ کیا علاج سویدائے دل کروں
کہیے جو درد دل تو وہ کہتا ہے مجھ کو کیا
میں کیا طبیب ہوں کہ مداوائے دل کروں
اس بت کو ترک دیں سے نہیں مومن اعتماد
کیوں کر نہ میں شکایت اغوائے دل کروں

(۱۳۲)

کون کہتا ہے دم عشق عدو بھرتے ہیں
کہ ہوا باندھنے کو آہ کبھو بھرتے ہیں
شمع پر کچھ نہیں موقوف کہ سارے ظالم
پانی آگے ترے اے عربدہ جو بھرتے ہیں
حوضِ مے خانہ پیے سے بھی مرا جی نہ بھرا
کیا تنک ظرف ہیں جو خم سے سبو بھرتے ہیں
حسرت بوسۂ کاکل کا کیا ہم نے علاج
زخم دل مشک سے اے غالیہ مو بھرتے
کر چکے سلک در اشک کا مذکور کہ ہم
آج غمازوں کے منہ دیکھیو تو بھرتے ہیں
اس ستم گر سے مگر آنکھ لڑی ہے کہ حباب
کیسے کچے گھڑے پانی لب جو بھرتے ہیں
کس کے ہاتھوں سے ہے دم نے کی طرح ناک میں جو
نالے کرتے ہیں کبھو آہ کبھو بھرتے ہیں
حالت نزع ہے جیتے ہیں ترے ہجر میں خاک
دن جو کچھ عمر کے ہیں آئنہ رو بھرتے ہیں
اشک دیتے ہیں مرے نالۂ موزوں کا صلہ
موتیوں سے دہن زخم گلو بھرتے ہیں
غیر کرتے ہیں سبوے مے گل گوں خالی
ساغر چشم میں ہم دل کا لہو بھرتے ہیں
پی ہے مے حضرت مومن نے جبھی مضمضے کو
آفتابے کئی ہنگام وضو بھرتے ہیں

(۱۳۱)

دن بھی دراز رات بھی کیوں ھے فراق یار میں
کاھے سے فرق آ گیا گردش روزگار میں
بس کہ بن آئے مر گئیے ھم شب انتظار میں
دن جو رھے تھے عمر کے جیتے رھے مزار میں
خاک میں وہ تپش نہیں خار میں وہ خلش نہیں
کیوں نہ ھمیں زیادہ ھو جوش جنوں بہار میں
ھوگئی کیا بلاے جاں بوسۂ زلف کی ھوس
پھیرتے ھیں زباں کو ھم کام و دھان یار میں
مرگ ھے انتہاے عشق یاں رھی ابتداے شوق
زندگی اپنی ھوگئی رنجش بار بار میں
پوچھا ھے اُس نے کیا مری بے خودی و قلق کا حال
ھوش نہیں حواس میں تاب نہیں قرار میں
کیوں نہ گلے کا ھار ھو شوق اجل پروئے ھیں
پھول عدو کی خاک کے اُس نے گلے کے ھار میں
خاک اُڑائی گل نے یہ کس کے جنون عشق میں
آئے ھے کچھ اٹی ھوئی باد صبا غبار میں
لاکھ شکستگی سے بھی دل کی گرہ نہ کھل سکی
عقدۂ مو ھے ھر شکن طرۂ تاب دار میں
تھا قلق بر تہی دشمن جاں شب فراق
کاٹ کے اپنے سر کو ھم بھیجتے ھیں کنار میں
دھیان میں مومن آگئے مبحث جبر و اختیار
قابوے یار میں ھیں ھم وہ نہیں اختیار میں

(۱۳۰)

غنچه ساں خاموش بیٹھے ھیں سخن کی فکر میں
قافیه کیا تنگ ھے وصف دھن کی فکر میں

دامن قاتل کو وقت قتل کیوں کر چھوڑتے
بے کسی سے جان تھی اپنی کفن کی فکر میں

شوق مردن کو بھی سامان سفر درکار تھا
سوجھے از خود رفتگی ترک وطن کی فکر میں

تلخیٔ خسرو ھو شیریں کام شادی مرگ کیا
جاں کنی ھے انتقام کوہ کن کی فکر میں

وھم عشق لاله رو سے داغ دل کیا کیا کھلے
جان کر گلچیں کو تاراج چمن کی فکر میں

سر سے شعلے آٹھتے ھیں کس طرح روکوں کیا کروں
جل گیا جی ضبط آہ شعله زن کی فکر میں

ھے گریباں گیر واں ناز تغافل اب تلک
جی جلا یاں باعث دیر آمدن کی فکر میں

درد بے درماں مرا منت کش مرھم نہیں
داغ نو ھے چارۂ داغ کہن کی فکر میں

گر یقینی واں دعا ھوتی ھے اے مومن قبول
جائیں گے کعبه بھی طفل برھمن کی فکر میں

فریاد نالہ ہائے عزا بار پر انہیں
آیا ہے رحم کب کہ ذرا مجھ میں دم نہیں

کس بوالہوس کے حال پہ رویا وہ گل عذار
خار مژہ میں اب خلش دم بہ دم نہیں

جانا حرام ہجر بتاں میں تو کیا گناہ
پیر مغاں شراب ہے شیشے میں سم نہیں

بے التفاتیاں جو عدو سے سنی نہ تھیں
ہم جانتے تھے وصل میں رنج و الم نہیں

معلوم ہو تو تیرے ہی عالم کا حال ہو
میرا دل دو نیم ہے یہ جام جم نہیں

بے جرم پائمال عدو کو کیا، کیا
مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

ہوں آب آب اُف رے نگہ ہائے گرم گرم
اس مہروش کے سامنے آنکھوں میں نم نہیں

نام وصال لینے سے ہوتا ہے مضطرب
کیوں کر کہوں اسے مرے مرنے کا غم نہیں

ناصح کہاں تلک تری باتیں اٹھا سکوں
سچ ہے کہ مجھ میں طاقت جور و ستم نہیں

عاشق کشی ہے شیوہ، اگر بوالہوس سہی
آخر کچھ اپنی جان کے دشمن تو ہم نہیں

مومن سوے حرم ہے تگا پوے فکر کیوں
کیا اس زمیں میں قافیہ بیت‌الصنم نہیں

بن ترے بزم سور میں ہیں وہ قباحتیں کہ ہے
نفخۂ صور کا اثر نغمۂ نے نواز میں
ان سے اب التفات کی غیر کو ہیں شکایتیں
سن کے مرا مبالغہ منت احتراز میں
کیا سبھی سینے جل چکے کیا سبھی دل پگھل چکے
بوے کباب اب نہیں آہ جگر گداز میں
پردہ نشیں کے عشق میں پردہ دری نہ ہو کہیں
ہوتی ہیں بے حجابیاں جان نہفتہ راز میں
رخنۂ در سے غیر پاس دیکھا کسے کہ آج ہے
رخنہ گری کچھ اور ہی نالۂ رخنہ ساز میں
یاد بتاں میں لاکھ بار فرط قلق سے ہم بھی تو
بیٹھے اٹھے ہیں مومن آپ گر رہے شب نماز میں

(۱۲۹)

جیب درست لائق لطف و کرم نہیں
ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں
منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں
سیدھا نہ کر دیا ہو مرے ذوق قتل نے
قاتل کے آگے گردن اغیار خم نہیں
غیرت کی جا ہے رام نزاکت ہوا وہ شوخ
وحشت کا جوش کیوں کہ نہ ہو مجھ سے رم نہیں
کیا خوش ہوں کوے غیر میں گر نقش پا نہ ہو
وہ شوخ جانتا ہوں کہ ثابت قدم نہیں

اس منھ پہ اُس سے دعوئ حسن اک ذرا نہیں
اے مہر روشنی مرے روز سیاہ میں
شیریں پہ طعن تلخئ فرہاد کس لیے
مجھ کو بھی کچھ مزا نہ ملا تیری چاہ میں
ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمھاری نگاہ میں
ظالم کہیں روا نہیں عاشق سے احتراز
کہہ دے اگر ہو شک سخن داد خواہ میں
اب تک نہیں گواہئ اطفال معتبر
محسوب ہے جو عصمت یوسف گناہ میں
مومن کو سچ ہے دولت دنیا و دیں نصیب
شب بت کدے میں گذرے ہے دن خانقاہ میں

(۱۲۸)

تا نہ پڑے خلل کہیں آپ کے خواب ناز میں
ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شب دراز میں
اور ہی رنگ آج ہے عارض گل عذار کا
خون دل اپنا تھا مگر گونہ رخ طراز میں
کیوں کہ نہ آدھی[۱] رات تک جاگے وہ جس کا دھیان ہو
آ ہوے نیم خواب میں نرگس نیم باز میں
خسرو و عیش وصل یار جاں کنی اور کوہ کن
اپنا جگر تو خوں ہوا ، عشق کے امتیاز میں

۱۔ ''آدھی آدھی رات'' نسخۂ ضیا طبع ثانی (ص ۱۴۰) ۔

یہ کس کی چشم فسوں گر نے کی فسوں سازی
طلسم جادوے بابل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
یہ بے حجابی بری گو مجھی کو جھانکو تم
کہ روز پردۂ حائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
کہے نہ ملنے کی اس سنگ‌دل کے گر قاصد
تو سنگ و سر ابھی یاں مل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
نہ کیوں کہ رشک سے خوں ہو کسی کا اس در پر
ہمیشہ اک نئے بسمل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
غزل سرائی کی مومن نے کیا کہ رشک سے آج
چمن میں سینے عنادل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

(۱۲۷)

ہے جلوہ ریز نور نظر گرد راہ میں
آنکھیں ہیں کس کی فرش تری جلوہ گاہ میں
کیا رحم کھا کے غیر نے دی تھی دعاے وصل
ظالم کہاں وگرنہ اثر میری آہ میں
مت کیجو دیر آنے میں کیا جانے کیا بنے
پھینکا ہے جذب شوق نے یوسف کو چاہ میں
اتنی بھی تاب دورئ خورشید طلعتاں
نقصان کیا کمال سے آیا ہے ماہ میں
جانے دے چارہ گر شب ہجراں میں مت بلا
وہ کیوں شریک ہو مرے حال تباہ میں
ظالم وہ بے وفا ہے عدو جس کے رشک سے
اتنا کچھ آ گیا خلل اپنے نباہ میں

دیکھ لیوے عکس رخ تو کیا بنے پھر دیکھ تو
گریہ اس کے سامنے اے چشم نم کیوں کر کریں
جب دل اغیار خوں ہو کر مژہ تک آ گیا
پھر لحاظ غمزۂ شمشیر دم کیوں کر کریں
اضطراب شوق شاید غیر اس کے پاس ہو
جانب چلون نظارہ دم بہ دم کیوں کر کریں
ہے شب فرقت میں مرگ افسانہ خواں بے فائدہ
نام آرام آ گیا خواب عدم کیوں کریں
دیکھ پیچ و تاب سنبل ہو گیا دل بے قرار
اب نہاں سودائے زلف خم بہ خم کیوں کر کریں
سب کو ہوتا ہے جہاں میں پاس اپنے نام کا
ہم بھی تو مومن ہیں دل نذر صنم کیوں کر کریں

(۱۲۶)

نہ تن ہی کے ترے بسمل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
ہے پاش پاش جگر دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
جنون عشق پری روے دل شکن ہے بلا
کہ روز طوق و سلاسل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
اٹھا کے سوتے میں دے پٹکا رات سر شاید
کہ زیر سر کے مرے سل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
دراز دستی یہ کس بے ادب نے کی دم قتل
تمام دامن قاتل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
یہاں ہے چاک گریباں تو واں بھی چستی سے
قبائے شوخ شمائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

غیر کو دکھاتا ہوں چاک دل تماشا ہو
گر وہ روزن در سے آن کر ذرا دیکھیں
چشم وا نے نابینا کر دیا جدائی میں
کوئی آنکھ لگتی ہے خواب وصل کیا دیکھیں
دیکھیے خدا کب تک پھر وہ دن دکھائے گا
یار کو ان آنکھوں سے غیر پر خفا دیکھیں
ٹکٹکی لگائی ہے اب تو اس توقع پر
تا وہ گر ادھر دیکھیں مجھ کو دیکھتا دیکھیں
کس نے اور کو دیکھا کس کی آنکھ جھپکی ہے
دیکھنا ادھر آؤ پھر نظر ملا دیکھیں
وہم عاشقی سے تو یہ ستم نہ کرتا ہو
کیوں نگاہ حسرت سے چرخ کو سدا دیکھیں
نکلے آرزو اپنی مومن آہ جب تجھ کو
صحن بت کدہ میں ہم خاک پر پڑا دیکھیں

(۱۲۵)

بزم میں اس کی بیان درد و غم کیوں کر کریں
وہ خفا جس بات سے ہووے وہ ہم کیوں کر کریں
مجھ پہ بعد امتحاں بھی جور کم کیوں کر کریں
وہ ستائیں غیر کو ایسا ستم کیوں کر کریں
لکھتے لکھتے ہی سیاہی حرف سے آڑ جائے ہے
ہائے احوال دل مضطر رقم کیوں کر کریں
گر نگاہ ناز کو مشق ستم منظور ہے
دشمن اپنی نرگس تربت قلم کیوں کر کریں

تو نہ جانے عشق بازی اور ہم نادان ہوں
بے سمجھ کہتا ہے ناصح تو نے کیا سمجھا ہمیں

یہ ستم کیا غیر پر کرتا وہ سچ پوچھو تو ہے
یار کے ناز بجا سے شکوۂ بے جا ہمیں

کیا کہیں کیوں رہ گئے حیران تجھ کو دیکھ کر
آ گیا دل یاد اے آئینہ رو اپنا ہمیں

دست بوسی پر کرو ہاں قتل اپنے ہاتھ سے
سچ تو کہتے ہیں قبول انصاف غیروں کا ہمیں

اہل ماتم اپنے روئیں کس طرح منہ ڈھانک کر
مرتے مرتے پاس اس پردہ نشیں کا تھا ہمیں

ہم سے نازک طبع سے کب اٹھ سکے بے درد چرخ
مرگئے مضمون جور یار جوں سوجھا ہمیں

مومن ان کا تو نہ تھا ملنے میں آخر اختیار
یہ شکایت بھی خدا سے ہے بتوں سے کیا ہمیں

(۱۲۴)

غیر بے مروت ہے آنکھ وہ دکھا دیکھیں
زہر چشم دکھلائیں پھر ذرا مزا دیکھیں

کب تلک جلیں یا رب ہجر غیرت مہ میں
صبح اٹھ کے منہ کب تک آفتاب کا دیکھیں

ناصح ان کو گر میری شکل سے تنفر ہے
تو بھی کم نگاہی کیوں جانب وفا دیکھیں

کچھ نظر نہیں آتا ، آنکھ لگتے ہی ناصح
گر نہیں یقیں حضرت آپ آزما دیکھیں۔

هوش کیوں جاتے رہے اور دم ہوا کیوں ہو چلا
تجھ سے اے باد صبا آئی یہ کس کی بو ہمیں
کیا بلا اس زلف خوش خم کا تصور بندھ گیا
سانپ سے دن رات آتے ہیں نظر ہر سو ہمیں
وہم آتا ہے فغان ہجر کوے یار کا
صور اسرافیل ہے قمری تری کوکو ہمیں
باعث بے تابیٔ عالم نگاہ یاس ہے
چشم جادو گر نے یہ سکھلا دیا جادو ہمیں
قیس شوخ اب کیوں کہ دعویٰ ملک وحشت کا کرے
مہر محضر ہو گیا نقش سم آہو ہمیں
گر یہی شوق شہادت ہے تو مومن جی چکے
مار ڈالے کاش کوئی کافر دل جو ہمیں

(۱۲۳)

ہو گئی گھر میں خبر ہے منع واں جانا ہمیں
وہ بھی رسوا ہو خدا جس نے کیا رسوا ہمیں
دم بہ دم رونا ہمیں چاروں طرف تکنا ہمیں
یا کہیں عاشق ہوئے یا ہوگیا سودا ہمیں
ہر ستم صیاد کا کیا التفات آمیز تھا
بند کرنے کو قفس مین دام سے چھوڑا ہمیں
یار تھے یا دشمن جاں تھے الٰہی چارہ گر
لے چلے مرتے ہی زنداں سے سوے صحرا ہمیں
طالع برگشتہ بخت خفتہ مت پوچھو کہ ہم
غش پڑے تھے پھر گیا وہ جان کر سوتا ہمیں

رقیب بوالہوس نے رونما میں تیرے کب جاں دی
وہ نووارد ہے کیا جانے دیار عشق کی رسمیں
نہ میں اپنا ، نہ دل اپنا ، نہ تم میرے ، نہ جاں میری
اثر کس کس کو ہو ، ہووے بھی گر فریاد بے کس میں
کہوں گر غیر سے مت مل تو کہوے طعن سے رک کر
یہ کیوں ، کس واسطے ، ہم ایسے تیرے ہو گئے بس میں
ذرا سمجھو تو جان من وصال غیر پر ہر دم
مری جاں کون ہے یہ کس کی جھوٹی کھاتے ہو قسمیں
در بت خانہ و عشق بتاں اور آپ اے مومن
یہ حضرت آ گئی اک بار کیا طبع مقدس میں

(۱۲۲)

چین آتا ہی نہیں سوتے ہیں جس پہلو ہمیں
اضطراب دل غرض جینے نہ دے گا تو ہمیں
لطف سے ہوتی ہے کیا کیا بے قراری بن جفا
تیری بدخوئی نے ظالم کر دیا بدخو ہمیں
دیکھتے ہی گل نظر میں تیرا ہنسنا پھر گیا
آتش گل نے لگائی آگ اے گل رو ہمیں
کیا اثر تھا اشک دشمن میں جو کوے یار سے
مارے غیرت کے بہا کر لے چلے آنسو ہمیں
دود شمع بزم نے دل پھونک کر آف کر دیا
کیا دلائی یاد وہ زلف خمیدہ مو ہمیں
گیسو و خال و خط اپنا دین و ایماں لے گئے
مل کے اک دو کافروں نے کر دیا ہندو ہمیں

دعوئ حسن جہاں سوز اس قدر
پھر کہو گے تم میں ہر جائی نہیں
دیکھ مضطر کیوں نہ پھیرے دشنہ پھر
یار ہے وہ کچھ تماشائی نہیں
گر نہیں ملتے ملوں گا اور سے
کیوں مجھے کیا پاس رسوائی نہیں
ہے دعا بھی بے اثر گویا کہیں
عرض عاشق کی پذیرائی نہیں
درد دل تو سن لے ظالم ایک بار
گو دماغ چارہ فرمائی نہیں
چاھتا قاتل کو ہوں روز جزا
چاہ کی اب تک سزا پائی نہیں
ترک مذھب کیوں کروں مومن میں کیا
اس صنم کو لاف یکتائی نہیں

(۱۲۱)

کہے ہے چھیڑنے کو میرے گر سب ہوں میرے بس میں
نہ دوں ملنے کسی معشوق اور عاشق کو آپس میں
اگر مشہور ہو افسانہ اپنی بت پرستی کا
برھمن کیا عجب ایمان لے آئیں بنارس میں
نہیں دم لینے کی طاقت فلک ورنہ بتا دیتے
کہ یہ تاثیر ہوتی ہے فغان آسماں رس میں
تن کاھیدہ سے اپنے میں خوش ہوں اس توقع پر
کہ اک دن آئے تیرے صرف عشرت خانۂ خس میں

سبزۂ پشت لب یار دلاتے ہیں یاد
گھول کر شہد میں دشمن مجھے سم دیتے ہیں
دم نہ لے اے اثر آہ کہ معلوم ہوا
جن پہ دم دیتے ہیں ہم وہ ہمیں دم دیتے ہیں
کیا دوا سے ہو تری رنجش ہر دم کا علاج
چارہ گر کیوں مجھے رنج پئے ہم دیتے ہیں
کیا پڑی رہتی ہے اے پردہ نشیں جوں بیمار
بد دعائیں تری چلمن کو جو ہم دیتے ہیں
لذت جور کشی نے مجھے شرمندہ کیا
طعنے کیا کیا آسے ارباب ستم دیتے ہیں
مدعا یہ ہے کہ غیرت سے میں سم کھا جاؤں
اس لیے غیر کو وہ اپنی قسم دیتے ہیں
اہل بازار محبت کا بھی کیا سودا ہے
عشرت عمر ابد قیمت غم دیتے ہیں
خوں بہا قاتل بے درد سے مانگا کس نے
کہ فرشتے مجھے یاں داغ درم دیتے ہیں
کعبے کا دھیان نہ ہو حضرت مومن کو کہ جاں
حسرتوں سے پس دیوار صنم دیتے ہیں

(۱۲۰)

ناصح ناداں یہ دانائی نہیں
دل کو سمجھاؤ میں سودائی نہیں
کس توقع پر امید وصل اب
طاقت صبر و شکیبائی نہیں

وہ جفا کش ہیں اے فلک کہ کیا
اس ستم گر نے انتخاب ہمیں
دم رکے ہے بہشت میں تو کوئی
اس کے گھر لے چلو شتاب ہمیں
غیر سے ہے وہ گرم صحبت سے
کیوں نہ غیرت کرے کباب ہمیں
کس کی زلفوں کی بو نسیم میں تھی
ہے بلا آج پیچ و تاب ہمیں
غیر کے واسطے نہ ہو بے تاب
طعنہ دیتا ہے اضطراب ہمیں
اب کوئی کیا کرے علاج افسوس
موت نے بھی دیا جواب ہمیں
اے تپ ہجر دیکھ مومن ہیں
ہے حرام آگ کا عذاب ہمیں

(۱۱۹)

لاش پر آنے کی شہرت شب غم دیتے ہیں
اے پری ہم ملک‌الموت کو دم دیتے ہیں
دھیان آتا ہے تری منہ میں زباں لینے کا
جی ہم اے شوخ پئے سیر عدم دیتے ہیں
کر دیا خانۂ اغیار ہوس ناک خراب
داد رونے کی مرے دیدۂ نم دیتے ہیں
مر گئے رشک سے ہم تو کہ وہ دشمن کو خطاب
خط ترسائی پہ اعجاز رقم دیتے ہیں

هوش گئے یاں دل سے پہلے هووے سمجھ تو سمجھیں بات
یه تو سمجھیے حضرت ناصح آپ کسے سمجھاتے هیں
(ق)
کیا کہیں تم سے اے همدردو پوچھو مت مرغان چمن
کیوں کر یاں ایام خزاں اور هجر کے دن کٹ جاتے هیں
کنج قفس میں بیٹھ کے گاهے روتے هیں تنہائی پر
یاد سیر موسم گل سے گاهے جی بہلاتے هیں
شام سے اپنے سو رهے وه تو اور هم اُن کے کوچے میں
ولوله هاے شوق سے کیا کیا پھرتے هیں گھبراتے هیں
کرتے هیں آواز زفیری دیتے هیں دستک سو سو بار
گھر میں پتھر پھینکتے هیں زنجیر در کھٹکاتے هیں
کیا کسی بت کے دل میں جگه کی کوئی ٹھکانا اور ملا
حضرت مومن اب تمھیں کچھ هم مسجد میں کم پاتے هیں

(۱۱۸)

عشق نے یه کیا خراب همیں
که هے اپنے سے اجتناب همیں
بس که پرده نشیں په مرتے هیں
موت سے آئے هے حجاب همیں
کیسی حیرت سے اے سبک روحی
دیکھے هے دیدهٔ حباب همیں
شب فرقت میں خاک جھپکے آنکھ
یاد هے چشم نیم خواب همیں

ردیف ن

(۱۱۷)

صفحۂ جیحوں پر جو کبھی ہم سوزش دل لکھواتے ہیں
سارے حباب لب دریا تبخالے سے بن جاتے ہیں

آ چکے کل تم جھوٹ ہے ایسی باتوں میں ہم کب آتے ہیں
اس سے کہو جو تم کو نہ جانے آپ کسے فرماتے ہیں

پھرتے ہیں سو سو وسوسے جی میں ، دل میں سودے آتے ہیں
کوٹھے پر وہ دھوپ میں اپنے بال کھڑے سکھلاتے ہیں

سوزش دل جب کہتے ہیں تب آنسو وہ بھر لاتے ہیں
موم کے مانند آتش غم سے ، پتھر کو پگھلاتے ہیں

آب و ہوائے ملک محبت راس نہیں ہے ہم کو تو
ہوتے ہیں لاغر اور زیادہ ، جتنا غم ہم کھاتے ہیں

کس کی خبر اب آنے کی ہے ، کس لیے ہے یہ بے تابی
کس لیے ہم ہیں ہر دم پھرتے ، آتے ہیں اور جاتے ہیں

شکوہ کیا بیداد گری کا کیجے اس سے دیکھو تو
دیکھے ہے ظالم خنجر جب ہم زخم جگر دکھلاتے ہیں

اف ری کثرت اشک و تبسم ، بل بے ھجوم یاس و امید
جی ہے دھڑکتا ملنے کی آس کے فال تو ہم کھلواتے ہیں

خط غلامی لکھ دے غیرت تو بھی گلہ کیا لکھیے اب
چھیڑ تو دیکھو میرا خط وہ غیروں سے پڑھواتے ہیں

بگڑے تو کریں گے اور سے صلح
تجھ پر بھی بری بنائیں گے ہم
دل دے کے اک اور لاله رو کو
ہر داغ پہ داغ کھائیں گے ہم
لب کا ترے دعویٔ مسیحی
مر اور پہ آزمائیں گے ہم
گر خواب میں بھی ادھر کو دیکھا
آنکھیں مژہ کو دکھائیں گے ہم
گر تیری طرف کو بے قراری
کھینچے گی تو لوٹ جائیں گے ہم
گر دیکھ کے ہنس دیا ہمیں تو
منھ پھیر کے مسکرائیں گے ہم
کیا ذکر ہے ہونٹ چاٹنے کا
کچھ اور مزہ چکھائیں گے ہم
پھر تیری ہوا کا دم بھرا تو
جی ہی کو ہوا بتائیں گے ہم
گر خواب میں آن کر جگایا
سوتے مردے جگائیں گے ہم
آتا ہے گلے سے دھیان تیرے
خاطر میں ستم نه لائیں گے ہم
بت خانۂ چیں ہو گر ترا گھر
مومن ہیں تو پھر نه آئیں گے ہم

دم دیتے تو ہو پہ یہ سمجھ لو
دشمن کی قسم دلائیں گے ہم

کیوں عش ہوے دیکھ آئنے کو
کہتے تھے کہ تاب لائیں گے ہم

دزدیدہ نظر ہے کیوں دم قتل
کیا مرنے سے جی چرائیں گے ہم

گر ہے دل غیر نقش تسخیر
تو تیرے لیے جلائیں گے ہم

آئینہ زنگ غم نے توڑا
کیوں کر اسے منہ دکھائیں گے ہم

کیا پوچھے ہے رکھ تو دیکھ دشنہ
آپہی[1] گردن جھکائیں گے ہم

کہہ اور غزل بہ طرز واسوخت
مومن یہ اسے سنائیں گے ہم

(۱۱۶)

اب اور سے لو لگائیں گے ہم
جوں شمع تجھے جلائیں گے ہم

برباد نہ جائے گی کدورت
کیا کیا تری خاک اڑائیں گے ہم

سر دوش عدو پہ رکھ کے بیٹھے
جانا کہ سر اٹھائیں گے ہم

۱- نسخۂ ضیا طبع ثانی ۱۹۴۷ع (ص ۱۲۶) ''اپنی''

(۱۱۵)

دل آگ ھے اور لگائیں گے ھم
کیا جانے کسے جلائیں گے ھم

وادی میں جو اپنی آئیں گے ھم
کیا قیس کی خاک اڑائیں گے ھم

اب گریے میں ڈوب جائیں گے ھم
یوں آتش دل بجھائیں گے ھم

خنجر تو نہ توڑ سخت جانی
پھر کس کو گلے لگائیں گے ھم

گر غیر سے ھے یہ رنگ صحبت
تو اور ھی رنگ لائیں گے ھم

تو ، بخت ، عدو ، اجل ، فلک ، دل
کس کس کے ستم اٹھائیں گے ھم

اے پردہ نشیں نہ چھپ کہ تجھ سے
پھر دل بھی یوں ھی چھپائیں گے ھم

بھیجیں گے عدو کے ھاتھ پیغام
حال دل آسے جتائیں گے ھم

مت لال کر آنکھ اشک خوں پر
دیکھ اپنا لھو بھائیں گے ھم

دشمن کے کہے سے روٹھتا ھے
وہ ھی کہے تو بتائیں گے ھم

کترا ھے جو گوشۂ سر خط
مطلب ھے کہ سر اڑائیں گے ھم

ٹھہرو کوئی دم کہ جان ٹھہرے
مت جاؤ کہ جی سے جائیں گے ھم

آتا ہے خواب میں بھی تری زلف کا خیال
بے طور گھر گئے ہیں پریشانیوں میں ہم
دیکھا ادھر کو تو نے کہ بس دم نکل گیا
اترے نظر سے اپنی نگہ بانیوں میں ہم
اب قید سے امید رہائی نہیں رہی
ہم درد پاسبان ہیں زندانیوں میں ہم
ورد زباں ہیں اس نگہ سرمگیں کے وصف
تلوار کر رہے ہیں صفا ھانیوں میں ہم
آھوں نے اپنی بوالہوسوں کو رلا دیا
ہیں رشک چشم یار فسوں خوانیوں میں ہم
وہ صید ناتواں ہیں کہ اس اضطراب پر
اچھلے نہ آب تیغ کی طغیانیوں میں ہم
معمور اس قدر ہیں ترے وحشیوں سے دشت
گنتے ہیں شہریوں کو بیابانیوں میں ہم
پیش نظر ہے کس کا رخ آئنہ گداز
روتے ہیں اپنے حال پہ حیرانیوں میں ہم
کھا کھا کے زخم سوے نمک زار پر دریغ
کھو بیٹھے اپنی جان تن آسانیوں میں ہم
مومن حسد سے کرتے ہیں ساماں جہاد کا
ترسا صنم کو دیکھ کے نصرانیوں میں ہم

اگر نہ آنکھ تغافل شعار سے لگتی
تو بیٹھے بیٹھے یہ یوں چونک اُٹھا نہ کرتے ہم
نہ ہوش کھوتے اگر اُس پری کی باتوں پر
تو آپ ہی آپ یہ باتیں کیا نہ کرتے ہم
نہ کرتے اُس کی برنگ حنا جو پابوسی
تو شکل برگ حنا یوں پسا نہ کرتے ہم
اگر نہ ہنسنا ہنسانا کسی کا بھا جاتا
تو بات بات پہ یوں رو دیا نہ کرتے ہم
نہ لگتی آنکھ تو دن رات سوتے ہی رہتے
کسی کی چاہ نہ کرتے تو کیا نہ کرتے ہم
اگر نہ دیکھتے وہ پیاری پیاری صورت آہ
تو ایک ایک کے منہ کو تکا نہ کرتے ہم
جو غم بتوں کا نہ ہوتا تری طرح مومن
تو دیکھ چرخ کو ہے ہے خدا نہ کرتے ہم

(۱۱۴)

الجھے نہ زلف سے جو پریشانیوں میں ہم
کرتے ہیں اس پہ ناز ادا دانیوں میں ہم
سر گرم رقص تازہ ہیں قربانیوں میں ہم
شوخی سے کس کی آئے ہیں جو لانیوں میں ہم
ثابت ہے جرم شکوہ نہ ظاہر گناہ رشک
حیراں ہیں آپ اپنی پشیمانیوں میں ہم
مارے خوشی کے مرگئے صبح شب فراق
کتنے سبک ہوئے ہیں گراں جانیوں میں ہم

کیا دل کو لے گیا کوئی بیگانہ آشنا
کیوں اپنے جی کو لگتے ہیں کچھ اجنبی سے ہم
لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں[1]
مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

(۱۱۳)

جو پہلے دن ہی سے دل کا کہا نہ کرتے ہم
تو اب یہ لوگوں کی باتیں سنا نہ کرتے ہم
اگر نہ ہاتھ میں اس دل‌ربا کے دل دیتے
تو دل پہ ہاتھ سدا دھر لیا نہ کرتے ہم
اگر نہ دام میں زلف سیہ کے آ جاتے
تو یوں خراب و پریشاں رہا نہ کرتے ہم
اگر نہ لگتی چپ اس بدگماں کی شوخی سے
تو بات بات میں مضطر ہوا نہ کرتے
اگر جلاتے نہ اس شعلہ رو کے عشق میں جی
تو سوز آتش غم سے جلا نہ کرتے ہم
نہ جاتے اس بت ہرجائی کی گلی میں اگر
تو دوڑے دوڑے قلق سے پھرا نہ کرتے ہم
اس آفت دل و جاں پر اگر نہ مر جاتے
تو اپنے مرنے کی ہر دم دعا نہ کرتے ہم
نہ بھرتے دم جو کسی شعلہ‌رو کی خواہش کا
تو ٹھنڈی سانس ہمیشہ بھرا نہ کرتے ہم

۱- نسخۂ ضیا طبع ۱۹۳۷ء (ص ۱۲۲) "دیں" نسخۂ نول کشور (ص ۷۶) طبع ۱۸۸۰ء "لیں"

(۱۱۲)

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہوگئے ناچار جی سے ہم

ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی سے کسی کو ہم
منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بے کسی سے ہم

ہم سے نہ بولو تم اسے کیا کہتے ہیں بھلا
انصاف کیجے پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم

بیزار جان سے جو نہ ہوتے تو مانگتے
شاہد شکایتوں پہ تری مدعی سے ہم

اس کُو میں جا مریں گے مدد اے ہجوم شوق
آج اور زور کرتے ہیں بے طاقتی سے ہم

صاحب نے اس غلام کو آزاد کر دیا
لو بندگی کہ چھوٹ گئے بندگی سے ہم

بے روئے مثل ابر نہ نکلا غبار دل
کہتے تھے اُن کو برق تبسم ہنسی سے ہم

ان ناتوانیوں پہ بھی تھے خار راہ غیر
کیوں کر نکالے جاتے نہ اُس کی گلی سے ہم

کیا گل کھلے گا دیکھیے ہے فصل گل تو دور
اور سوے دشت بھاگتے ہیں کچھ ابھی سے ہم

منھ دیکھنے سے پہلے بھی کس دن وہ صاف تھے
بے وجہ کیوں غبار رکھیں آرسی سے ہم

ہے چھیڑ اختلاط بھی غیروں کے سامنے
ہنسنے کے بدلے روئیں نہ کیوں گدگدی سے ہم

وحشت ہے عشق پردہ نشیں میں دم بکا
منھ ڈھانکتے ہیں پردۂ چشم پری سے ہم

(۱۱۱)

کب چھوڑتے ہیں اس ستم ایجاد کے قدم
سر ہے ہمارا اور ہیں جلاد کے قدم
کیا ٹھہرے فوج غم کے مقابل فغان و آہ
جمتے نہیں ہیں لشکر برباد کے قدم
اب تک گیا نہ باغ میں تو بہر انتظار
سن ہوگئے کھڑے کھڑے شمشاد کے قدم
پابوس یار کرتے ہوے کھینچ دیوے تو
تصویر میری چوم لے بہزاد کے قدم
اے ہمدمان باغ رہا ہوں پہ کیا کروں
اٹھتا نہیں ہے کوچے سے صیاد کے قدم
تلوار لے کے گھر سے جو نکلا وہ جنگ جو
تاثیر نے لیے مری فریاد کے قدم
سر پر یہ کوہ غم گر اٹھاتا تو بوجھ سے
دھس جاتے بے ستون میں فرہاد کے قدم
خواب عدم حرام ہے یاں انتظار میں
کیا سو گئے اجل تری بے داد کے قدم
کیا ہووے دل پہ ہاتھ دھرے سے مگر رکھے
سینے پہ وہ ہی عاشق ناشاد کے قدم
پامال جہل حضرت مومن بغیر ہوں
دکھلائے پھر خدا مجھے استاد کے قدم

۱۱۰

غم ابرو میں بھرتے ہیں دم شمشیر اکثر ہم
کیا کرتے ہیں اپنے قتل کی تدبیر اکثر ہم

کہاں کھینچنے ہے وہ اور ہم خجالت سخت جانی سے
وہ دل توڑے ہے اپنا ، اور اس کے تیر اکثر ہم

کسی کی زلف پیچیدہ کے کیا سودے میں بکتے ہیں
کیا کرتے ہیں کیا کیا پیچ کی تقریر اکثر ہم

چمن کو جھانکتے ہیں روزن دیوار سے گویا
کہ دیکھا کرتے ہیں داغوں کو سینہ چیر اکثر ہم

ہوئے تم کیوں خفا تاثیر سے آہ رسا کی اب
کیا کرتے تھے یہ تو پہلے بھی تقصیر اکثر ہم

لگے آگ آتش غم کو زبان خامہ شعلہ ہے
جلا دیتے ہیں سو سو خط دم تحریر اکثر ہم

جبیں یاں تک تو سنگ آستاں پر تیرے گھستے ہیں
مٹا دیتے ہیں لفظ دفتر تقدیر اکثر ہم

وہاں چھوٹا گلے لگنا کہ شوق ہم کناری میں
لگاتے تھے گلے سے غیر کی تصویر اکثر ہم

عجب حالت ہے سودے میں تری زلف مسلسل کے
کہ سر سے باندھتے ہیں پاؤں کی زنجیر اکثر ہم

نہیں پاتے اثر اپنا یہ غیرت کا اثر دیکھا
کہا کرتے تھے بے تابی کو بے تاثیر اکثر ہم

یہ اب کیوں پڑ گئے جوں نے گلو سے تابہ دل روزن
الٰہی روکتے تھے نالۂ شب گیر اکثر ہم

نہ تھی مسجد میں برکت ورنہ وہ بت رام ہو جاتا
گئے مومن فسوں پڑھنے پئے تسخیر اکثر ہم

۱۰۹

پاتے تھے چین کب غم دوری سے گھر میں ہم
راحت وطن کی یاد کریں کیا سفر میں ہم
اس طرح خاک چھانتے پھرتے نہ دشت دشت
ہوتے جو پائمال کسی رہ گزر میں ہم
لکھتے ہیں اک پری کو کچھ آوارگی کا حال
باندھیں گے نامہ طائر مجنوں کے پر میں ہم
تھیں دشت سے زیادہ تر اس کُو میں سختیاں
کیا پھوڑیں سر تصور دیوار و در میں ہم
ہے یاد رطب و یابس تقریر ناصحاں
کیا بولیں شکوۂ سفر بحر و بر میں ہم
یکساں ہے شام غربت و صبح وطن اثر
پائیں فغاں شب میں نہ آہ سحر میں ہم
اس گل کے غم میں پھولتے پھلتے تو رشک سے
کیوں جلتے سایۂ شجر بارور میں ہم
دلی سے رام پور میں لایا جنوں کا جوش
ویرانہ چھوڑ آئے ہیں ویرانہ تر میں ہم
جانیں اثر جب اے رقم جذب اشتیاق
دیکھیں زمام ناقہ کف نامہ بر میں ہم
وصل بتاں کے دن تو نہیں یہ کہ ہو وبال
مومن نماز قصر کریں کیوں سفر میں ہم

گر ترے کوچے کو دی کعبے سے نسبت کیا گناہ
مومن آخر تھے کبھی اے دشمن اسلام ہم

(۱۰۸)

سرمہ ہیں اس چشم جادو فن میں ہم
خاک ڈالیں دیدۂ دشمن میں ہم
ناتواں تھے پر نہ چھوڑا مثل خار
خود الجھ کر رہ گئے دامن میں ہم
غیر کو جھانکا تو ڈھیلے آنکھ کے
دیکھنا رکھ دیویں گے روزن میں ہم
پھولے جامے میں سماتے ہی نہیں
وصل شوخ چست پیراہن میں ہم
اور شبنم دن کو ٹھہرے کیا مجال
روئے ہیں اے مہروش گلشن میں ہم
کر دیا اس جلوے نے مجنوں چلو
خاک اڑائیں وادیٔ ایمن میں ہم
دل میں ناصح آئے کیا اپنا خیال
جاسکے کب یار کے مسکن میں ہم
جوش وحشت نے اٹھایا لاش کو
اپنے پاؤں سے گئے مدفن میں ہم
توڑنا مومن نہ پیمان الست
ہیں مسلّم عاشقی کے فن میں ہم

ردیف م

(۱۰۷)

شام سے تا صبح مضطر صبح سے تا شام ہم
ایک عالم میں ہیں کیوں اے گردش ایام ہم

شب رہے تجھ بن زبس بے چین بے آرام ہم
صبح تک رویا کیے لے لے کے تیرا نام ہم

یارو دشمن نے ستایا جب کہ ہم عاشق ہوئے
ہے گنہ اپنا ہی پھر دیویں کسے الزام ہم

کیا مزہ پایا عدو سے بے مزہ ہو آپ نے
تلخ کام عشق میں تھے لائق دشنام ہم

بس کہ اک پردہ نشیں کے عشق میں ہے گفتگو
بات بھی کرتے نہیں جز صنعت ایہام ہم

آن بیٹھا کون کوٹھے پر جو یوں حیران سے
خاک پر چپکے پڑے تکتے ہیں سوے بام ہم

تو خبر لا کیا کہا قاصد سے چھپتے پھرتے ہیں
ہمدم اس پردہ‌نشیں کو بھیج کر پیغام ہم

اس سیہ بختی پہ رکھیں تجھ سے امید وفا
ایسے سودائی نہیں اے شوخ نیلی فام ہم

آئینے کا بوسہ لے تو عکس لب کو دیکھ کر
اور بس رہ جائیں یوں ناکام اے خود کام ہم

پہنچتے واں تک تو اس پردہ نشیں کو دیکھتے
کاش ہوتے چشم نرگس دیدۂ بادام ہم

یا الٰہی مجھ کو کس پردہ نشیں کا غم لگا
سینے میں اندر ہی اندر کچھ گھلا جاتا ہے دل

حیرت دیدار بس آئینہ رکھ دے ہاتھ سے
اپنی حالت دیکھ کر ظالم کٹا جاتا ہے دل

کوئی سنتا ہی نہیں بکتا ہے کیوں دیوانہ وار
میرے دل کے ساتھ ناصح کا بھی کیا جاتا ہے دل

مت بگڑ تو ہرزہ گردی سے مری انصاف کر
کچھ بھی بن آتی ہے جب اے بے وفا جاتا ہے دل

وہ ستم‌گر دلبر عالم ادھر آتا ہے اب
کیا بنے گی دیکھیے رہتا ہے یا جاتا ہے دل

ہاتھ اٹھائے کس کے دل سے کس کے سینے پر دھرے
ہاتھ سے اغیار کا بھی تو چلا جاتا ہے دل

آمد گریہ دم اندوہ بے موجب نہیں
سینے میں رکتا ہے جب آنکھوں میں آ جاتا ہے دل

چاہتا ہوں میں تو مسجد میں رہوں مومن ولے
کیا کروں بت خانے کی جانب کھنچا جاتا ہے دل

زلف مشکیں میں کا ہے کو رکھتے
کیا خبر تھی انھیں فگار ہے دل

وصل جاناں کہاں سوائے خیال
ہم ہیں مایوس امیدوار ہے دل

دیکھ افراط زخم و کثرت داغ
سینہ گلزار و لالہ‌زار ہے دل

بس کہ تھے ہم زباں گلے میں ترے
دل سے میں مجھ سے شرم سار ہے دل

بے دوا درد و بے وفا ہے وہ شوخ
بے اثر آہ و بےقرار ہے دل

تیرہ بختوں کے پیچ و تاب نہ پوچھ
غیرت زلف تاب‌دار ہے دل

بس کہ اس نے جلا کے خاک کیا
سر عشاق کا غبار ہے دل

کیا کہوں میں ہجوم یاس و امید
رشک ہنگام انتظار ہے دل

شب ہجراں کو سمجھا روز جزا
مومن ایسا سیاہ کار ہے دل

(۱۰۶)

کیا کروں کیوں کر رکوں ناصح رکا جاتا ہے دل
پیش کیا چلتی ہے اس سے جس پر آ جاتا ہے دل

سوزش پروانہ دکھلاتے ہو کیا میں کیا کہوں
دیکھ جلتے شمع محفل کو جلا جاتا ہے دل

ردیف ل

(۱۰۴)

مجھ پر بھی تجھ کو رحم نہیں یہ[1] کرخت دل
کم ہوئے گا جہان میں تجھ سا بھی سخت دل

داغ جنون و سنگ در یار ہو نصیب
کرتا ہے رات دن ہوس تاج و تخت دل

گر جانتے کہ ہے شب ھجراں یہ کچھ بلا
دیتے کسی کو کاھے کو ہم تیرہ بخت دل

الماس ریزہ تھے مرے آنسو کہ ضبط سے
ہے پاش پاش سب جگر اور لخت لخت دل

کیا شبہہ مومن آھن و قمری کے کفر میں
کرتے ھیں نذر جلوۂ سنگ و درخت دل

(۱۰۵)

سرد عشق ستیزہ کار ہے دل
ملک‌الموت سے دوچار ہے دل

بس کہ مشتاق ناز یار ہے دل
ستم آموز روزگار ہے دل

---

۱ - نسخۂ ضیا طبع ثانی (ص ۱۱۳)''اے'' نسخۂ نول کشور (حاشیہ ص ۷۳) ''یہ''

نکالا رنگ عالم سوز کس نے
یہ کیوں بکھری پڑی ہے در بہ در آگ
پڑھے مومن نے کیا کیا گرم اشعار
بھری تھی دل میں یا رب کس قدر آگ

ردیف گ

(۱۰۳)

لگائی آہ نے غیروں کے گھر آگ
ہوئے کیا کیا وہ اتنی بات پر آگ

وفور اشک و طغیان فغاں ہے
کدھر جاؤں اُدھر پانی ادھر آگ

سمندر کر دیا آتش رخوں نے
کہ گر پڑتا ہوں آتے ہی نظر آگ

جلایا آتش ہجراں نے دل کو
ترے گھر میں لگی اے بے خبر آگ

نچوڑیں گے ہم اپنا دامن تر
جہنم میں ہے اے واعظ اگر آگ

وہاں تاب رخ و یاں آتش دل
جدھر دیکھو اُدھر ہے جلوہ گر آگ

جلے کیا کیا شجر تربت پہ میری
دبی تھی لاش کے بدلے مگر آگ

زبس غیروں سے ہے وہ گرم صحبت
مرا جلتا ہے جی کیا دیکھ کر آگ

دھواں اٹھتا ہے دل سے وقت گریہ
بجھا دی تو نے کیا اے چشم تر آگ

حصول سوز دل جز داغ کیا ہو
کہ نخل شعلہ لاتا ہے ثمر آگ

(۱۰۲)

پھر نہ چھوڑوں گو وہ کردے چاک جیب جاں تلک
ہاتھ پہنچا چاہیے اس شوخ کے داماں تلک

خاک دے آنکھوں کو میری گردواں کی مجھ سے تو
سب مکدر ہیں ہوائے کوچۂ جاناں تلک

اوّل الفت ہے یا رب ، وصل ہی میں ہو وصال
ہم کو تو جیتا نہ رکھیو آمد ہجراں تلک

سینے سے گھبرا کے آخر جان لب پر آگئی
حال پہنچا یاں تلک اور تم نہ آئے یاں تلک

کل کا جلسہ بھولتا ہرگز نہیں اے اضطراب
آج پھر لے چل کسی ڈھب سے مجھے تو واں تلک

گر مثل سچ ہے کوئیں کے پاس پیاسا آئے ہے
کیوں نہ آ پہنچی زلیخا مصر سے کنعاں تلک

طالع برگشتہ اے شوق شہادت دیکھنا
مرگ و قاتل پھر گئے سب خنجر براں تلک

نیند میں یا رب دوپٹہ کس کے منہ سے ہٹ گیا
ہے زمیں سے روشنی افلاک نور افشاں تلک

شوق بزم احمد و ذوق شہادت ہے مجھے
جلد مومن لے پہنچ اس مہدیٔ دوراں تلک

مرچلے اب تو اس صنم سے ملیں
مومن اندیشۂ خدا کب تک

(۱۰۱)

هم هیں اور نزع شب هجر میں جاں هونے تک
صبر آتا هے کوئی تاب و تواں هونے تک
آسماں فتنه کچھ ایسا نہیں اے اهل جہاں
کوئی باقی نہیں رهنے کا اماں هونے تک
شمع ساں اپنی تپش هے تو سنے یا نه سنے
طے نه هووے گا یه افسانه زباں هونے تک
اس چمن زار کا حسرت سے نظارہ کرلے
اے نگه دیدۂ هر سو نگراں هونے تک
کون جیتا هے نگاهوں میں سبک هونے کو
سخت جانی هے ترے دل په گراں هونے تک
گر یہی نالۂ جاں کاہ کے هیں شور و شغب
دم رها کاهے کو تاثیر فغاں هونے تک
هاتھ شاید که وہ سرمایۂ حسن آ جاوے
کچھ نه کچھ فائدہ هے جی کے زیاں هونے تک
غم و غصه سے هے خلقت مری جوں طفل سر شک
نہیں کرنے کی وفا عمر جواں هونے تک
ضد هوئی محتسب و پیر مغاں میں مومن
عید هر روز هے اب کی رمضاں هونے تک

ردیف ک

(۱۰۰)

امتحاں کے لیے جفا کب تک
التفات ستم نما کب تک

غیر ہے بے وفا پہ تم تو کہو
ہے ارادہ نباہ کا کب تک

جرم معلوم ہے زلیخا کا
طعنۂ دست نارسا کب تک

مجھ پہ عاشق نہیں ہے کچھ ظالم
صبر آخر کرے وفا کب تک

دیکھیے خاک میں ملاتی ہے
نگہ چشم سرمہ سا کب تک

کہیں آنکھیں دکھا چکو مجھ کو
جانب غیر دیکھنا کب تک

نہ بلائیں گے وہ نہ آئیں گے
جوش لبیک و مرحبا کب تک

ہوش میں آ تو مجھ میں جان نہیں
غفلت جرأت آزما کب تک

لے شب وصل غیر بھی کاٹی
تو مجھے آزمائے گا کب تک

تم کو خو ہو گئی برائی کی
در گزر کیجیے بھلا کب تک

دیکھیے کس جگہ ڈبووے گا
میری کشتی کا ناخدا ہے عشق
اب تو دل عشق کا مزا چکھا
ہم نہ کہتے تھے کیوں برا ہے عشق
آپ مجھ سے نباہیں گے سچ ہے
با وفا حسن بے وفا ہے عشق
میں وہ مجنون وحشت آرا ہوں
نام سے میرے بھاگتا ہے عشق
قیس و فرہاد وامق و مومن
مر گئے سب ہی کیا وبا ہے عشق

نظر ابر پر جو کبھی پڑے تو خیال رونے کا آ بندھے
جو تپش کو برق کی دیکھوں تو مجھے یاد آئے ترا قلق
یہی دیں اگر ہے تو چھوڑ دو طرف اس صنم کے نہ رخ کرو
جسے مومن آپ کے واسطے ہے مثال قبلہ نما قلق

(۹۹)

قہر ہے موت ہے قضا ہے عشق
سچ تو یہ ہے بری بلا ہے عشق
اثر غم ذرا بتا دینا
وہ بہت پوچھتے ہیں کیا ہے عشق
آفت جاں ہے کوئی پردہ نشیں
کہ مرے دل میں آچھپا ہے عشق
بوالہوس اور لاف جاں بازی
کھیل ہی سمجھ لیا ہے عشق
وصل میں احتمال شادی مرگ
چارہ گر درد بے دوا ہے عشق
سوجھے کیوں کر فریب دل داری
دشمن آشنا نما ہے عشق
کس ملاحت سرشت کو چاہا
تلخ کامی پہ با مزا ہے عشق
ہم کو ترجیح تم پہ ہے یعنی
دل ربا حسن و جاں ربا ہے عشق
دیکھ حالت مری کہیں کافر
نام دوزخ کا کیوں دھرا ہے عشق

ردیف ق

(۹۸)

وہ جو زندگی میں نصیب تھا وهی بعد مرگ رہا قلق
یہ قلق ہے کیسا کہ ہے ستم گئی جان پر نہ گیا قلق

کسی کے خرام کی یاد میں تہہ خاک بھی یہ رہا قلق
کہ زمیں کو زلزلہ آئے ہے جو لٹائے مجھ کو ذرا قلق

پڑے ہم ہے حالت جاں کنی غرض اب تو جان پر آ بنی
یہ عذاب مرگ ہے یا تپش یہ خدا کا قہر ہے یا قلق

یہ کہاں کی جی کو بلا لگی مری ہائے کیوں کہ ہو زندگی
کوئی کیا جیے جو ہو ایک سا شب و روز صبح و مسا قلق

شب ہجر روز وصال کی تری شوخیاں جو نظر میں تھیں
کہوں کیا تغیر حال دل کبھی تھا سکوں کبھی تھا قلق

نہیں چاہ میری اگر اسے نہیں راہ دل میں تو کس لیے
مجھے روتے دیکھ وہ رو دیا مرا حال سن کے ہوا قلق

غم ہجر یار کے ہاتھ سے شب و روز ہوں میں عذاب میں
ہے ہمیشہ ایک نئی تپش ہے مدام ایک نیا قلق

شب وعدہ جذبۂ شوق سے ہوئی کش مکش یہ ستم ہوا
کہ وہ آتے آتے جو تھم گئے تو کسی طرح نہ تھما قلق

کہا جاں بہ لب ہوں جو آئے تو مری زندگی ہو تو یوں کہا
ترے جینے کی مجھے کیا خوشی ترے مرنے کا مجھے کیا قلق

یہ شرارتوں کی شکایتیں یہ جلانا غیر کا دیکھیو
کہیں مجھ سے وہ ترے ہاتھ سے نہیں چین مجھ کو سوا قلق

دل بعد قتل بھی نہیں پھرتا کہ گور میں
منھ پھر گیا ہے کوے ستم گار کی طرف

کافر گلے لگا ہے تو مومن کے مت مکر
دیکھ اپنے نقش رشتۂ زنار کی طرف

ردیف ف

(۹۷)

مجلس میں تا نہ دیکھ سکوں یار کی طرف
دیکھے ہے مجھ کو دیکھ کے اغیار کی طرف

کتنا شعاع مہر نے حیراں کیا ہمیں
تکتے ہیں کب سے روزن دیوار کی طرف

وہم فغان غیر نے سینہ جلا دیا
آتش لگی تھی کوچۂ دل دار کی طرف

شام فراق خواب عدم کا ہے انتظار
آنکھیں لگی ہیں دولت بیدار کی طرف

اُس نے دکھا دکھا کے مجھے چھیڑ دیکھنا
گل پھینکے عندلیب گرفتار کی طرف

ہے کیا قبول سجدہ شہیدان عشق کا
ہوں غوث سر جھکاتے ہی تلوار کی طرف

دیکھ اشک لالہ گوں رقیب اُس نے ہنس دیا
دیکھا نہ میرے دیدۂ خوں بار کی طرف

گلبانگ نالہ ہے یہ نیا گل کھلا مگر
گذری نسیم آہ چمن زار کی طرف

اب رشک زخم یار پہ منصف کریں کسے
کی آکے موت نے بھی تو اغیار کی طرف

رہ تو بغل میں غیر کے سینے سے لگ کے یاں
پہلو برائے زخم ہے سینہ برائے داغ

تاروں کے بدلے گن کے شب تار کاٹ دی
ایام ہجر میں مرے کیا کام آئے داغ

جلتا ہوں اہل ناز کی تبدیل جلد سے
مومن غضب ہے لذت آتش فزائے داغ

اُس شعلہ رو نے تاکہ پس مرگ بھی جلوں
جلوائے دشمنوں سے مری گور پر چراغ
مومن یہ شاعروں کا مرے آگے رنگ ہے
جوں پیش آفتاب ہو بے نور تر چراغ

(۹۶)

گلشن میں لالہ میں ہوں کہ ہے دل میں جائے داغ
اپنے تو دل نشیں نہیں کچھ بھی سوائے داغ
کیا دکھ نہ دیکھے عشق میں کیا کیا نہ پائے داغ
زخموں پہ زخم جھیلے ہیں داغوں پہ کھائے داغ
پہنا ہے کس کا جامۂ گل دوز غیر نے
کیوں تنگ ہوگئی مرے تن پر قبائے داغ
کیا کہیے گرمیاں دل بے تاب کی کہ ہے
سینے میں ایک شعلۂ جوالہ جائے داغ
کرتا ہے سخت ناخن غم روخراشیاں
دل کو یہ کس کے چہرے کے چیچک کے بھائے داغ
اس رشک مہر و مہ کی نشانی ہے دیکھنا
اے چشم اشک بار کہیں بہہ نہ جائے داغ
چھوڑا نہ لالہ زار میں ساتھ اُس نے غیر کا
سو بار سینہ چیر کے میں نے دکھائے داغ
دیکھو تو سرد مہریٔ چرخ اُس سے گرم ہو
واں تو بغل رقیب کی یاں دل جلائے داغ
دوزخ میں کچھ عذاب نہ پایا زبس کہ میں
خو کردہ تھا بہ تاب و تب شعلہ ہائے داغ

ردیف غ

(۹۵)

مت کہہ شب وصال کہ ٹھنڈا نہ کر چراغ
ظالم جلا ہے میری طرح عمر بھر جراغ

پروانے کیوں نہ صدقے ہوں اس آگ کے کہ ہے
ہر رشتۂ فتیلۂ زخم جگر چراغ

وہ سوختہ جگر ہوں کہ پیمانہ و سبو
بنتے نہیں ہیں خاک سے میری مگر چراغ

زلفیں آٹھاؤ رخ سے کہ دل کی جلن مٹے
بجھ جائے ہے جہان میں وقت سحر چراغ

آس مہروش کے جلوے کے قربان کیوں نہ ہوں
پروانے کو بھی رات نہ آیا نظر چراغ

کیا بے تکلف آئے صدا ''ہائے شمع رو''
گر میرے آب اشک سے ہو نوحہ گر چراغ

ہم پیشہ کے ہے سامنے عرض ہنر ضرور
جلتا ہے میرے گھر میں بہ طرز دگر چراغ

کیا خوب روشنی ہے کہ چہرے کی تاب سے
ہے داغ بوالہوس تری مجلس میں ہر چراغ

غم خانہ تنگ و تار ہے اور ہم سیاہ روز
جلتے ہیں ، یعنی چاہیے آٹھوں پہر چراغ

ہے شام انتظار تماشائے سوختن
جلتے ہیں تا بہ صبح ادھر ہم ، آدھر چراغ

(۹۴)

محفل فروز تھی تب و تاب نہان شمع
پروانہ جل گیا کہ نہیں راز دان شمع
تھا شب چراغ خانۂ دشمن وہ شعلہ رو
کیا کیا جلا ہے صبح تلک جی بسان شمع
اے سوز گریہ آگے تری آب و تاب کے
پانی بھرے ہے جلوۂ آتش فشان شمع
صحبت میں ایک رات کی کیا محو ہوگئی
اس بزم میں سحر کو نہ پایا نشان شمع
پہنچے تری نزاکت و گرمی کو کیا مجال
ہر چند موم جسم ہے اور شعلہ جان شمع
ہوں داغ بدگمانیٔ دل بس کہ یار پر
پروانے کو ہے سادہ دلی سے گمان شمع
حیرت فزا ہے حسن بہت کیا عجب اگر
تھم جائے تیری بزم میں اشک روان شمع
گر دیکھ لے رخ عرق آلودہ کو ترے
گھل جائے سوز رشک سے تا استخوان شمع
اب تک یہ سوز دل ہے کہ میرے مزار پر
مائل ہوا زمین کی جانب دخان شمع
لائیں نہ تاب حرف بتان کافران عشق
پروانے کو جحیم ہے مومن زبان شمع

ع

(۹۳)

کس ضبط پر شرار فشاں ہے فغان شمع
اک برق تھی جو لال نہ ہوتی زبان شمع

دل گرمیٔ فریب پہ بھی میں نثار ہوں
پروانہ کیا مجال کرے امتحان شمع

روشن ہے اہل بزم پہ شکوہ نسیم کا
اس بہکتی زبان پہ دیکھو بیان شمع

آتا ہے بے کسوں پہ تو جلاد کو بھی رحم
روتی ہے شمع آپ سر کشتگان شمع

مجھ بے گنہ کے قتل میں کیوں سوچ دیکھ لے
بن بولے لوگ کرتے ہیں قطع زبان شمع

ہے تار گریہ تار نفس اہل سوز کو
یعنی رواں شمع ہے اشک رواں شمع

داغ جدائیٔ در دندان و روے و زلف
ہے اشک شمع و شعلۂ شمع و دخان شمع

سب گرمیٔ نفس کی ہیں اعضا گدازیاں
دیکھو نہ زندگی ہے سراپا زبان شمع

اس کو بھی کوئی پردہ‌نشیں ہی جلاے ہے
فانوس سے سنا ہے یہ رازِ نہان شمع

اک اور پڑھ وہ مومن شعلہ زبان غزل
جل جائیں جس کے رشک سے حاسد بسان شمع

کیسے اسلام پس مرگ مگر کافر تو
اہل اسلام کا ہے دشمن جاں اے واعظ
شرم کی بات نہیں ہے یہ اثر ہو کیوں کر
نہ میں مومن ہوں نہ تو پیرمغاں اے واعظ

ردیف ظ

(۹۲)

ہاں تو کیوں کر نہ کرے ترک بتاں اے واعظ
ایسی حوریں تری قسمت میں کہاں اے واعظ

منتظر ھی کسی بت کا تو[1] نہیں تو کیوں ھے
مجلس وعظ میں ھر سو نگراں اے وعظ

اب ذرا جاں دھیٔ کوے بتاں کی باتیں
ھو چکا تذکرۂ باغ‌جناں اے واعظ

سچ ھے کافر تری تقدیر سے کیوں کر نہ جلیں
شعلۂ آتش دوزخ ھے زباں اے واعظ

حور کی مدح میں کیا ترک صنم کا مذکور
یہی باتیں ھیں مرے دل پہ گراں اے واعظ

ڈر مری آہ سے ظالم نہ جلا جی کہ نہیں
یہ جہنم سے تو کم شعلہ فشاں اے واعظ

اھل جنت سے کرو دل‌بریٔ حور کا ذکر
ایسی باتیں کوئی سنتا نہیں یاں اے واعظ

جو ملیں تجھ سے بہ صد شوق وہ کیا ھوں گی نہ کر
بس مرے سامنے حوروں کا بیاں اے واعظ

---

۱ - نسخۂ ضیا طبع دوم (ص ۱۰۰) ''جو''۔ نول کشور طبع چہارم (حاشیہ ص ۶۸) ''تو''

ردیف ط

(۹۱)

ہر غنچہ لب سے عشق کا اظہار ہے غلط
اس مبحث صحیح کی تکرار ہے غلط

کہنا پڑا درست کہ اتنا رہے لحاظ
ہر چند وصل غیر کا انکار ہے غلط

کرتے ہیں مجھ سے دعوئ الفت وہ کیا کریں
کیوں کر کہیں مقولۂ اغیار ہے غلط

یہ گرم جوشیاں تری گو دل سے ہوں ولے
تاثیر نالہ ہائے شرربار ہے غلط

کرتے ہو مجھ سے راز کی باتیں تم اس طرح
گویا کہ قول محرم اسرار ہے غلط

اٹھ جا کہاں تلک کوئی باتیں اٹھائے گا
ناصح تو خود غلط تری گفتار ہے غلط

تھا ربط غیر میں مرے مرنے کا انتظار
اے شوخ بے وفا تو وفادار ہے غلط

کیا جذب انتظار کی تاثیر بے وفا
منکر نہ ہو تو پہلے ہی اقرار ہے غلط

ہے حرف کامیابئ دشمن میں ہم نشیں
مت کہہ درست وہم غلط کار ہے غلط

سچ تو یہ ہے کہ اس بت کافر کے دور میں
لاف و گزاف مومن دیں دار ہے غلط

(۹۰)

ہاں ماں کہا بیچ بوے زلف دوتا قرض
جاں اب تو نہیں حشر کے دن دیں گے صبا قرض

سمجھیں گے قیامت میں ستم پیشہ دم قتل
دیکھا نہ ادھر تو نے رہا خون بہا قرض

کیوں کر دے فلک دام ، عدو کو درم داغ
مفلس کو جہاں میں کوئی دیتا ہے بھلا قرض

گر کہیے کہ کیوں لیتے ہو تم دل کو تو وہ شوخ
کس ناز سے کہتا ہے کہ یوں دیتے ہو یا قرض

کچھ دینے کا بھی دیکھ لے اے آہ ٹھکانا
کس برتے[۱] پہ لیتی ہے تو تاثیر دعا قرض

افلاس سے کھایا کیے غم سبزخطوں کا
افسوس کہیں زہر بھی ہم کو نہ ملا قرض

گن گن کے دیے داغ فلک نے مجھے گویا
آتا تھا یہ اس پر زر نایاب مرا قرض

آمد سے فزوں خرچ ہے اے شور محبت
بختوں کا مرے زخم سے کیوں کر ہو ادا قرض

ہم قرض یہ نقد دل اسے دیتے ہیں مومن
جس نے نہ کبھی آج تلک لے کے دیا قرض

۱- ''پورے'' نسخۂ نول کشورِ طبع ۱۸۸۰ع (ص۶۸) - نسخۂ ضیا طبع ثانی (ص۹۸) ''برتے'' -

ردیف غ

(۸۹)

بے صبر کو کہاں تپ داغ جگر سے فیض
گل چیں کو کب ہوا شجر بار ور سے فیض

زاہد نگاہ بھر کے وہ بے دیدہ دیکھ لے
اتنا ہوا نہ خدمت اہل نظر سے فیض

یاد خط نگار میں ہم زہر کھا موے
کیا آب زندگی کا ہوا ہے خضر سے فیض

بالطبع گر کرم ہو تو مفلس بھی ہے کریم
ہوتا ہے سایے کا شجر بے ثمر سے فیض

ہے چرخ سے امید کشایش عبث ہمیں
کس کو ہوا ہے خانۂ وابستہ در سے فیض

ملنے کو خاک ہی میں بخیلوں کا مال ہے
دیکھو تو ہے کسی کو بھی غنچے کے زر سے فیض

شب بھر کیا ہے مبدء فیاض کا گلہ
تو بھی عیاں ہوا نہ دعاے سحر سے فیض

ترسا صنم پہ مر گئے ہم آہ جب نہیں
جاری مسیح کے لب اعجاز اثر سے فیض

تصویر سے تری مجھے تسکین دل کہاں
کیا خاک تشنہ کام کو آب گہر سے فیض

کیوں کر نہ غم ہو خلق کو مومن کی مرگ کا
تھا سب کو اس کی ذات سراپا اثر سے فیض

چاهتا هے کہ دل اس تنگ قبا سے پھٹ جائے
میرے ناصح کا هے دنیا سے نرالا اخلاص

اب انھیں لکھتے هیں هم خط میں سراسر دشمن
جن کو لکھتے تھے سدا یار سراپا اخلاص

موت بھی آ نہ پھری پاس همارے شب هجر[۱]
سچ تو یہ هے کہ برے وقت میں کیسا اخلاص

مومن اس زهد ریائی سے بھی کیا بد تر هے
اس بت دشمن ایماں سے همارا اخلاص

---

۱ نسخۂ ضیا طبع ثانی (ص۷۹) ''اب تک'' ۔ نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۸۰ع (حاشیہ ص ۶۷) ''شب هجر'' ۔

ردیف ص

۸۸

روز ہوتا ہے بیاں غیر کا اپنا اخلاص
چشم بد دور تمھیں ہم سے بھی ہے کیا اخلاص

غیر کرتا ہے بیاں مجھ سے تو میں کہتا ہوں
بارے اب تک تو نہیں تجھ سے مرا سا[1] اخلاص

غیر سے لطف کی باتیں ہیں مرے چھیڑنے کو
دشمنی کہتے ہیں جس کو وہ تمھارا اخلاص

ہم یہاں سورۂ اخلاص کا پڑھتے ہیں عمل
اور بڑھتا ہے وہاں غیر سے اس کا اخلاص

مجھ سے مل ورنہ رقیبوں سے میں سب کہہ دوں گا
دشمنی اب کی تری اور وہ پہلا اخلاص

جنبش لب کی ترے پوچھنے کو کیفیت
تیرے بیمار سے کرتا ہے مسیحا اخلاص

اس ستم گر نے بناوٹ کی لگاوٹ بھی نہ کی
ہائے قسمت مرے کچھ کام نہ آیا اخلاص

پس قتل[1] آ مری خاطر سے ٹھہر جا تا دفن
ظالم آخر تجھے مجھ سے بھی کبھی تھا اخلاص

---

۱ نسخۂ ضیا طبع ثانی ''اب'' (ص ۹۷) - نسخۂ نول کشور ۱۸۸۰ع (حاشیہ ص ۶۷) ''آ'' -

پڑھتا ہے کہیں غزل جو مومن
لگ اٹھتی ہے ایک بار آتش

(۸۷)

کہاں نیند تجھ بن مگر آئے غش
تو یک صورت خواب دکھلائے غش
تمہاری کدورت سے ہوش آ گیا
کیا بوے گل نے مداواے غش
نہ ٹھہرے بس آئینے کو دیکھ کر
وہ اتنا کہ دیکھیں تماشاے غش
قیامت جنوں میں ہوں نازک دماغ
نہ کیوں نکہت گل سے آ جائے غش
ترے بال لا کر سنگھائے کہیں
کہ غش ہوگئے چارہ فرمائے غش
نہ ہو جب کہ میرا خیال وفات
تو کیا اس ستمگر کو پرواے غش
خبر لو مری تم کہاں تک رہے
یہ حالت کہ غش پر چلا آئے غش
خدائی کا جلوہ ہے مومن کہ تو
گر اس بت کو دیکھے تو ہو جائے غش

ردیف ش

(۸۶)

کل دیکھ کے وہ عذار آتش
کیا کیا ہی جلی ہے یار آتش

پھونکا تپ غم نے جی کو نکلے
دل کے ترے اب بخار آتش

ہووے نہ مقابل تف دل
بھڑکائے کوئی ہزار آتش

ہاں سیر دکھا لگا کہیں تو
اے نالۂ شعلہ بار آتش

اف ری تپ گرمیٔ محبّت
اس نام پہ جاں نثار آتش

دل کو مرے پوج گبر جس کو
سجدے کرے بار بار آتش

تو نے تو وہاں لگائی مہندی
یاں دل میں لگی نگار آتش

مت آئیو میری خاک پر تو
برسے ہے سر مزار آتش

میں آہ زبانہ کش جو کھینچوں
باندھے ہے ابھی حصار آتش

دیکھے ہے تو اور لگی ہے دل میں
اے دیدۂ اشک بار آتش

(۸۵)

کھا گیا جی غم نہاں افسوس
گھل گئی غم کے مارے جاں افسوس

میرے مرنے سے بھی وہ خوش نہ ہوا
جی گیا یوں ہی رائگاں افسوس

شکوہ آزار غیر کا جو کروں
ہنس کے کہتا ہے وہ کہ ہاں افسوس

مرتے ہم غیر چھوٹتے نہ کیا
تو نے الفت کا امتحاں افسوس

گل داغ جنوں کھلے ہی نہ تھے
آگئی باغ میں خزاں افسوس

کشتۂ روز ہجر کا اس کے
مرگ کرتی ہے ہر زماں افسوس

بے وفائی ہوئی وفا کا سبب
غیر سے ہے وہ بدگماں افسوس

مرگ پر اپنے ناتواں کی ترے
دل سے آیا نہ تا زباں افسوس

موت بھی ہوگئی ہے پردہ نشیں
راز رہتا نہیں نہاں افسوس

تھا عجب کوئی آدمی مومن
مر گیا کیا ہی نوجواں افسوس

ردیف س

(۸۴)

یوں ہے شعاع داغ مرے دل کے آس پاس
ہالہ ہو جس طرح مہ کامل کے آس پاس

ڈوبا جو کوئی آہ کنارے پہ آ گیا
طغیان بحر عشق ہے ساحل کے آس پاس

یہ غیرت وفا کا اثر ہے کہ بوالہوس
بسمل تڑپتے ہیں ترے بسمل کے آس پاس

کیا دعویٰ آہ جب نہ رہا میں ہی کس لیے
ہیں جمع اقربا مرے قاتل کے آس پاس

اے قیس تیرے نالے کی غیرت کو کیا ہوا
لیلیٰ نے رنگ باندھے ہیں محمل کے آس پاس

مر جائیں تا خوشی سے عدو سن وصال کی
یارو دعا کرو گلے مل مل کے آس پاس

کیا کیا جلی ہے بزم میں تجھ سے نہ جب پھرے
پروانے شمع شعلہ شمائل کے آس پاس

ہے تو ہی بے وفا نہیں باور تو دیکھ لے
گل جامہ در ہیں گور عنادل کے آس پاس

کافر ہے کون ہم میں سے مومن پھرے ہے تو
کعبے کے آس پاس تو میں دل کے آس پاس

---

(۸۳)

لب پہ دم آیا ولے نالہ نہیں ہے ہنوز
نغمۂ غم بھی ترا پردہ نشیں ہے ہنوز

ہائے پس مرگ بھی دفن کریں مجھ کو غیر
خاک میں مل جائے چرخ بر سر کیں ہے ہنوز

لے کے دل و عقل و دیں پھر پڑے غارت ہے عشق
اے اجل آ چک کہیں جان حزیں ہے ہنوز

روز جزا کیوں کیا خوں کا مرے اتہام
مہر عدو بدگماں تجھ کو یقیں ہے ہنوز

مردہ و حیراں میں کیا شبہ پڑا دیکھنا
محو خود آرا ترا آئنہ بیں ہے ہنوز

چاک سراپردہ سے جھانکے تھے وہ ایک دن
سجدۂ محراب در شغل جبیں ہے ہنوز

کیوں نہیں لاتا اسے آہ مری یاد ہے
کہہ دو فلک سے دم بازپسیں ہے ہنوز

دود دل و گرد غم کیوں یہ امید اثر
وہ ہی فلک ہے ہنوز وہ ہی زمیں ہے ہنوز

جھوٹ نہیں تیرے پاس بیٹھتے ہیں بے تمیز
چیں بہ جبیں کیوں نہ ہو فرش میں چیں ہے ہنوز

وصل بتاں کی دعا کرتے ہو شکر خدا
حضرت مومن تمہیں دعوئ دیں ہے ہنوز

(۸۲)

هجراں کا شکوہ لب تلک آیا نہیں ہنوز
لطف وصال غیر نے پایا نہیں ہنوز

اے جذب دل وہ شوخ ستم گر تو یک طرف
پیغام لے کے بھی کوئی آیا نہیں ہنوز

جا چک خدا کے واسطے اے موسم بہار
خاک عدو پہ پھول وہ لایا نہیں ہنوز

یہ اہتمام جور ہے کیا تو نے اے فلک
انداز غفلت اس سے آڑایا نہیں ہنوز

یک چند اور کاھش غم چشم التفات
میں یار کی نظر میں سمایا نہیں ہنوز

واعظ ہمارے سامنے کرتا ہے وصف حور
سمجھا ہے اس نے جلوہ دکھایا نہیں ہنوز

ہوں خوں گرفتہ یارو شفاعت سے فائدہ
صید اجل کسی نے چھڑایا نہیں ہنوز

کیوں کر مجھے گناہ زلیخا یقین آئے
دامن کو تیرے ہاتھ لگایا نہیں ہنوز

کیا سوز رشک کی دل اغیار کو خبر
دوزخ نے کافروں کو جلایا نہیں ہنوز

ایسے ستم کیے کہ مرا جی بٹھا دیا
ہر چند سر فلک نے اٹھایا نہیں ہنوز

ناصح رقیب سے ہے بد آموز تر کہیں
پر میں نے "تیرا" حال سنایا نہیں ہنوز

اب کے وفور عشق صنم میں ہے گفتگو
مومن وہ لب پہ ہائے خدایا نہیں ہنوز

ردیف ز

(۸۱)

ہے چشم بند پھر بھی ہیں آنسو رواں ہنوز
جی سرد ہوگیا ہے ولے دل طپاں ہنوز

یہ دن دکھائے ہیں شب فرقت نے ہم کو اور
وہ رشک آفتاب، نہیں مہرباں ہنوز

مر بھی گئے جدائی میں پردہ نشیں کے پر
آیا نہیں زبان پہ درد نہاں ہنوز

ہم تیرہ بخت خاک میں بھی مل گئے ولے
کچھ کم نہیں غبار دل آسماں ہنوز

یاں امتحان مرگ سے فارغ ہوے ہیں یار
واں اپنے ہی پہ مرنے کا ہے امتحاں ہنوز

تشبیہ دی تھی میں نے کہیں انگبین سے
تبخالہ خیز ہے لب شیریں دھاں ہنوز

باغ جہاں میں گو مہ خور داد آگیا
یاں ہے اسی بہار پہ فصل خزاں ہنوز

روز جزا نہ قتل کا انکار کر کہ ہے
دامن پہ تیرے میرے لہو کا نشاں ہنوز

یاں اپنا آن کی چاہ میں مرنا یقیں ہوا
واں اور ہی کے چاہنے کا ہے گماں ہنوز

مومن تو مدتوں سے ہوئے پر بہ قول درد
دل سے نہیں گیا ہے خیال بتاں ہنوز

ردیف ڑ

(۸۰)

مومن خدا کے واسطے ایسا مکاں نہ چھوڑ
دوزخ میں ڈال خلد کو کوے بتاں نہ چھوڑ

عاشق تو جانتے ہیں وہ اے دل یہی سہی
ہر چند بے اثر ہے پر آہ و فغاں نہ چھوڑ

اُس طبع نازنیں کو کہاں تاب انفعال
جاسوس میرے واسطے اے بدگماں نہ چھوڑ

ناچار دیں گے اور کسی خوب رو کو دل
اچھا تو اپنی خوے بد اے بد زباں نہ چھوڑ

زخمی کیا عدو کو تو مرنا محال ہے
قربان جاؤں تیرے مجھے نیم جاں نہ چھوڑ

کچھ کچھ درست ضد سے تری ہو چلے ہیں وہ
یک چند اور کج روی اے آسماں نہ چھوڑ

جس کوچے میں گزار صبا کا نہ ہو سکے
اے عندلیب اُس کے لیے گلستاں نہ چھوڑ

گر پھر بھی اشک آئیں تو جانوں کہ عشق ہے
حقے کا منہ سے غیر کی جانب دھواں نہ چھوڑ

ہوتا ہے اس جحیم میں حاصل وصال حور
مومن عجب بہشت ہے دیر مغاں نہ چھوڑ

پھر گئی آنکھوں کے آگے اس کی چشم سرمگیں
پھر گئیں آنکھیں مری نرگس کا جھکنا دیکھ کر

دشمنی دیکھو کہ تا الفت نہ آ جائے کہیں
لے لیا منھ پر دوپٹا حال میرا دیکھ کر

کیوں نہ گھبرائے وہ میں گھبرا گیا بل بے ہجوم
حسرتیں آتی ہیں کیا کیا اس کو تنہا دیکھ کر

انتظار ماہ وش میں تو نہ ہوں آنکھیں سفید
شب یہ وہم آیا ہے سوے چرخ خضرا دیکھ کر

کاٹ لینے دو گلا تم شوق سے گھر جائیو
لیک رقص نیم بسمل کا تماشا دیکھ کر

(ق)

سب ستم ہاے نہاں نظروں میں تھے ناصح نہ پوچھ
کیا کہوں میں غش ہوا کیا سوچ کر کیا دیکھ کر

جو نقاب اٹھی مری نظروں پہ پردہ پڑ گیا
کچھ نہ سوجھا عالم اس پردہ نشیں کا دیکھ کر

کر لیا خاک آپ کو اس بت کے در پر ہاے ہاے
جل گیا جی لاش کو مومن کی جلتا دیکھ کر

———

(۷۹)

بے مروت ناتواں ہیں ہنس دے روتا دیکھ کر
دل دیا میں نے اسے کیا جانیے کیا دیکھ کر

خواب میں کیا غش[۱] ہو یوسف کو زلیخا دیکھ کر
کھل گئیں آنکھیں تجھے اے جلوہ آرا دیکھ کر

تھی جہنم وہ نگاہ گرم بھی سوے عدو
سوجھی اپنی عاقبت کی ہم کو دنیا دیکھ کر

قیس کی دیوانگی میں عقل کیا حیران ہے
مجھ کو وحشت ہوگئی تصویر لیلا دیکھ کر

چشم نرگس بد نظر ہے اور گل بے اعتبار
بے وفا سیر گلستاں کیا کرے گا دیکھ کر

خاک میں کیوں کر نہ لوٹوں بندھ گیا سودے میں دھیان
اس کے صحن خانہ کا پہناے صحرا دیکھ کر

تاش کا ہمدم کفن لانا کہ بس میں مرگیا
چلونوں سے جلوۂ خورشید سیہا دیکھ کر

یاد آیا سوے دشمن اس کا جانا گرم گرم
پانی پانی ہوگیا میں موج دریا دیکھ کر

اس کے ہٹتے ہی اندھیرا آ گیا ایسا کہ بس
گر پڑا میں روزن دیوار کو وا دیکھ کر

کیا تماشا تھا جھپکنا آنکھ کا بے اختیار
آئنے کو ہاتھ سے اس نے نہ چھوڑا دیکھ کر

میں نہ مانوں گا کہ چشم آبلہ بے دید ہے
یہ نہ دیکھے روے غیر اپنے کف پا دیکھ کر

۱۔ نسخۂ ضیا طبع ثانی (ص ۸۶) ''خوش''۔

خاک تو مرغ گلستاں کو خزاں ھی نے کیا
دیکھیے اب آن کر کیا خاک اڑاتی ھے بہار
ھے خزاں میں بھی وھی جوش جنوں کیا ھوگیا
اب کہیں پاس اپنے ھم کو ھی بلاتی ھے بہار
جوش گل سے یاد آتی ھیں تری رنگینیاں
رنگ رفتہ سے مرے کیا رنگ لاتی ھے بہار
داغ اور زخم اس میں ھیں جو لالہ و گل اس میں ھیں
فصل ھے یا آپ کے عاشق کی چھاتی ھے بہار
امتیاز دل‌دھی و دل‌بری میں فرق ھے
تم کو بھاتی ھے خزاں اور ھم کو بھاتی ھے بہار
محو حیرت کو وصال و ھجر دونوں ایک ھیں
بلبل تصویر کو کب یاد آتی ھے بہار
میری ضد سے غیر پر تیری عنایت دیکھ کر
سبزۂ بیگانہ کے قربان جاتی ھے بہار
ابتدائے فصل ھی میں غیر بھی کھاتے ھیں گل
دیکھیے اس سال کیا کیا گل کھلاتی ھے بہار
چشم گلشن پر قدم رکھتا ھوا کون آئے گا
عطر فتنہ میں گل نرگس بساتی ھے بہار
خندۂ دیوانگی یاں بعد مردن بھی رھا
خاک سے اگتے ھیں گل ان کو ھنساتی ھے بہار
کچھ سوائے گریہ جوں ابر اپنی قسمت میں نہیں
زعفراں کی کیوں نہ ھو مجھ کو رلاتی ھے بہار
غنچہ ھائے آرزوئے مومن اب کھلنے کو ھیں
خیر مقدم گلشن ایماں میں آتی ھے بہار

توبہ کہاں کدورت باطن کے ہوش تھے
غش ہوگیا میں رنگ مئے ناب دیکھ کر
اٹھی نہ نعش بھی ترے کوچے سے بعد قتل
ہم رہ پڑے زمین کو شاداب دیکھ کر
روئے وہ میرے حال پہ حیران کیوں نہ ہوں
آنکھیں سی کھل گئیں در نایاب دیکھ کر
شوق وصال دیکھ کہ آیا عدو کے گھر
سوجھا نہ کچھ مجھے شب مہتاب دیکھ کر
ہے ہے تمیز عشق و ہوس آج تک نہیں
وہ چھپتے پھرتے ہیں مجھے بے تاب دیکھ کر
مومن یہ تاب کیا کہ تقاضاے جلوہ ہو
کافر ہوا میں دین کے آداب دیکھ کر

(۷۸)

یاد اس کی گرمیٔ صحبت دلاتی ہے بہار
آتش گل سے مرا سینہ جلاتی ہے بہار
کوہ و صحرا میں پئے فرحت پھراتی ہے بہار
میں تو کیا ان کو بھی دیوانہ بناتی ہے بہار
کھل چکی نرگس کہ شرمائی ہی جاتی ہے بہار
دیکھ کر اس کی بہار آنکھیں چراتی ہے بہار
جلوۂ لالہ رقیبوں کو دکھاتی ہے بہار
داغ کھانے پر مرے کیا داغ کھاتی ہے بہار
آمد آمد ہے چمن میں کس سمن اندام کی
سبزۂ خوابیدہ سے مخمل بچھاتی ہے بہار

یا وہ ڈبوئے گا زمیں یا ہم ڈبوئیں گے فلک
آ جائے تو روتے ہیں ہم شرط ابر تر سے باندھ کر

خط میں تو لکھ سکتا نہیں احوال سوز دل آسے
پر بھیج دوں جی میں ہے پروانے کے پر سے باندھ کر

دشمن سگ کوچہ نہ ہو آس شوخ آھوچشم کا
نادم ہوں کعب گرگ پائے نامہ بر سے باندھ کر

ہے سرخ پٹکا اور خون غیر میں رنگا ہوا
کیا قتل پر میرے کمر نکلے ہو گھر سے باندھ کر

آ جھانک تو بھی تو کہیں بے دید کیسی ٹکٹکی
بیٹھے ہوئے ہیں روزن دیوار و در سے باندھ کر

جراح کیا سوچا بتا کیا رنگ دیکھا کیا ہوا
کیوں کھول لی پٹی مرے زخم جگر سے باندھ کر

دیوانۂ نازک ہوں میں فصّاد مژگاں نیشتر
لے فصد میرے ھاتھ کو تار نظر سے باندھ کر

مومن سے اچھی ہو غزل تھا اس لیے یہ زور شور
کیا کیا مضامیں لائے ہم کس کس ہنر سے باندھ کر

(۷۷)

جاتے تھے صبح رہ گئے بے تاب دیکھ کر
طالع ہمارے چونک پڑے خواب دیکھ کر

پایا جو دشمنوں نے ترے پاس اعتبار
آنکھیں چراتے ہیں مجھے احباب دیکھ کر

یہ تشنہ کامئی نگہ گرم دیکھنا
حسرت سے رو دیا طرف آب دیکھ کر

ردیف ر

(۷۵)

نہ کیوں کر بس سوا جاؤں کہ یاد آتا ہے رہ رہ کر
وہ تیرا مسکرانا کچھ مجھے ہونٹوں میں کہہ کہہ کر

کہاں لخت جگر ہیں سیل گریہ میں چڑھا دریا
چلے آتے ہیں یہ ڈوبے ہوؤں کے لاشے بہ بہ کر

بہار باغ دو دن ہے غنیمت جان اے بلبل
ذرا ہنس بول لے ہو زمزمہ پرداز چہ چہ کر

نوید اے دل کہ رشک غیر سے چھوٹے آسے ہم نے
ستم کا کر دیا خوگر جفا و جور سہ سہ کر

ستم ہے شدت گریہ سرایت خوں نے کی پر کی
رکھے رومال چشم خوں فشاں پر لاکھ تہ تہ کر

لگی ہچکی ہے سر زانوے غم پر ہے کہ یاد آیا
کسی کا ہاتھ ہر دم مارنا زانو پہ قہ قہ کر

خدا کو مان اپنی راہ لے کعبے کو جا مومن
صنم خانے میں کیا لیوے گا اے گم گشتہ رہ رہ کو

(۷۶)

اے تند خو آجا کہیں تیغا کمر سے باندھ کر
کن مدتوں سے ہم کفن پھرتے ہیں سر سے باندھ کر

ہو گیا اس لب لعل و در دنداں کے سبب
غیرت نسخۂ اکسیر مسی کا کاغذ

ضد یہ ہے خط سے مرے تاؤ ہزاروں کھائے
دست اغیار میں بھی گر کبھی دیکھا کاغذ

یاں تلک تو ہوں سیہ‌کار کوئی پڑھ نہ سکا
حشر میں جب مرے اعمال کا کھولا کاغذ

قبر میں چھوٹے عذاب دل بے تاب سے ہم
نام جب لکھ کے ترا سینے پہ رکھا کاغذ

تو غزل سنج ہے یا مرثیہ خواں اے مومن
رو دیا جس نے کہ دیکھا ترا لکھا کاغذ

ردیف ذ

(۷۴)

نامہ رونے میں جو لکھا تو یہ بھیگا کاغذ
کہ بنا ہم گہر صفحۂ دریا کاغذ

اس کے کوچے سے چلا آئے ہے اڑتا کاغذ
پھاڑ کر پھینک دیا کیا مرے خط کا کاغذ

کیا جواب آئے کہ کثرت سے خطوں[۱] کی میرے
کیمیا یاب سیاہی بنی عنقا کاغذ

سب نوشتے ترے اغیار کو دکھلاؤں گا
جانتا ہے تو مرے پاس ہیں کیا کیا کاغذ

لکھ کے بدمستیٔ غم تاکہ وہ مے کش پڑھ لے
باندھ دیتا ہوں سر شیشۂ صہبا کاغذ

مشق کرتے ہیں وہ کیوں لفظ ''نظر بازی'' کی
پردۂ دیدۂ مشتاق ہے یہ یا کاغذ

رنگ اڑ جانے کا احوال اسے لکھنا ہے
زردیٔ رخ سے زر افشاں میں کروں گا کاغذ

وصف لکھوں میں تری آنکھ کے ڈوروں کا اگر
رگ گل خامہ دے اور نرگس شہلا کاغذ

۱۔ نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۸۰ع (حاشیہ س ۶۱) ''مرے خطوں کی'' اور نسخۂ ضیا طبع دوم (ص ۸۰) میں ''خطوں کی میرے'' ہے۔

(۷۳)

غربت میں گل کھلائے ھے کیا کیا وطن کی یاد
جیسے قفس میں مرغ چمن کو چمن کی یاد

گل گوں قبا پہن کے کیا قتل غیر کو
کیا آئی اپنے کشتۂ خونیں کفن کی یاد

از خویش رفتگی ھے عناں کش زماں زماں
دکھلائے گی عدم ھی کہیں اس دھن کی یاد

تو آب زن نہ ھووے تو کیا جانے کیا کرے
دشمن کے دل سے میرے دم شعلہ زن کی یاد

اے محتسب نہ توڑیو شیشے کو دیکھنا
آتی ھے مجھ کو سنگ دل دلشکن کی یاد

تا شکوہ غیر کا نہ کروں مجھ سے کہتے ھیں
کیوں سرگذشت تم کو بھی ھے کوہ کن کی یاد

پھر پیرھن کے ھوتے ھیں ٹکڑے برنگ گل
پھر مجھ کو آ گئی کسی گل پیرھن کی یاد

ایسے ھی روز گر ستم نو بہ نو رھے
تم کو بھلا رھے گی سپہر کہن کی یاد

ھے کفر و بدعت ایک نہیں تار سبحہ سے
زنار مومن آئے ھے کیوں برھمن کی یاد

ردیف د

(۷۲)

هم دام محبت سے ادھر چھوٹے آدھر بند
پرواز بھی کی آہ تو جوں طائر پربند

دیکھا نہ کسی کی طرف ایمائے حیا سے
جادو کو کیا نرگس جادو نے نظربند

یہ مشت پر سوختہ پھونکیں گے قفس کو
تو ساتھ کسی کے مجھے صیاد نہ کر بند

وہ آخر شب آئے ہیں کچھ بات تو کرلوں
کر اپنی زباں دم کے دم اے مرغ سحر بند

کیا ٹھہرے دل بوالہوساں میں تری الفت
شیشے میں پری کرتے ہیں ارباب ہنر بند

جا سکتے نہیں جاتے ہیں اس کُو میں جو ناصح
چھٹ جائیں گے قصے سے کیا تونے اگر بند

شاید کبھی تونے بھی اسے خواب میں دیکھا
آنکھیں تری اے بخت ہیں کیوں آٹھ پہر بند

اے سوزش سینہ مجھے وہ سینہ دکھا دے
کھولے تری گرمی سے وہ گھبرا کے مگر بند

کیا حضرت مومن کہیں کعبے کو سدھارے
سنسان ہے گھر کس لیے کیوں آج ہے در بند

گرم جو غیر پہ دیکھا لہو اتر آیا
نہ پوچھ کیوں تری آنکھیں ہیں بن کے ناداں سرخ

نوید مرگ انہیں جوہیں زخمیٔ لب یار
کہ رنگ پاں سے ہوے اور لعل خنداں سرخ

نظارۂ رخ مردم سے کیوں نہ غم ہو کہ تھا
ہمارا رنگ بھی پیش از ورود ہجراں سرخ

ہمارے خون کا دھبہ نہ جاے حشر تلک
وہ لاکھ بدلے قبا پر رہے گا داماں سرخ

غریق گریۂ خونی رہا نہ کر مومن
لباس یعنی پہنتے نہیں مسلماں سرخ

ردیف خ

(۷۱)

عدو نے دیکھے کہاں اشک چشم گریاں سرخ
نہ آستیں ہے نہ رومال ہے نہ داماں سرخ

نمود حسن خط یار سے نہ ہو کیوں کر
بہار ہے جو تہہ سبز ہو نمایاں سرخ

تمھارے دشنے کا دست جفا[1] نے کام کیا
ہے زرد رنگ گلو حلقۂ گریباں سرخ

زبس فگار ہوے پاؤں خار و خارہ سے
تمام دشت ہے جوں وسعت گلستاں سرخ

ملی ہیں غیر نے پاے نگار سے آنکھیں
سرشک خوں سے نہیں پنجہ ہاے مژگاں سرخ

گماں قہر سے اپنا تو رنگ زرد ہے اور[2]
سیاہ مستئ مے سے ہے چشم جاناں سرخ

موا ہوں عشق میں گل پیرہن کے لازم ہے
مرا کفن بھی ہو جوں جامۂ شہیداں سرخ

سرایتیں ہیں یہ طوفان اشک خونی کی
کہ ایک ایک شجر ہے بہ رنگ مرجاں سرخ

۱- نسخہ ضیا طبع ۱۹۴۷ء (صفحہ ۷۷) ''دست خفہ'' اور نول کشوری نسخہ (طبع ۱۸۸۰ء حاشیہ ص۶۰) میں ''دست جفا'' ہے -

۲- نسخہ ضیا طبع ۱۹۴۷ء (صفحہ ۷۸) میں ''اور'' کے مقابل ''آج'' بھی درج کیا ہے -

دل میں ہوائے بت کدہ ظاہر میں کیا حضور
رہنا حرم میں مومن مکار کی طرح

(۷۰)

رویا کریں گے آپ بھی پہروں اسی طرح
اٹکا کہیں جو آپ کا دل بھی مری طرح
آتا نہیں ہے وہ تو کسی ڈھب سے داؤ میں
بنتی نہیں ہے ملنے کی اس کے کوئی طرح
تشبیہ کس سے دوں کہ طرح دار کی مرے
سب سے نرالی وضع ہے سب سے نئی طرح
مرچک کہیں کہ تو غم ہجراں سے چھوٹ جائے
کہتے تو ہیں بھلے کی و لیکن بری طرح
نے تاب ہجر میں ہے نہ آرام وصل میں
کم بخت دل کو چین نہیں ہے کسی طرح
لگتی ہیں گالیاں بھی ترے منھ سے کیا بھلی
قربان تیرے پھر مجھے کہہ لے اسی طرح
پامال ہم نہ ہوتے فقط جور چرخ سے
آئی ہماری جان پر آفت کئی طرح
نے جائے واں بنے ہے نہ بن جائے چین ہے
کیا کیجیے ہمیں تو ہے مشکل سبھی طرح
معشوق اور بھی ہیں بتا دے جہان میں
کرتا ہے کون ظلم کسی پر تری طرح
ہوں جاں بہ لب بتان ستمگر کے ہاتھ سے
کیا سب جہاں میں جیتے ہیں مومن اسی طرح

———

ردیف ح

(٦٩)

گر چندے اور یہ ھی رھی یار کی طرح
ہم بھی بنیں گے بوالہوس اغیار کی طرح

آواز گنبد اس سے شکایت عدو کی تھی
ناچار چپ ھیں صورت دیوار کی طرح

سونے دیا نہ اس نے شب وصل میں بھی کیا
ہم جاگتے ھیں طالع بیدار کی طرح

پھرتا ھے بھر کشتن عشاق کو بہ کو
گردش میں ھے وہ چرخ ستم‌گار کی طرح

ھوتے ھیں پائمال گل اے باد نوبہار
کس سے اڑائی تو نے یہ رفتار کی طرح

چین جبیں بلا و نگاہ غضب ستم
کرتی ھے قتل اس بت خوں‌خوار کی طرح

خو رنج رشک غیر کی بھی ہم کو ھوگئی
اب اور کچھ نکالیے آزار کی طرح

ھوتے ھیں قتل غیر ادھر ھے نگاہ لطف
ارماں مرے نکلتے ھیں تلوار کی طرح

کرتا ھے ابر اپنا لہو پانی ایک کیوں
کب رو سکے گا دیدۂ خوں بار کی طرح

بس نازکیٔ ضعف کہ گل گشت باغ میں
چبھتے ھیں میرے پاؤں میں گل خار کی طرح

ردیف چ

(٦٨)

پنجۂ شانہ سے تو زلف گرہ گیر نہ کھینچ
دل سے دیوانے کو مت چھیڑ یہ زنجیر نہ کھینچ

ہم تو بچتے نہیں تا شام وہ آئے بھی تو کیا
اے دعاے سحری منت تاثیر نہ کھینچ

اے ستم پیشہ مرے بعد کہاں نشۂ عشق
دیکھ خمیازۂ حسرت ہے یہ شمشیر نہ کھینچ

ہے دوا میری وہی سو نہیں ممکن کہ ملے
چارہ گر رنج و مصیبت پئے تدبیر نہ کھینچ

میں نہ کہتا تھا مصور کہ وہ ہے شعلہ عذار
دیکھ تو صفحۂ قرطاس پہ تصویر نہ کھینچ

ہم جواں مرد محبت بھی سمجھ لیں گے بھلا
اپنی ایذا سے تو ھاتھ اے فلک پیر نہ کھینچ

روز غم کون بھلا آن کے ہوتا ہے شریک
انتظار اثر اے نالۂ شب‌گیر نہ کھینچ

اتنی فرصت دے ستم گر کہ پہنچ جائے اجل
دم کے دم اور بھی سینے سے مرے تیر نہ کھینچ

مومن آ کیش محبت میں کہ ہے سب جائز
حسرت حرمت صہبا و مزامیر نہ کھینچ

بھولے حضرت نصیحت اے ناصح
ہے کسی کی تو یادگاری آج

مومن اس بت کو دیکھ آہ بھری
کیا ہوا لاف دین‌داری آج

ردیف ج

(٦٧)

ہو نہ بے تاب ادا تمھاری آج
ناز کرتی ہے بے قراری آج

اڑ گیا چرخ پر غبار اپنا
ہوگئی خاکساری آج

نزع ہے اور روز وعدۂ وصل
ہے بہ ہر طور دم شماری آج

مانع قتل کیوں ہوا دشمن
جان ہی جائے گی ہماری آج

تیرے آتے ہی دم میں دم آیا
ہوگئی یاس امیدواری آج

کوئی بھینچے ہے دل کو پہلو میں
کس نے کی اس سے ہم کناری آج

اس کے شکوے سے ہے اثر ظاہر
کچھ تو کہتی ہے آہ و زاری آج

اک نئی آرزو کا خون ہوا
ہم ہیں اور تازہ سوگواری آج

چھٹ گئے مرکے نیش ہجراں سے
کام آیا ہے زخم کاری آج

بےکسی کیوں ہے نعش پر مجمع
کیا ہوئی تو مری پیاری آج

اے روز حشر کچھ شب ہجراں بھی کم نہیں
بدنام ہو جہان میں تیری بلا عبث

ہرگز نہ رام وہ صنم سنگ دل ہوا
مومن ہزار حیف کہ ایماں گیا عبث

---

(٦٦)

ردیف ث

اظہار شوق شکوہ اثر اس سے تھا عبث
یعنی کہا کہ مرتے ھیں تم پر کہا عبث

میں ایک سخت جان ھوں گردوں سے پوچھ لو
تم کو خیال ھے مرے آزار کا عبث

تھا ھم پہ لطف تو پئے افزایش الم
صد شکر غیر ھوگئے اس سے خفا عبث

اے مہروش یہ حسن تو ھرگز نہ چھپ سکے
چلون تو کیا ھے پردے کا بھی چھوڑنا عبث

امید وعدہ بھی تو نہیں روز ھجر میں
ھم سے وفائے زندگیٔ بےوفا عبث

اس ضعف میں تو سینے سے آتا ھے لب تلک
کہتے ھیں اپنے نالے کو ھم نارسا عبث

کیا اپنے دود دل کا بھی شکوہ نہ کیجیے
الجھے ھے بات بات پہ زلف دوتا عبث

گو چارہ ساز حضرت عیسیٰ ھی کیوں نہ ھوں
گر درد عشق ھے تو امید شفا عبث

جس غم میں مررھے تھے وہ غم ھی نہیں رھا
افسوس مر کے سمجھے[1] کہ جینا ھے کیا عبث

---

۱ - نسخۂ ضیا (ص۷۳) ''دیکھا''۔ نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۸۰ع (حاشیہ ص ۵۸) ''سمجھے''

کیا باب اجابت پہ گذر هووے دعا کا
سنتا هے اثر کب ترے درباں کی شکایت

اے شور جنوں ڈر هے زباں بند نہ هوجائے
گر آئے لبوں پر مرے زنداں کی شکایت

کیوں طعنہ سمجھ کر هے گلہ شکر جفا کا
جانے دو کہ بےجا هے پشیماں کی شکایت

کس واسطے اے شمع زباں کاٹتے هیں لوگ
کیا تو نے بھی کی تھی شب هجراں کی شکایت

حوران بہشتی کو بتوں کا سا نہ پایا
مومن مجھے کیوں کر نہ هو ایماں کی شکایت

———

(ق)

کیا پوچھو ہو منکر و نکیر آہ
بگڑے جو وہ طعن غیر پر رات
یہ بات بڑھی کہ مرگئے ہم
موت آئی تھی قصہ مختصر رات
اس گھر میں ہے عیش خلد مومن
کیا جانے کہاں ہے دن کدھر رات

(٦۵)

کرتے ہیں عدو وصل میں حرماں کی شکایت
تھی بارے موثر غم ھجراں کی شکایت
یوں کرتے تھے وہ کب دل نالاں کی شکایت
کی ہوگی فلک نے مرے افغاں کی شکایت
اے پردہ نشیں چلون اٹھا دے کہ نہ جل جائے
کرتا ہوں میں سوز غم پنہاں کی شکایت
ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملے وہ
دل ھی میں رھی رنجش جاناں کی شکایت
پامال ستم ہے دل ناکام کے ھاتھوں
کس منھ سے کروں ولولۂ جاں کی شکایت
صد شکر وہ الجھی ہوئی تقریر نہ سمجھا
تھی برھمئی زلف پریشاں کی شکایت
ہے کس لیے مجھ سے اسے دل دینے کا شکوہ
کرتا ہے جہاں میں کوئی احساں کی شکایت

مومن یہ کیا کہا کہ ہے رسم ہنود اب
کا ہے یو لائیں گے وہ مری گور پر بسنت

(٦۴)

سودا تھا بلا کے جوش پر رات
بستر پہ بچھائے نیشتر رات
بگڑے تھے یہاں وہ آن کر رات
بے طور بنی تھی جان پر رات

ہم تا سحر آپ میں نہیں تھے
کیا جانے رہے وہ کس کے گھر رات
افسانہ سمجھ کے سوگئے وہ
کام آئی فغان بےاثر رات

آئینے میں ہو نہ موم جادو
سوتے نہیں اب[1] وہ تا سحر رات
تارے آنکھیں جھپک رہے تھے
تھا بام پہ کون جگر رات

(ق)

اندھیر پڑا زمانے میں ہائے
نہ دن کو ہے مہر نہ قمر رات
اس لیل و نہار غم نے مارا
ہے روز سیہ سیاہ‌تر رات

---

۱ - نسخۂ ضیا ''آپ'' (ص۷۰) - نسخۂ نول کشور ۱۸۸۰ع (ص۵۸) ''اب''

ردیف ت

(۶۳)

کیا دیکھتا خوشی سے ہے غیروں کے گھر بسنت
پھولی ہے یاں کچھ اور ہی اے بے خبر بسنت

واں تو ہے زرد پوش یہاں میں ہوں زرد رنگ
واں تیرے گھر بسنت ہے یاں میرے گھر بسنت

یہ کس کے زرد چہرے[1] کا اب دھیان بندھ گیا
میری نظر میں پھرتی ہے آٹھوں پہر بسنت

آوارگی ہے باعث نشو و نما کہ دیکھ
سرسبز جب ہوئی کہ پھری در بہ در بسنت

ہم قیدیوں کو چاہییں سونے کی بیڑیاں
اے چارہ گر جہان میں ہے جلوہ گر بسنت

اس رشک گل کے ہاتھ تلک کب پہنچ سکے
سرسوں ہتھیلی پر نہ جمائے اگر بسنت

کس کو بھلا خلل یرقان کا ہے اے طبیب
پھولی ہے باغ عشق کی یاں آن کر بسنت

ہے اول بہار سیۂ مستیوں کا جوش
دکھلائے ہے کچھ اب کی بہار دگر بسنت

---

۱ - ''چیرہ'' نسخہ ضیا ص ۶۹ - ''چہرے'' نسخۂ نول کشور ۱۸۸۰ع، حاشیہ ص ۵۷ -

ردیف پ

(٦٢)

یاں سے کیا دنیا سے اٹھ جاؤں اگر رکتے ہیں آپ
رک گیا میرا بھی دم کیوں اس قدر رکتے ہیں آپ

ضبط نالہ بوالہوس کا ننگ کے باعث نہیں
شرم سے آہ و فغان بے اثر رکتے ہیں آپ

سنگ رہ ہے امتحاں تاثیر حسن و عشق کا
ہم ادھر رکتے ہیں آپ اور وہ ادھر رکتے ہیں آپ

جذب دل نے غیر کے بھی کیا کہیں تاثیر کی
آج کیوں آتے ہوئے ہر گام پر رکتے ہیں آپ

جائیے پھر اس کے کوئے دل کشا میں کس لیے
حضرت دل سینے میں آٹھوں پہر رکتے ہیں آپ

سچ کہو ہے کس سے وعدہ آج جاؤ گے کہاں
خود بہ خود بیٹھے ہوئے کیوں اپنے گھر رکتے ہیں آپ

پاس تم کو ہی نہیں تو جائیے غیروں کے پاس
میں نہ روکوں روکنے سے میرے گر رکتے ہیں آپ

وصل شیریں کی تمنا کوہ کن کو کیا کہوں
صحبت شاہاں سے ارباب ہنر رکتے ہیں آپ

دل کسی بت کو دیا اے حضرت مومن کہیں
وعظ میں کیوں برہمن کو دیکھ کر رکتے ہیں آپ

---

(٦١)

تھی وصل میں بھی فکر جدائی تمام شب
وہ آئے تو بھی نیند نہ آئی تمام شب

واں طعنہ تیر بار یہاں شکوہ زخم ریز
باہم تھی کس مزے کی لڑائی تمام شب

رنگیں ہے خون سر سے وہ ہاتھ آج کل رہے
جس ہاتھ میں وہ دست حنائی تمام شب

تالو سے یاں زبان سحر تک نہیں لگی
تھا کس کو شغل نغمہ سرائی تمام شب

یک بار دیکھتے ہی مجھے غش جو آ گیا
بھولے تھے وہ بھی ہوش ربائی تمام شب

مر جاتے کیوں نہ صبح کے ہوتے ہی ہجر میں
تکلیف کیسی کیسی اٹھائی تمام شب

گرم جواب شکوۂ جور عدو رہا
اس شعلہ خو نے جان جلائی تمام شب

کہتا ہے مہروش تمہیں کیوں غیر گر نہیں
دن بھر ہمیشہ وصل جدائی تمام شب

دھر پاؤں آستاں پہ کہ اس آرزو میں آہ
کی ہے کسی نے ناصیہ سائی تمام شب

مومن میں اپنے نالے کے صدقے کہ کہتے ہیں
اس کو بھی آج نیند نہ آئی تمام شب

---

(۶۰)

تم بھی رہنے لگے خفا صاحب
کہیں سایہ مرا پڑا صاحب
ہے یہ بندہ ہی بے وفا صاحب
غیر اور تم بھلے بھلا صاحب
کیوں اُلجھتے ہو جنبش لب سے
خیر ہے میں نے کیا کہا صاحب
کچھ لگے دینے خط آزادی
کچھ گنہ بھی غلام کا صاحب
ہائے ری چھیڑ رات سن سن کے
حال میرا کہا کہ کیا صاحب
دم آخر بھی تم نہیں آتے
بندگی اب کہ میں چلا صاحب
ستم آزار و ظلم و جور و جفا
جو کیا سو بھلا کیا صاحب

(ق)

کس سے بگڑے تھے کس پہ غصہ تھا
رات تم کس پہ تھے خفا صاحب
کس کو دیتے تھے گالیاں لاکھوں
کس کا شب ذکر خیر تھا صاحب
نام عشق بتاں نہ لو مومن
کیجیے بس خدا خدا صاحب

سو سفیدی کے قریب اور ہے غفلت مومن
نیند آتی ہے بہ آرام دگر آخر شب

(۵۹)

قتل عدو میں عذر نزاکت گراں ہے اب
مجھ میں ستم آٹھانے کی طاقت کہاں ہے اب
وحشت سے میری سارے احبا چلے گئے
آنا ہے گر تو آؤ کہ خالی مکاں ہے اب
سجدے پہ سر قلم ہو دعا پر زباں کٹے
گویا نہ وہ زمیں ہے نہ وہ آسماں ہے اب
قتل عدو نے شوق شہادت مٹا دیا
لب پر ہمارے غلغلۂ الاماں ہے اب
پیری میں وصل غیرت یوسف ہوا نصیب
بخت وفا مثال زلیخا جواں ہے اب
کہہ دیں رقیب نے تری بے التفاتیاں
ناصح ہمارے حال پہ کچھ مہرباں ہے اب
رکھ لے سر اپنے زانوے نازک پہ شوق سے
تیرا مریض عشق بہت ناتواں ہے اب
چشم غضب سے مشورۂ قتل کھل گیا
جو بات دل میں تھی سو نظر سے عیاں ہے اب
بے طاقتی سے مجھ میں نہیں تاب التفات
بیہودہ فکر جور و سر امتحاں ہے اب
وہ دن گئے کہ لاف و گزاف جہاد تھا
مومن ہلاک خنجر ناز بتاں ہے اب

ردیف ب

(۵۸)

گئے وہ خواب سے اٹھ غیر کے گھر آخر شب
اپنے نالے نے دکھایا[۱] یہ اثر آخر شب

(ق)

صبح دم وصل کا وعدہ تھا یہ حسرت دیکھو
مرگئے ہم دم آغاز سحر آخر شب

سوز دل سے گئی جاں بخت چمکنے کے قریب
کرتے ہیں موسم گرما میں سفر آخر شب

شعلۂ آہ فلک رتبہ کا اعجاز تو دیکھ
اول ماہ میں چاند آئے نظر آخر شب

ملے ہو غیر سے بے پردہ تم انکار کے بعد
جلوہ خورشید کا سا تھا کچھ ادھر آخر شب

صبح دم آنے کو تھا وہ کہ گواہی دے ہے
رجعت قہقری میں چرخ و قمر آخر شب

غیر نکلا ترے گھر سے گئی اس وہم میں جان
غل ہوے چور کے اس کوچے میں گر آخر شب

دی تسلی بھی تو ایسی کہ تسلی نہ ہوئی
خواب میں تو مرے آئے وہ مگر آخر شب

۱- ''جگایا'' (ن - ض صفحہ ۶۵) -

وھاں ترقی جمال کو ھے یہاں محبت ھے روز افزوں
شریک زیبا تھا بوالہوس بھی جو بے وفائی میں کم نہ ھوتا
غلط کہ صانع کو ھو گوارا خراش انگشت ھاے نازک
جواب خط کی امید رکھتے جو قول جفّ القلم نہ ھوتا
یہ بے تکلف پھڑا رھی ھے کشش دل عاشقاں کی آس کو
وگرنہ ایسی نزاکتوں پر خرام ناز اک قدم نہ ھوتا
وصال تو ھے کہاں میسر مگر خیال وصال ھی میں
مزے اڑاتے ھوش نکلتی جو ساتھ انداز رم نہ ھوتا
ھوا مسلماں میں اور ڈر سے نہ درس واعظ کو سن کے مومن
بنی تھی دوزخ بلا سے بنتی عذاب ھجر صنم نہ ھوتا

———

اچھی مری بدنامی تھی یا تری رسوائی
گر چھوڑ نہ دیتا میں پامال جفا ہوتا

دیوانے کے ہاتھ آیا کب بند قبا اس کا
ناخن جو نہ بڑھ جاتے تو عقدہ نہ وا ہوتا

ہم بندگیٔ بت سے ہوتے نہ کبھی کافر
ہر جائے گر اے مومن موجود خدا ہوتا

(۵۷)

عدم میں رہتے تو شاد رہتے اسے بھی فکر ستم نہ ہوتا
جو ہم نہ ہوتے تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتا

ہوئی خجالت سے نفرت افزوں گلے کیے خوب آخریں دم
وہ کاش اک دم ٹھہر کے آتے کہ میرے لب پر بھی دم نہ ہوتا

پڑا ہے مرنا بس اب تو ہم کو جو اس نے خط پڑھ کے نامہ بر سے
کہا کہ گر سچ یہ حال ہوتا تو دفتر اتنا رقم نہ ہوتا

کسی کے جلنے کا دھیان آیا وگرنہ دود فغاں سے میرے
اگر ہزاروں سپہر بنتے تمھاری آنکھوں میں نم نہ ہوتا

جو آپ در سے اٹھا نہ دیتے کہیں نہ کرتا میں جبہ سائی
اگرچہ یہ سرنوشت میں تھا تمھارے سر کی قسم نہ ہوتا

وصال کو ہم ترس رہے تھے جو اب ہوا تو مزا نہ پایا
عدو کے مرنے کی جب خوشی تھی کہ اس کو رنج و الم نہ ہوتا

جہان تنگ و ہجوم وحشت غرض کہ دم پر بری بنی تھی
کہاں میں جاتا نہ جی ٹھہرتا کہیں جو دشت عدم نہ ہوتا

مگر رقیبوں نے سر اٹھایا کہ یہ نہ ہوتا تو بے مروت
نظر سے ظاہر حیا نہ ہوتی حیا سے گردن میں خم نہ ہوتا

(٥٦)

هم جان فدا کرتے گر وعدہ وفا ہوتا
مرنا ہی مقدر تھا وہ آتے تو کیا ہوتا

اس حسن پہ خلوت میں جو حال کیا کم تھا
کیا جانیے کیا کرتا گر تو مری جا ہوتا

ایک ایک ادا سو سو دیتی ہے جواب اس کے
کیوں کر لب قاصد سے پیغام ادا ہوتا

اچھی ہے وفا مجھ سے جلتے ہیں جلیں دشمن
تم آج ہوا سمجھو جو روز جزا ہوتا

جنت کی ہوس واعظ بے جا ہے کہ عاشق ہوں
ہاں سیر میں جی لگتا گر دل نہ لگا ہوتا

اس تلخئی حسرت پر کیا چاشنیٔ الفت
کب ہم کو فلک دیتا گر غم میں مزا ہوتا

تھے کوسنے یا گالی طعنوں کا جواب آخر
لب تک غم غیر آتا گر دل میں بھرا ہوتا

ہے صلح عدو بے حظ تھی[۱] جنگ غلط فہمی
جیتا ہے تو آفت ہے مرتا تو بلا ہوتا

ہونا تھا وصال اک شب قسمت میں بلا سے گر
تو مجھ سے خفا ہوتا میں تجھ سے خفا ہوتا

ہے بے خودیٔ دایم کیا شکوہ تغافل کا
جب میں نہ ہوا اپنا وہ کیوں کہ مرا ہوتا

اس بخت پہ کوشش سے تھکنے کے سوا حاصل
گر چارۂ غم کرتا رنج اور سوا ہوتا

۱- ہے (ن- ض- ص ٦٢)

(۵۵)

کیا ہوا ہو اگر وہ بعد امتحاں اپنا
بے گنہ سزا پائے اب وہ دل کہاں اپنا

خار و خس میں گلشن کے بوئے گل جو آتی تھی
رشک سے کیا برباد آپ آشیاں اپنا

روز کا بگاڑ آخر جان پر بنا دے گا
ان کو شوق آرائش دل ہے بدگماں اپنا

دشنہ چھین لے گا کیا ہم نشیں شب فرقت
آپ جب نہیں اپنے کون میری جاں اپنا

بعد مدت اس کوسے یوں پھرے بہ تنگ آ کر
جائے جائے پھرتے ہیں پوچھتے مکاں اپنا

صبر بعد آسایش اس قلق پہ مشکل تھا
عیش جاوداں نکلا رنج جاوداں اپنا

عشق بت میں خود اب تو در خور پرستش ہیں
نام ہوگیا اتنا گم کیا نشاں اپنا

دل کے لینے تک ہے بس آپ کی خریداری
کیوں کریں وہ سودا ہم جس میں ہو زیاں اپنا

(ق)

دل کی بے قراری سے ہر تپش زمیں فرسا
پھر خرمن گردوں شعلہ ہر فغاں اپنا

دیکھیے پس مردن حال جسم و جاں کیا ہو
مدعی زمیں اپنی دشمن آسماں اپنا

دیر و کعبہ یکساں ہے عاشقوں کو اے مومن
ہو رہے وہیں کے ہم جی لگا جہاں اپنا

امتحاں کیجیے مرا جب تک
شوق زور آزما نہیں ہوتا
ایک دشمن کہ چرخ ہے نہ رہے
تجھ سے یہ اے دعا نہیں ہوتا
آہ طول امل ہے روز افزوں
گرچہ اک مدعا نہیں ہوتا
نارسائی سے دم رکے تو رکے
میں کسی سے خفا نہیں ہوتا
تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
حال دل یار کو لکھوں کیوں کر
ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا
رحم کر خصم جان غیر نہ ہو
سب کا دل ایک سا نہیں ہوتا
دامن اس کا جو ہے دراز تو ہو
دست عاشق رسا نہیں ہوتا
چارۂ دل سوائے صبر نہیں
سو تمھارے سوا نہیں ہوتا
کیوں سنے عرض مضطر اے مومن
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

کوے دشمن میں جا پکڑتا کیوں
کیا مجھے شرمسار ہونا تھا
وہ نمک پاش بھی نہیں ہوتے
یوں ہی دل کو فگار ہونا تھا
خاک میں حیف یہ شراب ملے
محتسب بادہ خوار ہونا تھا
نہ گیا تیر نالہ سوے رقیب
مرغ عرشی شکار ہونا تھا
رات دن بادہ و صنم مومن
کچھ تو پرہیز گار ہونا تھا

(۵۴)

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا
رنج راحت فزا نہیں ہوتا
بے وفا کہنے کی شکایت ہے
تو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا
ذکر اغیار سے ہوا معلوم
حرف ناصح برا نہیں ہوتا
کس کو ہے ذوق تلخ کامی لیک
جنگ بن کچھ مزا نہیں ہوتا
تم ہمارے کسی طرح نہ ہوے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
اس نے کیا جانے کیا کیا لے کر
دل کسی کام کا نہیں ہوتا

(۵۳)

غصہ بیگانہ‌وار ہونا تھا
بس یہی تجھ سے یار ہونا تھا
کیا شب انتظار ہونا تھا
ناحق امیدوار ہونا تھا

کیوں نہ ہوتے عزیز غیر تمھیں
میری قسمت میں خوار ہونا تھا
مجھے جنت میں وہ صنم نہ ملا
حشر اور ایک بار ہونا تھا

گر نہ تھی اے دل اُس کے رنج کی تاب
کیوں شکایت گزار ہونا تھا
خاک ہوتا نہ میں تو کیا کرتا
اُس کے در کا غبار ہونا تھا

ہرزہ گردی سے ہم ذلیل ہوئے
چرخ کا اعتبار ہونا تھا
مرگ شام وصال حرماں ہائے
صبح دم جاں نثار ہونا تھا

اور سے ہم‌کنار ہے دشمن
آج تو ہم‌کنار ہونا تھا
شکوۂ دھر پر کہا تم کو
آفت روزگار ہونا تھا

چشم بے اعتبار جاناں میں
کیا مرا اعتبار ہونا تھا
صبر کر صبر ہو چکا جو کچھ
اے دل بے قرار ہونا تھا

(۵۲)

گر میں کم بخت وہ بخیل ہوا
مجھ کو چھیڑ آسماں ذلیل ہوا

گر یہی بے خودی ہے صہبا میں
کون مشتاق سلسبیل ہوا

آسماں راہ پر نہیں آتا
دعویٰ خضر بے دلیل ہوا

ہائے وہ لاف ہائے خود کامی
غیر ہر کام میں دخیل ہوا

اب تغافل ہے واں مگر کردوں
میرے آزار کا کفیل ہوا

کس قدر تیز رو ہے سوے صنم
نامہ بر میرا جبرئیل ہوا

اثر حسن و عشق تھا بے مثل
میں ترا تو مرا عدیل ہوا

العطش زن سپہر و یار و عدو
بے گنہ خوں مرا سبیل ہوا

آپ کی کون سی بڑھی عزت
میں اگر بزم میں ذلیل ہوا

آتش آہ بے اثر سے مری
آسماں گلشن خلیل ہوا

کوتہی کی جواب میں جوں جوں
اور بھی خط مرا طویل ہوا

ہائے مومن شہادت بے اجر
ہجر وصل صنم قتیل ہوا

گل رنگ ہوا گریۂ خوں سے مرا دامن
کیا اب بھی خجل چرخ سیہ فام نہ ہوگا
خو ہوگئی ہجراں میں تڑپنے کی شب وصل
گو چین ہو دل کو مجھے آرام نہ ہوگا
ہیں پاک نظر ہم تو ولے ذوق فزا عشق
بے چاشنیٔ بوسہ و دشنام نہ ہوگا
کم ظرفی اغیار پہ ساقی کو نظر ہے
افسوس سے آلودہ لب جام نہ ہوگا
وہ شوخ فریب قلق غیر میں آیا
اب مجھ سے تو صبر اے دل ناکام نہ ہوگا
کیا فتنۂ محشر کو قد یار سے نسبت
بے خاص کشی ولولۂ عام نہ ہوگا
اغیار سے بے فائدہ ہے گرمیٔ صحبت
کاہے کو جلے گا جو کوئی خام نہ ہوگا
ہے مہر تجھے دیکھ کے شرمندہ و مشتاق
اتنا کہ ظہور سحر و شام نہ ہوگا
بلبل کے سے نالے کہ صبا کی سی کروں سعی
میرا نہ ہوا ہے وہ گل اندام نہ ہوگا
وہ مشق رہی اور نہ وہ شوق ہے مومن
کیا شعر کہیں گے اگر الہام نہ ہوگا

کس کام کے رہے جو کسی سے رہا نہ کام
سر ہے مگر غرور کا ساماں نہیں رہا
مومن یہ لاف الفت تقویٰ ہے کیوں مگر
دلی میں کوئی دشمن ایماں نہیں رہا

(۵۱)

کیا رم نہ کروگے اگر ابرام نہ ہوگا
الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہوگا
کاش آپ وہ آئیں جو سنوں ناز کی باتیں
قاصد سے ادا پاسخ پیغام نہ ہوگا
ہاں جوش تپش چھیڑ چلی جائے کہ پر تو
جھڑ جائیں گے فرسودہ اگر دام نہ ہوگا
ناکامیٔ امید پہ صبر آئے تو کیا آئے
ہر بات پہ کہتے ہو کہ یہ کام نہ ہوگا
منقوش دل خلق ہے پرہیز کی خوبی
کتنا ہی کرے ظلم وہ بدنام نہ ہوگا
بیٹھا رہوں کیا منتظر دور میں ساقی
اتنوں[1] میں کوئی مےکدہ آشام نہ ہوگا
اس جوش تپش پر ہوئی مشکل سے رسائی
صد شکر گذر غیر کا تا بام نہ ہوگا
کیا کیجیے دل شوخیٔ فطرت پہ جو آجائے
یہ تو میں سمجھتا تھا کہ وہ رام نہ ہوگا

۱- مستوں (ن - ض - ص ۵۵) -

غش ہیں کہ بے دماغ ہیں گل پیرہن تمام
از بس دماغ عطر گریباں نہیں رہا

آنکھیں نہ بدلیں شوخ نظر کیوں کہ اب کہ میں
مفتون لطف نرگس فتّاں نہیں رہا

ناکامیوں کا گاہ گلہ گاہ شکر ہے
شوق وصال و اندہ ھجراں نہیں رہا

بے تودہ تودہ خاک سبک دوش ہوگئے
سر پر جنون عشق کا احساں نہیں رہا

ہر لحظہ مہر جلووں سے ہیں چشم پوشیاں
آئینہ زار دیدۂ حیراں نہیں رہا

پھرتے ہیں کیسے پردہ نشینوں سے منہ چھپائے
رسوا ہوئے کہ اب غم پنہاں نہیں رہا

آسیب چشم قہر پری طلعتاں نہیں
اے انس اک نظر کہ میں انساں نہیں رہا

بے کاریٔ امید سے فرصت ہے رات دن
وہ کار و بار حسرت و حرماں نہیں رہا

بے سیر دشت و بادیہ لگنے لگا ہے جی
اور اس خراب گھر میں کہ ویراں نہیں رہا

کیا تلخ کامیوں نے لب زخم سی دیے
وہ شور اشتیاق نمک داں نہیں رہا

بے اعتبار ہوگئے ہم ترک عشق سے
از بس کہ پاس وعدہ و پیماں نہیں رہا

نیند آ گئی فسانۂ گیسو و زلف سے
وہم و گمان خواب پریشاں نہیں رہا

دیکھا نہ میرے نالۂ آهن گداز نے
آئینہ دیکھنے کا تماشا دکھا دیا
رشک فغاں کی هائے رقیب آفرینیاں
محشر نے خفتگان زمیں کو جگا دیا
مٹی نہ دی مزار تلک آ کے اس پہ بھی
کہتے هیں لوگ خاک میں اس نے ملا دیا
هم دم دکھا اب اس کو کسی ڈھب کہ رحم آئے
ناصح کو میرے حال زبوں نے رلا دیا
اس کی شرارتوں سے جگر داغ داغ ھے
گل کھانے کو رقیب کا چھلا منگا دیا
ایسی غزل کہی یہ کہ جھکتا ھے سب کا سر
مومن نے اس زمین کو مسجد بنا دیا

(۵۱)

دل قابل محبت جاناں نہیں رہا
وہ ولولہ وہ جوش وہ طغیاں نہیں رہا
ٹھنڈا ھے گرم جوشیٔ افسردگی سے جی
کیسا اثر کہ نالہ و افغاں نہیں رہا
کرتے هیں اپنے زخم جگر کو رفو هم آپ
کچھ بھی خیال جنبش مژگاں نہیں رہا
دل سختیوں سے آئی مصیبت میں نازکی
صبر و تحمل قلق جاں نہیں رہا
کیا اچھے هو گئے کہ بھلوں سے برے هوئے
یاروں کو فکر چارہ و درماں نہیں رہا

مجھ پہ شمشیر نگہ خود بہ خود آ پڑتی ہے
عاجز احوال زبوں سے وہ ستم کوش ہوا

آفریں دل میں رہی خنجر دشمن کے سبب
اپنے قاتل سے خفا تھا کہ میں خاموش ہوا

درد شانہ سے ترا محو نزاکت خوش ہے
کہ میں ہم دوش ہوں گو غیر بھی ہم دوش ہوا

وہ ہے خالی تو یہ خالی یہ بھرے تو وہ بھرے
کاسۂ عمر عدو حلقۂ آغوش ہوا

تو نے جو قہر خدا یاد دلایا مومن
شکوۂ جور بتاں دل سے فراموش ہوا

(۴۹)

چلون کے بدلے مجھ کو زمیں پر گرا دیا
اس شوخ بے حجاب نے پردہ اٹھا دیا

برق آہ کو جو میں نے کہا مسکرا دیا
دل گرمیوں نے اس کی کلیجا جلا دیا

فرماتے ہیں وصال ہے انجام کار عشق
کیا ناصح شفیق نے مژدہ سنا دیا

دھوتا ہے عہد نامۂ غیر اپنا حال دیکھ
آب حیا نے خط جبیں کیا مٹا دیا

تاثیر سوز دل کرۂ نار ہے مگر
اس شعلہ رو کو سینے سے میرے لگا دیا

کیا شاد شاد ہوں کہ وہ ہے تلخ کام تر
میری جو شورشوں نے عدو کو مزا دیا

هم کسی شانہ بیں سے پوچھیں گے
سبب آشفتگئی کاکل کا

لاش کس کی ہے یہ عدو سے نہ پوچھ
میں ہوں کشتہ ترے تجاھل کا

حال ساقی سے کہہ کے روتا ہوں
کہ محرک ہے خندہ قلقل کا

نکہت اس زلف کی صبا میں نہ ہو
اڑ گیا رنگ بوے سنبل کا

جلوہ دکھلائے تا وہ پردہ نشیں
میں نے دعویٰ کیا تحمل کا

نالۂ شب نے یہ ہوا باندھی
ہو گیا گل چراغ بلبل کا

حیلۂ بے خودی سے ہے مومن
توڑنا ہم کو شیشۂ مل کا

(۴۸)

اشک واژونہ اثر باعث صد جوش ہوا
ہچکیوں سے میں یہ سمجھا کہ فراموش ہوا

جلوہ افزائیِ رخ کے لیے مےنوش ہوا
میں کبھی آپ میں آیا تو وہ بے ہوش ہوا

کیا یہ پیغامبر غیر ہے اے مرغ چمن
خندہ‌زن باد بہاری سے وہ گل‌گوش ہوا

ہے یہ غم گور میں رنج شب اول سے فزوں
کہ وہ مہ رو مرے ماتم میں سیہ پوش ہوا

آنکھیں جو ڈھونڈھتی تھیں نگہ ھاے التفات
گم ھونا دل کا وہ مری نظروں سے پا گیا

جلتی ہے جان آتش خس‌پوش دیکھ کر
چلون سے شعلہ‌رو کوئی جلوہ دکھا گیا

بوے سمن سے شاد تھے اغیار بے تمیز
اس گل کو اعتبار نسیم و صبا گیا

آہ سحر ہماری فلک سے پھری نہ ھو
کیسی ھوا چلی یہ کہ جی سنسنا گیا

آتی نہیں بلاے شب غم نگاہ میں
کس مہروش کا جلوہ نظر میں سما گیا

اے جذب دل نہ تھم کہ نہ ٹھہرا وہ شعلہ رو
آیا تو گرم گرم و لیکن چلا گیا

مجھ خانماں خراب کا لکھا کہ جان کر
وہ نامہ غیر کا مرے گھر میں گرا گیا

مہندی ملے گا پاؤں سے دشمن تو آن کر
کیوں میرے تفتہ سینے کو ٹھوکر لگا گیا

بوسہ صنم کی آنکھ کا لیتے ھی جان دی
مومن کو یاد کیا حجرالاسود آ گیا

(۴۷)

وہ ھنسے سن کے نالہ بلبل کا
مجھے رونا ہے خندۂ گل کا

دھیان ہے غیر کے تحمل کا
ھوش دیکھا ترے تغافل کا

اس کے اٹھتے ہی ہم جہاں سے اٹھے
کیا قیامت ہے دل کا آ جانا

گھر میں خود رفتگی سے دھوم مچی
کیوں کہ ہو اس تلک مرا جانا

پوچھنا حال یار ہے منظور
میں نے ناصح کا مدعا جانا

مے نہ اتری گلے سے جو اس بن
مجھ کو یاروں نے پارسا جانا

شکوہ کرتا ہے بے نیازی کا
تو نے مومن بتوں کو کیا جانا

(۴۶)

اس وسعت کلام سے جی تنگ آگیا
ناصح تو میری جان نہ لے دل گیا گیا

ضد سے وہ پھر رقیب کے گھر میں چلا گیا
اے رشک میری جان گئی تیرا کیا گیا

یہ ضعف ہے تو دم سے بھی کب تک چلا گیا
خود رفتگی کے صدمے سے مجھ کو غش آ گیا

کیا پوچھتا ہے تلخئی الفت میں پند گو
ایسی تو لذتیں ہیں کہ تو جان کھا گیا

کچھ آنکھ بند ہوتے ہی آنکھیں سی کھل گئیں
جی اک بلائے جان تھا اچھا ہوا گیا

میرا گلا ہنسی سے یوں ہی گھونٹتے تھے وہ
کیا سوچ کر رقیب خوش آیا خفا گیا

عاشق نہ ہو کہیں کہ انھیں قتل غیر میں
مشکل بنی کچھ ایسی تساہل نہ ہوسکا

کہتے ہیں گلشن اپنی گلی اس کے دم سے تھی
دشمن جو ہم‌ترانۂ بلبل نہ ہوسکا

نفرت تھی اس قدر کہ نہ ٹھہرے وہ صبح دم
پاس درازئ شب کاکل نہ ہوسکا

پروردۂ وفا سے ہو کب ترک عاشقی
کیا ناز تھے کہ مجھ سے تحمل نہ ہوسکا

وہ عکس زلف چشم عدو میں پڑا نہ ہو
نظارہ مجھ سے جانب سنبل نہ ہو سکا

تنگی وہی رہی دل صد چاک کی ہوا
یہ غنچہ پاش پاش مگر گل نہ ہوسکا

ہجر بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاش زہر
غم پر حرام خوار توکّل نہ ہوسکا

(۴۵)

شوخ کہتا ہے بے حیا جانا
دیکھو دشمن نے تم کو کیا جانا

شعلۂ دل کو ناز تابش ہے
اپنا جلوہ ذرا دکھا جانا

شوق نے دور باش اعدا کو
اس کی محفل میں مرحبا جانا

گلے لگتا ہے دم بہ دم مجھ کو
طوق گردن نے کیا خفا جانا

سینہ زن یا جامہ‌در ہوتا ہے بن ماتم کوئی
آپ اپنے ہاتھ سے میں ہائے رسوا ہوگیا

صور تھی منقار مرغ صبح پہلو سے مرے
وہ قیامت قد جو اٹھا حشر برپا ہوگیا

زخم کھایا زہر کھایا تو بھی کچھ ہوتا نہیں
دیر گذری مرگ کو کیا جانیے کیا ہوگیا

یہ کسی سے ہو کہ ان لطفوں پہ گستاخی نہ ہو
غیر ہم سا کب ہوا ہر چند ہم سا ہوگیا

یوں لب خنجر کے بوسے متصل لینے نہ تھے
زخم کاری کی ہنسی میں کام میرا ہوگیا

سرمۂ تسخیر سے ہم خود مسخر کیوں نہ ہوں
آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہوگیا

نو فلک ہیں کیا کرے یہ نالۂ آتش فشاں
ایک دشمن سر سے کھویا اور پیدا ہوگیا

کفر ہے بے گل رخ ترسا تماشائے چمن
گلشن اپنے حق میں اے مومن کلیسا ہوگیا

(۴۴)

کیا رشک غیر تھا کہ تحمل نہ ہوسکا
میں جان کر حریف تغافل نہ ہوسکا

ہوتا ہے آہ صبح سے داغ اور شعلہ زن
کیسا چراغ تھا یہ کبھی گل نہ ہوسکا

اس نے جو دل کو منھ نہ لگایا دو نیم ہے
یہ جام جم ہوا قدح مل نہ ہوسکا

روز محشر کیا ہوا پھر کیوں شب دیجور ہے
کیا ہمارا نامۂ اعمال کچھ وا ہوگیا

بے وفائی ہے سرشت اُس کی سو وہ ہم ہیں کہاں
ہم مزاجی کے سبب سے غیر اپنا ہوگیا

جان و دل پر لشکر آرائی تھی جوش یاس کی
مفت اس بلوے میں شب خون تمنا ہوگیا

ہٹ گیا ہوگا دوپٹا منھ سے سوتے میں کہیں
شب یہاں رہنے کا تیرے سب میں چرچا ہوگیا

لگ گئی چپ مجھ کو تو بھی بات وہ کرتا نہیں
کیا کہوں قسمت کو کہنا دشمنوں کا ہوگیا

شربت مرگ آب حسرت شور بختی زہر غم
تلخ کامی سے مجھے کیا کیا گوارا ہوگیا

رو دیا اُس نے جو میری لاغری کو دیکھ کر
قطرۂ اشک ندامت مجھ کو دریا ہوگیا

ہے مشبّک بس کہ روتے روتے چشم اے ماہ رو
شب جو اشک آیا سو اک عقد ثریا ہوگیا

حق تو یہ ہے کیا غزل اک اور مومن نے پڑھی
آج باطل سارے استادوں کا دعویٰ ہوگیا

(۴۳)

میں تو دیوانہ تھا اُس کی عقل کو کیا ہوگیا
قیس کہتا ہے مجھے ناصح کو سودا ہوگیا

جوش عشق و حسن نے کیا رنگ بدلا دیکھنا
اشک خونی سے مرے منھ زرد اُس کا ہوگیا

آغشتہ بہ خوں دست کو لو پونچھتے ہیں وہ
اُلٹے کف جلاد میں دامن ہے ہمارا
گر پاس ہے لوگوں کا تو آ جا کہ قلق سے
ہے لاش کہیں اور کہیں مدفن ہے ہمارا
جذب دل اُسے کھینچ کے لائے تو کہاں سے
جو غیر کا گھر ہے وہی مسکن ہے ہمارا
بت خانے سے کعبے کو چلے رشک کے مارے
مومن بلدا راہ برہمن ہے ہمارا

(۴۲)

ہم سری اُس زلف سے اب یہ بھی ایسا ہوگیا
لو مرے بخت سیہ کو اور سودا ہوگیا
گو جنازے پر عدو کے وہ خود آرا ہوگیا
پر ہمارا بھی تو مر جانا تماشا ہوگیا
کس طرح معلوم ہو حال دل گم گشتہ ہائے
جو کبوتر لے گیا واں نامہ عنقا ہوگیا
مرگ سے تھی زندگی کی آس سو جاتی رہی
کیوں بری حالت نہ ہووے غیر اچھا ہوگیا
ظلم کا ثمرہ یہی تھا دیکھ کر گل ہائے داغ
بید مجنوں شرم سے وہ سرو رعنا ہوگیا
چشمۂ حیواں بنا اس کے لبوں کی شرم سے
پانی پانی بس کہ اعجاز مسیحا ہوگیا

۱- خضر (ن ض) ص ۴۴ -

مفت اول سخن میں عاشق نے جان دے دی
قاصد ترا بیان اقرار تک نہ پہنچا
تھی خار راہ تیری مژگاں کی یاد بھر شب
تا صبح خواب چشم بیدار تک نہ پہنچا
بخت رسا عدو کا جو چاہے سو کہے اب
اک بار یار مجھ تک میں یار تک نہ پہنچا
غیروں سے اس نے ہرگز چھوڑی نہ ہاتھا پائی
جب تک اجل کا صدمہ دو چار تک نہ پہنچا
مومن اسی نے مجھ سے دی برتری کسی کو
جو پست فہم میرے اشعار تک نہ پہنچا

(۳۱)

وعدے کی جو ساعت دم کشتن ہے ہمارا
جو دوست ہمارا ہے وہ دشمن ہے ہمارا
یہ کاہ ربا سے بھی ہیں کم اے کشش دل
مذکور کچھ ایسا پس چلون ہے ہمارا
افسوس موے شمع شب وصل کی مانند
جو قہقہۂ شادی ہے سو شیون ہے ہمارا
مہتاب کا کیا رنگ کیا دود فغاں نے
احوال شب تار سے روشن ہے ہمارا
دیتا نہیں اس ضعف پہ بھی جوش جنوں چین
ہر ریگ رواں دشت میں توسن ہے ہمارا
تفریح نہ کیوں کر ہو ہوا آ نہیں سکتی
گویا در دلدار نشیمن ہے ہمارا

هل جاتے هی اغیار نکل آتے هیں باهر
زنجیر در یار هے یا سلسلہ اپنا

تھے دشت میں هم راہ مرے آبلۂ چند
سو آپ هی پامال کیا قافلہ اپنا

اس حال کو پہنچے ترے غصے سے کہ اب هم
راضی هیں گر اعدا بھی کریں فیصلہ اپنا

زندہ نہ هوا هائے دل مردہ اگرچہ
تھا شور قیامت سے فزوں ولولہ اپنا

صورت وهی، عظمت وهی، گردش وهی، کیسے
حیراں هیں کہ یہ چرخ هے یا آبلہ اپنا

انصاف کے خواهاں هیں نہیں طالب زر هم
تحسین سخن فہم هے مومن صلہ اپنا

(۴۰)

راز نہاں زبان اغیار تک نہ پہنچا
کیا ایک بھی همارا خط یار تک نہ پہنچا

اللہ ری ناتوانی جب شدت قلق میں
بالیں سے سر اٹھایا دیوار تک نہ پہنچا

روتے تو رحم آتا سو اس کے روبرو تو
اک قطرہ خوں بھی چشم خوں بار تک نہ پہنچا

عاشق سے مت بیاں کر قتل عدو کا مژدہ
پیغام مرگ هے یہ بیمار تک نہ پہنچا

بے بخت رنگ خوبی کس کام کا کہ میں تو
تھا گل ولے کسی کی دستار تک نہ پہنچا

زخم نو بھی مرہم زخم کہن ہے چارہ گر
بند تیر یار سے سینے کا روزن ہوگیا

نیم جلوے کو بھی وہ کہتے ہیں اب بے پردگی
جسم کاہیدہ یہ کس کا صرف چلمن ہوگیا

بس کہ میں سارے برس روتا رہا غم میں ترے
جیٹھ اور بیساکھ کا بھی چاند ساون ہوگیا

اُف رے سوز عشق بریاں دِل کی تسکیں کے لیے
خرمن گل پر جو ٹوٹا وہ بھی گلخن ہوگیا

(ق)

اور کی چاہت کا تو نے جب کیا مجھ پر خیال
تب مجھے بھی تجھ سے وہم ربط دشمن ہوگیا

صاف تھا تو جب تلک مجھ سے تو میں بھی صاف تھا
بدگمانی سے تری اب میں بھی بدظن ہوگیا

مومن دیں‌دار نے کی بت پرستی اختیار
ایک شیخ وقت تھا سو بھی برہمن ہوگیا

(۳۹)

قابو میں نہیں ہے دل کم حوصلہ اپنا
اس جور پہ جب کرتے ہیں تجھ سے گلہ اپنا

لبیک حرم ہم ہیں نہ ناقوس کلیسا
پھر شیخ و برہمن میں ہے کیوں غلغلہ اپنا

تھا روز نخستیں غم شب ہائے دراز آہ
طفلی سے ہے اختر شمری مشغلہ اپنا

شہر میں ہے شہرہ کس قد قیامت زا کا کیوں
جلوہ گاہ حشر ہر ہر کوے و برزن ہوگیا

ہم یقینی جوش وحشت سے فلک پر پہنچتے
خار دامن گیر پر عیسیٰ کی سوزن ہوگیا

آخر اشکوں کے بھر آنے نے ڈبویا ہے مجھے
چشم کا سوراخ لو کشتی کا روزن ہوگیا

خاک آڑائی میں نے کیا طرز جنون قیس کی
شہ جہاں آباد سارا نجد کا بن ہوگیا

داغ سینہ سے دل و جان و جگر سب پھک گئے
تھا چراغ خانہ ہم کو برق خرمن ہوگیا

بے کسی سے نزع میں اپنے کو رویا آپ میں
دم جو کچھ باقی رہا تھا صرف شیون ہو گیا

اپنے ڈھب کی کیا پڑھی اک اور مومن نے غزل
دو ہی دن میں یہ تو کیسا ماہر فن ہوگیا

(۳۸)

میں ہلاک اشتیاق طرز کشتن ہوگیا
دوستی کیا کی کہ اپنا آپ دشمن ہوگیا

دھو دیا اشک ندامت نے گناہوں کو مرے
تر ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہوگیا

ہوگیا سن کر نوید وصل شادی مرگ میں
لب تلک یہ زمزمہ آیا کہ شیون ہوگیا

کون سا گزرا یہاں سے شہسوار نازنیں
سبزۂ تربت مرا پامال توسنِ ہوگیا

سینے پہ ہاتھ دھرتے ہی کچھ دم پہ بن گئی
لو جان کا عذاب ہوا دل کو تھامنا

باقی ہے شوق چاک گریباں ابھی مجھے
بس اے رفوگر اپنی انامل کو تھامنا

مت مانگیو امان بتوں سے کہ ہے حرام
مومن زبان بیہدہ سائل کو تھامنا

(۳۷)

لے اڑی لاشہ ہوا لاغر زبس تن ہوگیا
ذرۂ ریگ بیاباں اپنا مدفن ہوگیا

بن ترے اے شعلہ‌رو آتش کدہ تن ہوگیا
شمع قد پر میرے پروانہ برہمن ہوگیا

تھی کمیں میں غارت بوس دھن ہنگام خواب
شب کی بیداری سحر کا خواب رہزن ہوگیا

ایک ہی جنبش میں تھی صد راحت خواب عدم
طفل ہاے اشک کو گہوارہ دامن ہوگیا

میرے جلنے پر جو رویا غیر تیری بزم میں
سوز دل کو آب اشک آتش پہ روغن ہوگیا

پاؤں زنداں سے اٹھے کیا سر اٹھا سکتے نہیں
حلقۂ زنجیر آخر طوق گردن ہوگیا

جھانکتے ہیں کیا ملائک اس پری رخسار کو
پردہ تو بر[۱] تو افلاک چلمن ہوگیا

---

۱ نسخہ ضیا طبع ۱۹۴۷ع (ص ۳۹) میں ''تو بر تو'' ہے اور نسخہ نول کشور طبع ۱۸۸۰ع (ص ۴۷) میں ''تو پرتو'' ہے۔

ربط بتاں دشمن دیں اتہام ہے
ایسا گناہ حضرت مومن سے کب ہوا

(۳۶)

اے آرزوے قتل ذرا دل کو تھامنا
مشکل پڑا مرا مرے قاتل کو تھامنا
تاثیر بےقراری ناکام آفریں
ہے کام ان سے شوخ شمائل کو تھامنا
دیکھے ہے چاندنی وہ زمیں پر نہ گر پڑے
اے چرخ اپنے تو مہ کامل کو تھامنا
مضطر ہوں کس کا طرز سخن سے سمجھ گیا
اب ذکر کیا ہے سامع عاقل کو تھامنا
ہو صرصر فغاں سے نہ کیوں کر وہ مضطرب
مشکل ہوا ہے پردۂ محمل کو تھامنا
سیکھے ہیں مجھ سے نالۂ نہ آساں شکن
صیاد اب قفس میں عنادل کو تھامنا
یہ زلف خم بہ خم نہ ہو کیا تاب غیر ہے
تیرے جنوں زدے کی سلاسل کو تھامنا
اے ہمدم آہ تلخئی ہجراں سے دم نہیں
گرتا ہے دیکھ جام ہلاہل کو تھامنا
سیماب وار مرگئے ضبط قلق سے ہم
کیا قہر ہے طبیعت مائل کو تھامنا
آغوش گور ہوگئی آخر لہو لہان
آساں نہیں ہے آپ کے بسمل کو تھامنا

دم لینے کی طاقت ہے بیمار محبت میں
اتنا بھی غنیمت ہے مومن کا سنبھل جانا

(۳۵)

کیا قہر طعن بوالہوس بے ادب ہوا
جرم رقیب قتل کا میرے سبب ہوا
محو جفا ستم کش الطاف کب ہوا
رحم اس کو میرے حال پہ آیا غضب ہوا
بوسے دم غضب لیے الٹی سمجھ تو دیکھ
بل جو پڑا جبیں پہ تمنا کو لب ہوا
کس دن تھی اس کے دل میں محبت جو اب نہیں
سچ ہے کہ تو عدو سے خفا بے سبب ہوا
بجلی گری فغاں سے مری آسماں پر
جو حادثہ کبھی نہ ہوا تھا وہ اب ہوا
جی طعن وصل حور سے کیسا جلا دیا
روز جزا کا ذکر جو محفل میں شب ہوا
از بس کہ تھی وصال میں غیروں سے ہم سری
عیش و سرور باعث رنج و تعب ہوا
تھا میں برنگ شعلۂ جوالہ بے قرار
جی خاک ہوگیا مجھے آرام جب ہوا
بر میں عدو کے سوئے بغل سے مری اٹھے
وہ کیا کہ سب کو جذبۂ دل سے عجب ہوا
اب اذن انتقام جفائے فلک تو دوں
سو بار جوش نالہ اجازت طلب ہوا

پا لغز محبت سے مشکل ھے سنبھل جانا
اُس رخ کی صفائی پر اس دل کا پھسل جانا

سینے میں جو دل تڑپا دھر ھی تو دیا دیکھا
پھر بھول گیا کیسا میں ھاتھ کا پھل جانا

اتنا تو نہ گھبراؤ راحت یہیں فرماؤ
گھر میں مرے رہ جاؤ آج اور بھی¹ کل جانا

اے دل وہ جو یاں آیا کیا کیا ھمیں ترسایا
تو نے کہیں سکھلایا قابو سے نکل جانا

کیا ایسے سے دعویٰ ھو محشر میں کہ میں نے تو
نظارۂ قاتل کو احسان اجل جانا

ھے ظلم کرم جتنا تھا فرق پڑا کتنا
مشکل ھے مزاج اتنا اک بار بدل جانا

حوروں کی ثنا خوانی واعظ یوں ھی کب مانی
لے آ کہ ھے نادانی باتوں میں بہل جانا

عشق اُن کی بلا جانے عاشق ھو تو پہچانے
لو مجھ کو اطبا نے سودے کا خلل جانا

(ق)

کیا باتیں بناتا ھے وہ جان جلاتا ھے
پانی میں دکھاتا ھے کافور کا جل جانا

مطلب ھے کہ وصلت میں² ھے بوالہوس آفت میں
اس گرمیٔ صحبت میں اے دل نہ پگھل جانا

۱- نہ آئے ھو (ن ض - ص ۳۵)
۲- ''ھے'' نسخۂ ضیا (صفحہ ۳۶) میں اور نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۸۰ع (صفحہ ۳۶) میں ''میں'' ھے -

(۳۳)

هم رنگ لاغری سے هوں گل کی شمیم کا
طوفان باد هے مجھے جھوکا نسیم کا

چھوڑا نہ کچھ بھی سینے میں طغیان اشک نے
اپنی هی فوج هوگئی لشکر غنیم کا

یاران نو کے واسطے مجھ سے خفا هو هائے
تم کو نہیں هے پاس نیاز قدیم کا

یاد آئی کافروں کو مری آہ سرد کی
کیوں کر نہ کانپنے لگے شعلہ جحیم کا

از بس کہ ثبت نامہ هے سوز تپ دروں
قاصد کا هاتھ هے یدبیضا کلیم کا

واعظ کبھی هلا نہیں کوے صنم سے میں
کیا جانوں کیا هے مرتبہ عرش عظیم کا

سارا هے وصل غیر کے شکوے پہ چاهیے
مدفن جدا جدا مری لاش دونیم کا

کہتا هے بات بات پہ کیوں جان کھا گئے
گویا کہ پک گیا هے کلیجا ندیم کا

واعظ بتوں کو خلد میں لے جائیں گے کہیں
هے وعدہ کافروں سے عذاب الیم کا

مومن تجھے تو وهب هے مومن هی وہ نہیں
جو معتقد نہیں تری طبع سلیم کا

(۳۴)

جوں نکہت گل جنبش هے جی کا نکل جانا
اے باد صبا میری کروٹ تو بدل جانا

میری نگاہ خیرہ دکھاتے ہیں غیر کو
بے طاقتی پہ سرزنش ناز دیکھنا
ترک صنم بھی کم نہیں سوز جحیم سے
مومن غم مآل کا آغاز دیکھنا

(۳۲)

کہہ رہا ہے کون کس سے بے شکیبائی ملا
مجھ کو قسمت سے نصیحت‌گر بھی سودائی ملا
میرے گھر بھی پھرتے چلتے ایک دن آجائے گا
دو مبارک باد اب کے یار ہرجائی ملا
گور میں بھی جوش غم دل سے نہ نکلا ہائےہائے
آپ ہی میں ہم نہیں جب کنج تنہائی ملا
ہم بھی تو ناداں ہیں آخر یاس مطلب کے لیے
خضر موسیٰ کو پئے تعلیم دانائی ملا
پند کو حال زلیخا یاد کر کچھ خیر ہے
کام دل جس کو ملا یاں بعد رسوائی ملا
تلخ کامی پر مجھے تجھ کو لب شیریں پہ ناز
آ مرے جادو سے اعجاز مسیحائی ملا
ہے جنوں ایسے کے آگے ٹھہرنا اے بوالہوس
دیکھتے ہی مجھ کو بھاگا جو تماشائی ملا
جستجو سے وصل دلبر کی تمنا کس لیے
کیا دل گم‌گشتہ اے ہنگامہ آرائی ملا
چھوڑ بت خانے کو مومن سجدہ کعبے میں نہ کر
خاک میں ظالم نہ یوں قدر جبیں سائی ملا

اُس قیامت قد کو شب دیکھا تھا ہم نے خواب میں
دل نے محشر کا سماں وقت سحر دکھلا دیا
صورت اغیار کو دیکھے ہے وہ حیرت زدہ
میرے رنگ رخ نے آئینہ مگر دکھلا دیا
سخت کم‌بختی ہوئی یہ بھی نصیبوں کا لکھا
غیر کو خط نامہ بر نے بے خبر دکھلا دیا
دیکھیں گے مومن یہ ہم ایمان بالغیب آپ کا
اُس بت پردہ نشیں نے جلوہ گر دکھلا دیا

(۳۱)

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا
اڑتے ہی رنگ رخ مرا نظروں سے تھا نہاں
اس مرغ پر شکستہ کی پرواز دیکھنا
دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکت آواز دیکھنا
دیکھ اپنا حال زار منجم ہوا رقیب
تھا سازگار طالع ناساز دیکھنا
بد کام کا مآل برا ہے جزا کے دن
حال سپہر تفرقہ انداز دیکھنا
مت رکھیو گرد تارک عشاق پر قدم
پامال ہو نہ جائے سر افراز دیکھنا
کشتہ ہوں اُس کی چشم فسوں گر کا اے مسیح
کرنا سمجھ کے دعویٔ اعجاز دیکھنا

درباں کو آنے دینے پہ میرے نہ کیجے قتل
ورنہ کہیں گے سب کہ یہ کوچہ حرم نہ تھا
مومن چلا گیا تو چلا جائے اے بتو
آخر قدیم خادم بیت الصنم نہ تھا

(۳۰)

غیر کو سینہ کہے سے سیم بر دکھلا دیا
تم نے کیا کچھ کس کو اپنی[1] بات پر دکھلا دیا
زرد منہ دکھلا دیا غم کا اثر دکھلا دیا
آج ہم نے اُس کو اپنا زور و زر دکھلا دیا
صبح سے تعریف ہے صبر و سکون غیر کی
کس نے شب مجھ کو تڑپتے پیش در دکھلا دیا
موت کے صدقے کہ وہ بے پردہ آئے لاش پر
جو نہ دیکھا تھا تماشا عمر بھر دکھلا دیا
اُس کے دل میں اب خیال قتل ہر دم آئے ہے
موت کو کس نے الٰہی میرا گھر دکھلا دیا
گو حسد سے ہو پر اب بھی ہے وہی ناصح کی بات
ناحق اُس جان جہاں کو اک نظر دکھلا دیا
نام الفت کا نہ لوں گا جب تلک ہے دم میں دم
تونے چاہت کا مزہ اے فتنہ گر دکھلا دیا
جب کہا دل پھیر دو بولے کہ دل پہلو میں ہے
میں نے اُن کی ضد سے سینہ کاٹ کر دکھلا دیا

۱- اتنی

یہ رنگ آمیزیاں کیسی ہیں کس کا در ہے دیکھو تو
مجھے تو کچھ نظر آتا ہے یہ خوں‌ناب اپنا سا
بناوٹ سے یہ زلفیں لاکھ بل کھایا کریں لیکن
یہ ممکن ہی نہیں ہووے جو پیچ و تاب اپنا سا
اگرچہ شعر مومن بھی نہایت خوب کہتا ہے
کہاں ہے لیک معنی بند مضموں یاب اپنا سا

(۲۹)

کیا مرتے دم کے لطف میں پنہاں ستم نہ تھا
وہ دیکھتے تھے سانس کو اور مجھ میں دم نہ تھا
بے خود تھے غش تھے محو تھے دنیا کا غم نہ تھا
جینا وصال میں بھی تو مرنے سے کم نہ تھا
شاید کہ دست غیر رہا رات شانہ کش
اس زلف تاب دادہ میں کچھ آج خم نہ تھا
جوش قلق نے اس کو بھی دیوانہ کر دیا
پہلے تو ورنہ طبع تحمل میں رم نہ تھا
کیوں جور متصل سے ترے غیر کھنچ گئے
میں کیا حریف کش مکش دم بہ دم نہ تھا
چھڑکے ہے لون زخم پہ وہ کیوں نہ ہوں غمیں
الماس کی تھی آس جبھی تک الم نہ تھا
میں مرگیا وہ چشم جو یاد آئی اور یار
حیران ہیں کہ مے تھی پیالے میں سم نہ تھا
چھوڑا نہ دل میں کچھ بھی تپ ہجر نے کہ رات
روتے تھے زار زار اور آنکھوں میں نم نہ تھا!

دل‌دهی کیسی وہ دم دیتے ہیں سو اے دشمن
کیا نہ دیتے مجھے میں آپ ہی سائل نہ ہوا

خوں مرا ہار گلے کا نہ ہو کیوں اے قاتل
دست رنگیں مری گردن میں حمائل نہ ہوا

آتش سینۂ تفسیدہ کو میں کیا روؤں
اشک جانب کرۂ آب کے مائل نہ ہوا

دیتے تکلیف شب ہجر میں کیا اپنے پاس
نقد جاں پیش‌کش مرگ کے قابل نہ ہوا

بے حجابی کا گلہ کیجیے تو کہتا ہے ترے
پردۂ چشم کی تقصیر کہ حائل نہ ہوا

کیا گلے ہوتے گر اوروں پہ بھی رحم آ جاتا
شکر صد شکر کہ میرا سا ترا دل نہ ہوا

مرگیا جس پہ نہیں گھر میں رسائی اُس کے
تھا تو مومن میں ولے خلد میں داخل نہ ہوا

(۲۸)

فراق غیر میں ہے بے قراری یاب اپنا سا
بنایا تو نے اس کو بھی دل بے تاب اپنا سا

کسی کا سوز دل ہرگز تجھے باور نہیں آتا
تو سب کو جانے ہے اے مہر عالم تاب اپنا سا

جواب خون ناحق میرا ایسا کیا دیا تونے
کہ ظالم رہ گئے منہ لے کے سب احباب اپنا سا

اگر مرضی یہی ٹھہری کہ تجھ کو چھوڑ دوں مجھ کو
بتا دے اور کوئی غیرت مہتاب اپنا سا

ہوکے یوسف جو دل چراتے ہو
کون ہو جائے گا غلام مرا
اُس لب لعل کی شکایت ہے
کیوں کہ رنگیں نہ ہو کلام مرا
تو نے رسوا کیا مجھے ایب تک
کوئی بھی جانتا تھا نام مرا
(ق)
زانوے بت پہ جان دی دیکھا
مومن انجام و اختتام مرا
بندگی کام آرہی آخرر
میں نہ کہتا تھا کیوں سلام مرا

(۲۷)

ناز بےجا سے سوا شرم کے حاصل نہ ہوا
غیر پر ظلم کیے میرے مقابل نہ ہوا
خود گلا کاٹ موا جب کہ میں بسمل نہ ہوا
اُن کو آساں نہ ہوا جو مجھے مشکل نہ ہوا
کس طرح بزم میں وہ آنکھ چراتے مجھ سے
دل کو کھوکر یہ ڈرا تھا کہ میں غافل نہ ہوا
خوں چھپانے کو مری لاش سے کہتا ہے وہ شوخ
مجھ کو یہ غم ہے کہ میں کیوں ترا قاتل نہ ہوا
یاد کاکل میں بھی خود رفتگی اپنی نہ گئی
جوشِ وحشت سے میں پابند سلاسل نہ ہوا

جبہ سائی کا بھی نہیں مقدور
آن کی عالی جناب نے مارا

نازک اندام سے لگی ہے آنکھ
حسرت فرش خواب نے مارا

کس پہ مرتے ہو آپ پوچھتے ہیں
مجھے فکر جواب نے مارا

یوں کبھی نوجواں نہ مرتا میں
تیرے عہد شباب نے مارا

مومن از بس ہیں بے شمار گناہ
غم روز حساب نے مارا

(۲۶)

دیکھ لو شوق نا تمام مرا
غیر لے جائے ہے پیام مرا

بے اثر ہے فغان خوں آلود
کیوں نہ ہوئے خراب کام مرا

آتشیں خو سے آرزوے وصال
پک گیا اب خیال خام مرا

دیکھنا کثرت بلا نوشی
کاسۂ آسماں ہے جام مرا

رتبہ افتادگی کا دیکھو ہے
عرش کے بھی پرے مقام مرا

کس صنم کو چھڑا دیا واعظ
لے خدا تجھ سے انتقام مرا

کیا جی لگا ہے تذکرۂ یار میں عبث
ناصح سے مجھ کو آج تلک اجتناب تھا
روز جزا خدا بت جلاد کو ملا
گویا کہ خون ناحق مومن صواب تھا

(۲۵)

مجھ کو تیرے عتاب نے مارا
یا مرے اضطراب نے مارا
بزم مے میں بس ایک میں محروم
آپ کے اجتناب نے مارا
لے کے دل بھی کجی نہیں جاتی
زلف کے پیچ و تاب نے مارا
کیا پسند آئی اپنی جورکشی
چرخ کے انتخاب نے مارا
خاک اٹھیں گے خواب سے جو یوں ہی
ترک آرام و خواب نے مارا
تشنہ کامی وصال کی مت پوچھ
شوق تیغ خوش آب نے مارا
خون کیوں کر مرا کھلے کہ مجھے
اک سراپا حجاب نے مارا
یاد ایام وصل یار افسوس
دہر کے انقلاب نے مارا
لب مے گوں پہ جان دیتے ہیں
ہمیں شوق شراب نے مارا

(۲۴)

روزِ جزا جو قاتلِ دل جُو خطاب تھا
میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا

ناصح ہے طعنہ زن مری ناکامیوں پہ کیا
دل جوئیوں سے تیری کبھی کامیاب تھا

پھرنے سے شام وعدہ تھکے یہ کہ سو رہے
آرام شکوۂ ستم اضطراب تھا

کیا کیا شکن دیے ہیں دلِ زار کو مگر
اُس کے خیال میں ورق انتخاب تھا

عاشق ہوئے ہیں آپ کہیں گو اُسی پہ ہوں
شب حالِ غیر مجھ سے زیادہ خراب تھا

وقتِ وداع بے سبب آزردہ کیوں ہوئے[۱]
یوں بھی تو ہجر میں مجھے رنج و عذاب تھا

وہ چشمِ انتظار کہاں باز بعد مرگ
دیکھا تو ہم نے آنکھ نہ لگنا بھی خواب تھا

بے پردہ غیر سے نہ ہوا ہوگا شب، کہ صبح
آنکھوں میں شرم تھی نہ نظر میں حجاب تھا

دیکھا نہ ہے یہ رشک و حسد وہ بلا کہ آج
سنبل کو تیری زلف کا سا پیچ و تاب تھا

ہوں کیوں نہ محو حیرت نیرنگ ہائے شوق
جو دل میں شعلہ تھا وہی آنکھوں میں آب تھا

۱۔ نسخۂ ضیا ''کیا'' (صفحہ ۲۶ طبع ۱۹۴۷ء) نسخۂ نول کشور (۱۸۸۰ء) میں ''ہوئے'' (حاشیہ ص ۴۲) -

(۲۳)

یہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا
میں الزام اس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

نہ شادی مرگ ہو کیوں کر ہے مژدہ قتل دشمن کا
کہ / گھر میں سے لیے شمشیر وہ روتا نکل آیا

ستم اے گرمئی ضبط فغاں و آہ چھاتی پر
کبھو بس پڑ گیا چھالا کبھو پھوڑا نکل آیا

کیا زنجیر مجھ کو چارہ‌گر نے کن دنوں میں جب
عدو کی قید سے وہ شوخ بے پروا نکل آیا

نکل آیا اگر آنسو تو ظالم مت نکال آنکھیں
سنا معذور ہے مضطر نکل آیا نکل آیا

ہمارے خوں‌بہا کا غیر سے دعویٰ ہے قاتل کو
یہ بعد انفصال اب اور ہی جھگڑا نکل آیا

ہوئی بلبل ثناخوان دہان تنگ کس گل کی
کہ فروردیں میں غنچے کا منھ اتنا سا نکل آیا

کوئی تیر اس کا دل میں رہ گیا تنہا کیا کہ آنکھوں سے
ابھی رونے میں اک پیکان کا ٹکڑا نکل آیا

دم بسمل یہ کس کے خوف سے ہم پی گئے آنسو
کہ ہر زخم بدن سے خون کا دریا نکل آیا

خدنگ یار کے ہم‌راہ نکلی جان سینے سے
یہی ارمان اک مدت سے جی میں تھا نکل آیا

بہت نازاں ہے تو اے قیس وحشت پر دکھاؤں گا
کتابوں میں کبھو قصہ جو مومن کا نکل آیا

(۲۲)

دل بے تاب کو گر باندھ کر رکھوں نہ ٹھہرے گا
سوا اُس در کی زنجیروں کے یہ مجنوں نہ ٹھہرے گا
طپش سے خاک میں بھی عاشق مدفوں نہ ٹھہرے گا
کہ گنبد قبر کا جوں گنبد گردوں نہ ٹھہرے گا
نہ ٹھہرا بوسہ تو دینا دل مفتوں نہ ٹھہرے گا
اگرواں ووں نہ ٹھہرے گا تو یاں بھی یوں نہ ٹھہرے گا
اگر گردش یہی ہے مغبچوں کی چشم مےگوں کی
کف ساقی میں جام بادۂ گل‌گوں نہ ٹھہرے گا
مرے خط میں شکایت اُس کے شہباز نظر کی ہے
پر و بال کبوتر ایک اک لکھ دوں نہ ٹھہرے گا
اسے خو پڑگئی ہے بے طرح زانوے جاناں کی
یہ سر تکیے پہ ہمدم جس طرح رکھوں نہ ٹھہرے گا
سراپا بس کہ محو شوخیٔ قاتل ہوں محشر تک
مرے زخموں سے جاری ہی رہے گا خوں نہ ٹھہرے گا
کیا پھر عیادت گر ارادہ اُس نے آنے کا
تو جب تک جان ہے درد دل محزوں نہ ٹھہرے گا
ہوئی تاثیر گر تھوڑی سی بھی اُس سرو موزوں کو
زمیں کیا آسماں پر نالۂ موزوں نہ ٹھہرے گا
مہ نو بن گئے ہم طول شب ہائے جدائی سے
کہاں تک دیکھیے وہ حسن روزافزوں نہ ٹھہرے گا
وہ شاعر ہوں کہ باندھوں گا خم زنجیر کاکل سے
اگر دل کے قلق کا دھیان میں مضموں نہ ٹھہرے گا
طواف کعبہ کا خوگر ہے دیکھو صدقے ہونے دو
بتو سمجھو ذرا مومن ہے مومن یوں نہ ٹھہرے گا

ہیں اسیر اُس کے جو ہے اپنا اسیر
ہم نہ سمجھے صید کیا صیاد کیا

شوخ بازاری تھی شیریں بھی مگر
ورنہ فرق خسرو و فرہاد کیا

نشۂ الفت سے بھولے یار کو
سچ ہے ایسی بے خودی میں یاد کیا

نالہ اک دم میں اُڑا ڈالے دھوئیں
چرخ کیا اور چرخ کی بنیاد کیا

جب مجھے رنج دل‌آزاری نہ ہو
بے وفا پھر حاصل بےداد کیا

پاؤں تک پہنچی وہ زلف خم بہ خم
سرو کو اب باندھیے آزاد کیا

کیا کروں اللہ سب ہیں بے اثر
ولولہ کیا نالہ کیا فریاد کیا

دل ربائی زلف جاناں کی نہیں
پیچ و تاب طرۂ شمشاد کیا

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس
آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

روز محشر کی توقع ہے عبث
ایسی باتوں سے ہو خاطر شاد کیا

گر بہائے خون عاشق ہے وصال
انتقام زحمت جلاد کیا

بت کدہ جنت ہے چلیے بے ہراس
لب پہ مومنؔ ہر چہ بادا باد کیا

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

ناکامیوں میں تم نے جو تشبیہ مجھ سے دی
شیریں کو درد تلخیٔ فرہاد آ گیا

ہم چارہ گر کو یوں ہی پنھائیں گے بیڑیاں
قابو میں اپنے گر وہ پری‌زاد آگیا

دل کو قلق ہے ترک محبت کے بعد بھی
اب آسماں کو شیوۂ بے‌داد آ گیا

وہ بدگماں ہوا جو کہیں شعر میں مرے
ذکر بتان خلّخ و نوشاد آ گیا

تھے بے گناہ جرأت پابوس تھی ضرور
کیا کرتے وہم خجلت جلاد آ گیا

جب ہو چکا یقیں کہ نہیں طاقت وصال
دم میں ہمارے وہ ستم ایجاد آ گیا

ذکر شراب و حور کلام خدا میں دیکھ
مومن میں کیا کہوں مجھے کیا یاد آ گیا

(۲۱)

وعدۂ وصلت سے دل ہو شاد کیا
تم سے دشمن کی مبارک باد کیا

کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی
آشیاں اپنا ہوا برباد کیا

نالۂ پیہم سے یاں فرصت نہیں
حضرت ناصح کریں ارشاد کیا

(۱۹)

کسی کا ھوا آج کل تھا کسی کا
نہ ھے تو کسی کا نہ ھوگا کسی کا

کیا اُس[1] نے قتل جہاں اک نظر سیں
کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا

نہ میری سنے وہ نہ میں ناصحوں کی
نہیں مانتا کوئی کہنا کسی کا

مجھے مار ڈالا ھے انکار نے پھر
نہ کہنا کہ کیا مجھ پہ دعویٰ کسی کا

جو پھر جائے اُس بے وفا سے تو جانوں
کہ دل پر نہیں زور چلتا کسی کا

صبا نکہت یار لائی کہاں سے
نہیں دخل اُس کُو میں اصلا کسی کا

وہ کرتے ھیں بے باک عاشق کشی یوں
نہیں کوئی دنیا میں گویا کسی کا

کوئی کیا کرے آپ ھرجائی ھو تم
نہیں میری جاں شکوہ بے جا کسی کا

دم الحذر اور عشق بتاں سے
تجھے ڈر ھے اے مومن ایسا کسی کا

(۲۰)

محشر میں پاس کیوں دم فریاد آگیا
رحم اُس نے کب کیا تھا کہ اب یاد آگیا

۱- ''تم'' نسخہ ضیا (صفحہ ۱۹)۔

سر سے شعلے اٹھتے ھیں آنکھوں سے دریا جاری ھے
شمع سے یہ کس نے ذکر اس محفل آرا کا کیا

روئیے کیا بخت خفتہ کو کہ آدھی رات سے
میں یہاں رویا کیا اور وہ وھاں سویا کیا

آتش الفت بجھا دی داغ ھائے رشک[1] نے
مدعی کی گرمیٔ صحبت نے جی ٹھنڈا کیا

آنکھ عاشق کی کوئی پھرتی ھے اے وعدہ خلاف
دیکھ لے میں مرتے مرتے سوئے در دیکھا کیا

دلبروں میں بے وفا میری وفا کی دھوم ھے
بوالہوس سے کیوں کہا تھا راز جو افشا کیا

چارہ گر زنداں[2] میں اس کے آستاں سے لے گئے
ایک بھی میری نہ مانی لاکھ سر پٹکا کیا

غیر کا اور آپ کا گر دل نہیں ھے ایک تو
کیوں ترے دل میں مری یاد آنے کا چرچا کیا

کیا خلش تھی رات دل میں آرزوئے قتل کی
ناخن شمشیر سے میں سینہ کھجلایا کیا

کیا خجل ھوں اب علاج بے قراری کیا کروں
دھر دیا ھاتھ اس نے دل پر تو بھی دل دھڑکا کیا

عرض ایماں سے ضد اس غارتگر دیں کو بڑھی
تجھ سے اے مومن خدا سمجھے یہ تونے کیا کیا

۱- ''اشک'' نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۸۰ع (صفحہ ۴۰) میں ''رشک'' نسخۂ ضیا طبع الٰہ آباد ۱۹۴۷ع (صفحہ ۱۸) میں ھے -

۲- ''کعبے'' نسخۂ ضیا (ص ۱۹) - ''زنداں'' نسخۂ نول کشور (صفحہ ۴۰) -

نقد جاں تھا نہ سزاے دیت عاشق حیف
خون فرہاد سر گردن فرہاد رہا

لذت جور سے دم لینے کی فرصت نہ رہی
کیا اثر منتظر دعوت فریاد رہا

یاد سہواً آسے اے غیر ہے نسیاں عمداً
یاد رکھ بھول گیا جس کو وہی یاد رہا

سر پٹکنے نے مرے سنگ در آس کا توڑا
یہی سودا ہے تو گھر کاہے کو آباد رہا

کرۂ خاک ہے گردش میں طپش سے میری
میں وہ مجنوں ہوں کہ زنداں میں بھی آزاد رہا

چھوٹنا دام شکستہ سے بھی آساں نہیں
میں گرفتار خم گیسوے صیاد رہا

لے چلا جوش جنوں جانب صحرا افسوس
جب مرے کوچے میں آ کر وہ پری زاد رہا

گہ غم حور گہے عشق بتاں اے مومن
میں سدا سوختۂ حسن خدا داد رہا

(۱۸)

میں نے تم کو دل دیا تم نے مجھے رسوا کیا
میں نے تم سے کیا کیا اور تم نے مجھ سے کیا کیا

کشتۂ ناز بتاں روز ازل سے ہوں مجھے
جان کھونے کے لیے اللہ نے پیدا کیا

روز کہتا تھا کہیں مرتا نہیں ہم مرگئے
اب توخوش ہو بےوفا تیرا ہی لے کہنا کیا

اس لب نازک کو برگ گل سے دیتے ھیں' مثال
ھونٹ برگ لالہ تھے اور نیل داغ لالہ تھا
اک نگاہ سرسری دیوانہ ھم کو کرگئی
گردش چشم پری رو ساحر بنگالہ تھا
دیکھ کر یہ مجمع امڈا کیا ھی ابر اشک آہ
حلقۂ اغیار اُس کے گرد مہ کا ھالہ تھا
آبلے کیوں کر نہ نکلیں جائے اشک آنکھوں سے آہ
میرے پہلو میں ابھی وہ آگ کا پرکالہ تھا
شور الفت نے کیا کیا بے مزہ جلاد کو
گرم خونی سے لب شمشیر پر تبخالہ تھا
آہ پر دود اپنی کب زیب فلک تھی رات کو
دیدۂ مہتاب میں سرمے کا یہ دنبالہ تھا
مومن عاشق طبیعت نوجواں ھی مرگیا
عشق طفل چند سالہ دشمن صد سالہ تھا

(۱۷)

میرے کوچے میں عدو مضطر و ناشاد رہا
شب خدا جانے کہاں وہ ستم ایجاد رہا
اُس روانی سے ذرا خنجر بے داد رہا
بارے اک دم اثر نالہ و فریاد رہا
بے کسی نے نہ دیا ھائے تہہ خاک بھی چین
تا قیامت الم گریۂ جلاد رہا

۱- ھی

یہی حالت رہی آٹھوں پہر تجھ بن کہ دم الٹے
سحر تک شام سے دل صبح سے تا شام لیتا تھا

عبث آلفت بڑھی تم کو وہ کب دیتا تھا دم تم پر
یہ مجھ کو دیکھ کر دشمن کلیجا تھام لیتا تھا

چھٹایا کیوں مرا واں رات دن رہنا بہم پھرنا
بتا تو کیا ترا میں گردش ایام لیتا تھا

نہ کانٹوں پر کوئی یوں لوٹے جوں میں بستر گل پر
ترے بن کروٹیں شب اے سمن اندام لیتا تھا

رقیبوں پر ہوئی کیا آج فرمائش جواهر کی
کہ هیرا عاشق خط زمّرد فام لیتا تھا

سحر تک شام سے تجھ بن یہی حالت رکھی دل نے
نہ مجھ کو چین دیتا تھا نہ آپ آرام لیتا تھا

نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا
کہ هر هر بات میں ناصح تمھارا نام لیتا تھا

میں اس کی بزم سے میں زهر پی کیونکر نہ مر جاتا
کہ میرے سامنے اس لب کے بوسے جام لیتا تھا

اگر مومن هی هو مومن ولے میں تو نہ مانوں گا
جو عہد دوستی وہ دشمن اسلام لیتا تھا

(۱٦)

وقت جوش بحر گریہ میں جو گرم نالہ تھا
حلقۂ گرداب رشک شعلۂ جوّالہ تھا

آگ کیا هم کو لگائی ابر نے تیرے بغیر
وقت بارش اخگر خورشید تف هر ژالہ تھا

(۱۴)

شب غم فرقت ہمیں کیا کیا مزے دکھلائے تھا
دم رکے تھا سینے میں کم بخت جی گھبرائے تھا

یا تو دم دیتا تھا وہ یا نامہ بر بہکائے تھا
تھے غلط پیغام سارے کون یاں تک آئے تھا

بل بے عیاری عدو کے آگے وہ پیماں شکن
وعدۂ وصل آج پھر کرتا تھا اور شرمائے تھا

سن کے میری مرگ بولے مرگیا اچھا ہوا
کیا برا لگتا تھا جس دم سامنے آ جائے تھا

یارو دشمن راہ میں کل دیکھنا کیوں کر ملے
وہ اُدھر کو جائے تھا اور یہ ادھر کو آئے تھا

بات شب کو اُس سے منع بے قراری پر بڑھی
ہم تو سمجھے اور کچھ وہ اور کچھ سمجھائے تھا

کوئی دن تو اس پہ کیا تصویر کا عالم رہا
ہر کوئی حیرت کا پتلا دیکھ کر بن جائے تھا

سوے صحرا لے چلے اس کُو سے میری نعش ہاے
تھا یہی ڈر ان دنوں تلوا مرا کھجلائے تھا

ناز شوخی دیکھنا وقت تظلم دم بدم
مجھ سے وہ عذر جفا کرتا تھا اور جھنجلائے تھا

ہو گئی دو روز کی الفت میں کیا حالت ابھی
مومن وحشی کو دیکھا اس طرف سے جائے تھا

(۱۵)

ہماری جان شب تجھ بن دل ناکام لیتا تھا
خدنگ آہ سے تیر قضا کا کام لیتا تھا

(١٣)

ٹانکنے چاک گریباں کو تو ہر بار لگا
ھاتھ کٹواؤں جو ناصح رہے اب تار لگا

بس کہ اک پردہ نشیں سے دل بیمار لگا
جو مریضوں سے چھپاتے ھیں وہ آزار لگا

جذبۂ دل کو نہ چھاتی سے لگاؤں کیوں کر
آپ وہ میرے گلے دوڑ کے اک بار لگا

شوخ تھا رنگ حنا میرے لہو سے سو ھے
قتل اغیار سے کیا ھاتھ ترے یار لگا

تو کسی کا بھی خریدار نہیں پر ظالم
سرفروشوں کا ترے کوچے میں بازار لگا

دُرّ و یاقوت کی پھر غیر پہ فرمایش ھے
جوھری کی تو دکاں چشم گہربار لگا

یاد آئی مجھے ناصح کی زباں کی تیزی
دیکھ اغوائے رقیباں سے نہ تلوار لگا

منھ میں کیسا خم صہبا کے بھر آیا پانی
تیرے لب سے جو لب ساغر سرشار لگا

(ق)

ناگہاں نعش پہ عاشق کی دم نوحہ گری
کوئی مذکور ترا کرنے ستمگار لگا

دیکھ تو حسرت دیدار، پس مردن بھی
آنکھیں وہ کھول کے تکنے در و دیوار لگا

کعبے سے جانب بت خانہ پھر آیا مومن
کیا کرے جی نہ کسی طرح سے زنہار لگا

(۱۲)

رات کس کس طرح کہا نہ رہا
نہ رہا پر وہ مہ لقا نہ رہا
غیر آ کر قریب خانہ رہا
شوق اب تیرے آنے کا نہ رہا
تیرے پردے نے کی یہ پردہ دری
تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا
غم مرا کس لیے کہ دنیا میں
نہ رہا میں مرا فسانہ رہا
مدعا غیر سے کہا تا وہ
سمجھے اب کچھ بھی مدعا نہ رہا
کس کی زلفوں کا دھیان تھا کہ میں شب
محو دود چراغ خانہ رہا
غیر چھڑکے ہے زخم دل پہ نمک
شور الفت میں بھی مزا نہ رہا
پہنچے وہ لوگ رتبے کو کہ مجھے
شکوۂ بخت نارسا نہ رہا
تلخ کامی نصیب اعدا حیف
جب کہ وہ اپنے کام کا نہ رہا
دل لگانے کے تو اٹھائے مزے
جی بلا سے رہا رہا نہ رہا
تو فلک مرگ ہم سے سب غافل
اب کسی کا بھی آسرا نہ رہا
مومن اس بت کے نیم ناز ہی میں
تم کو دعوائے اتقا نہ رہا

کب پاس پھٹکنے دوں رقیبوں کو تمھارے
پر پاس تمھارا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ناصح کو جو چاہوں تو ابھی ٹھیک بنا دوں
پر خوف خدا کا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کیا کیا نہ کہے غیر کی گر بات نہ پوچھو
یہ حوصلہ میرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کیا کہیے نصیبوں کو کہ اغیار کا شکوہ
سن سن کے وہ چپکا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

مت پوچھو کہ کس واسطے چپ لگ گئی ظالم
بس کیا کہوں میں کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

چپکے سے ترے ملنے کا گھر والوں میں تیرے
اس واسطے چرچا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ہاں تنگ دہانی کا نہ کرنے کے لیے بات
ہے غدر پر ایسا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

اے چارہ گرو قابل درماں نہیں یہ درد
ورنہ مجھے سودا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ہر وقت ہے دشنام ہر اک بات میں طعنہ
پھراس پہ بھی کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کچھ سن کے جو میں چپ ہوں تو تم کہتے ہو بولو
سمجھو تو یہ تھوڑا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

سنتا نہیں وہ ورنہ یہ سرگوشیٔ اغیار
کیا مجھ کو گوارا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

مومن بہ خدا سحر بیانی کا جبھی تک
ہر ایک کو دعویٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

طالع برگشته مرے کیا پھریں
ملک عدم سے نہ پھرا جو گیا
ساتھ نہ چلنے کا بہانہ تو دیکھ
آ کے مری نعش پہ وہ رو گیا
شوخیٔ قاتل کے میں قربان ہوں
کہتے رہے سب یہ گیا وو گیا
صبر نہیں شام فراق آچکو
جس سے کہ بے زار تھے تم سو گیا
شکر اثر تھا گلۂ دشمناں
نالہ مرے کام سے یارو گیا
زلف کی بو آئے گی ہم کو اگر
غیر کے گھر دستۂ شبّو گیا
ہائے صنم ہائے لب پہ کیوں
خیر ہے مومن تمہیں کیا ہوگیا

(۱۱)

ڈر تو مجھے کس کا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
پر حال یہ افشا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
ناصح یہ گلہ کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
تو کب مری سنتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
میں بولوں تو چپ ہوتے ہیں اب آپ جبھی تک
یہ رنجش بےجا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کچھ غیر سے ہونٹوں میں کہے ہے پہ جو پوچھو
تو ووہیں مکرتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

گرتے جو مجھے یاد شب وصل عدو تم
کیا صبح کہ خورشید نہ تا شام نکلتا

جب جانتے تاثیر کہ دشمن بھی وہاں سے
اپنی طرح اے گردش ایام نکلتا

ہر ایک سے اس بزم میں شب پوچھتے تھے نام
تھا لطف جو کوئی مرا ہم نام نکلتا

کیوں کام طلب ہے مرے آزار سے گردوں
ناکام سے دیکھا ہے کہیں کام نکلتا

تھی نوحہ زنی دل کے جنازے پہ ضروری
شاید کہ وہ گھبرا کے سر بام نکلتا

کانٹا سا کھٹکتا ہے کلیجے میں غم ہجر
یہ خار نہیں دل سے گل‌اندام نکلتا

حوریں نہیں مومن کے نصیبوں میں جو ہوتیں
بت خانے ہی سے کیوں یہ بدانجام نکلتا

(۱۰)

وصل کی شب شام سے میں سو گیا
جاگنا ہجراں کا بلا ہو گیا

دل نہ پھرا جان ہی ٹھہرے خدا
یہ تو نہ جائے کہیں وہ تو گیا

آئنہ جلدی سے پٹک دو کہیں
دل ہی نہیں ہاتھ سے دیکھو گیا

ہوں میں سیہ روز کہ وہ شمع رو
شام کو آیا تھا سحر کو گیا

کچھ اپنے ہی نصیب کی خوبی تھی بعد مرگ
ہنگامۂ محبت اغیار کم ہوا

معشوق سے بھی ہم نے نبھائی برابری
واں لطف کم ہوا تو یہاں پیار کم ہوا

آئے غزال چشم سدا میرے دام میں
صیاد ہی رہا میں گرفتار کم ہوا

نا کامیوں کی کاھش بےحد کا کیا علاج
بوسہ دیا تو ذوق لب یار کم ہوا

ہر چند اضطراب میں میں نے کمی نہ کی
تو بھی نہ واں تغافل بسیار کم ہوا

کیا مجھ میں دم بھی لینے کی طاقت نہیں رہی
کیوں شور نالہ ھائے عزا بار کم ہوا

سب تا بہ فتنہ چونک پڑے تیرے عہد میں
اک میرا بخت تھا کہ وہ بیدار کم ہوا

کچھ قیس اور میں ہی نہیں سب کے سب موے
اچھا تو درد عشق کا بیمار کم ہوا

ذکر بتاں سے پہلی سی نفرت نہیں رہی
کچھ اب تو کفر مومن دیں دار کم ہوا

(۹)

گر غیر کے گھر سے نہ دل آرام نکلتا
دم کاھے کو یوں اے دل نا کام نکلتا

میں وہم سے مرتا ہوں وھاں رعب سے اس کے
قاصد کی زباں سے نہیں پیغام نکلتا

(۷)

موے نہ عشق میں جب تک وہ مہرباں نہ ہوا
بلاے جاں ہے وہ دل جو بلاے جاں نہ ہوا
خدا کی یاد دلاتے تھے نزع میں احباب
ہزار شکر کہ اس دم وہ بدگماں نہ ہوا
ہنسے نہ غیر مجھے بزم سے اٹھانے پر
سبک ہے وہ کہ تری طبع پر گراں نہ ہوا
دیت میں روز جزا لے رہیں گے قاتل کو
ہمارا جان کے جانے میں بھی زیاں نہ ہوا
وہ آئے بہر عیادت تو تھا میں شادی مرگ
کسی سے چارۂ بے داد آسماں نہ ہوا
لگی نہیں ہے یہ چپ لذت ستم سے کہ میں
حریف کش مکش نالہ و فغاں نہ ہوا
دم حساب رہا روز حشر بھی یہی ذکر
ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا
ہے شرط ہم پہ عنایت میں گو نہ گونہ ستم
کبھی محبت دشمن کا امتحاں نہ ہوا
وہ حال زار ہے میرا کہ گاہ غیر سے بھی
تمھارے سامنے یہ ماجرا بیاں نہ ہوا
امید وعدۂ دیدار حشر پر مومن
تو بے مزا تھا کہ حسرت کش بتاں نہ ہوا

(۸)

سم کھا موے تو درد دل زار کم ہوا
بارے کچھ اس دوا سے تو آزار کم ہوا

زندگیٔ ہجر بھی اک موت تھی
مرگ نے کیا کار مسیحا کیا

پان میں یہ رنگ کہاں آپ نے[1]
آپ مرے خون کا دعویٰ کیا

جور کا شکوہ نہ کروں ظلم ہے
راز مرا صبر نے افشا کیا

کچھ بھی بن آتی نہیں کیا کیجیے
اس کے بگڑنے نے کچھ ایسا کیا

جائے تھی تیری مرے دل میں سو ہے
غیر سے کیوں شکوۂ بےجا کیا

رحم فلک اور مرے حال پر
تو نے کرم اے ستم‌آرا کیا

سچ ہے سہی آپ کا پیماں ولے
مرگ نے کب وعدۂ فردا کیا

دعویٔ تکلیف سے جلاد نے
روز جزا قتل پھر اپنا کیا

مرگ نے ہجراں میں چھپایا ہے منہ
لو منہ آسی پردہ نشیں کا کیا

دشمن مومن ہی رہے بت سدا
مجھ سے مرے نام نے یہ کیا کیا

۱- نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۸۰ع میں (صفحہ ۳۶) ''کے'' غلط ہے -

چارہ جو اور بھی اچھا میں[1] کروں گا ٹکڑے
پردۂ شوخ جو پیوند گریباں ہوگا

دوستی اُس صنم آفت ایماں سے کرے
مومن ایسا بھی کوئی دشمن ایماں ہوگا

(٦)

دیدۂ حیراں نے تماشا کیا
دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا

ضبط فغاں گو کہ اثر تھا کیا
حوصلہ کیا کیا نہ کیا کیا کیا

آنکھ نہ لگنے سے سب احباب نے
آنکھ کے لگ جانے کا چرچا کیا

مرگئے اُس کے لب جاں بخش پر
ہم نے علاج آپ ہی اپنا کیا

بجھ گئی اک آہ میں شمع حیات
مجھ کو دم سرد نے ٹھنڈا کیا

غیر عیادت سے برا مانتے
قتل کیا آن کے اچھا کیا

اُن سے پری‌وش کو نہ دیکھے کوئی
مجھ کو مری شرم نے رسوا[2] کیا

۱- ''میں'' نسخۂ ضیا طبع ثانی ۱۹۴۷ع (ص ٦) ''وہ'' نسخۂ نول کشور (طبع ۱۸۸۰ع حاشیۂ ص ۳۵)

۲- نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۸۰ (حاشیہ ص ۳۵) میں بجائے ''رسوا'' ''اچھا'' غلط ہے -

گر ترے خنجر مژگاں نے کیا قتل مجھے
غیر کیا کیا ملک‌الموت کے قرباں ہوگا
اپنے انداز کی بھی ایک غزل پڑھ مومن
آخر اس بزم میں کوئی تو سخن داں ہوگا

(۵)

بے سبب کیوں کہ لب زخم پہ افغاں ہوگا
شور محشر سے بھرا اس کا نمک‌داں ہوگا
آخر امید ہی سے چارۂ حرماں ہوگا
مرگ کی آس پہ جینا شب ہجراں ہوگا
مجمع بستر مخمل شب غم یاد آیا
طالع خفتہ کا کیا خواب پریشاں ہوگا
دل میں شوق رخ روشن نہ چھپے گا ہرگز
ماہ پردے میں کتاں کے کوئی پنہاں ہوگا
درد ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا
شومیٔ بخت تو ہے چین لے اے وحشت دل
دیکھ زنداں ہی کوئی دن میں بیاباں ہوگا
نسبت عیش سے ہوں نزع میں گریاں یعنی
ہے یہ رونا کہ دہن گور کا خنداں ہوگا
بات کرنے میں رقیبوں سے ابھی ٹوٹ گیا
دل بھی شاید اسی بدعہد کا پیماں ہوگا

اور ایسا کوئی کیا بے سر و ساماں ہوگا
کہ مجھے زہر بھی دیجے گا تو احساں ہوگا

محو مجھ سا دم نظارۂ جاناں ہوگا
آئنہ آئنہ دیکھے گا تو حیراں ہوگا

خواہش مرگ ہو اتنا نہ ستانا ورنہ
دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا

ایسی لذت خلش دل میں کہاں ہوتی ہے
رہ گیا سینے میں اس کا کوئی پیکاں ہوگا

بوسہ ہائے لب شیریں کے مضامیں ہیں[1] نہ کیوں
لفظ سے لفظ مرے شعر کا چسپاں ہوگا

کیا سناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل
تم سے بے رحم پہ مرنے سے تو آساں ہوگا

حیرت حسن نے دیوانہ کیا گر اس کو
دیکھنا خانۂ آئینہ بھی ویراں ہوگا

دیدۂ منتظر آتا نہیں شاید تجھ تک
کہ مرے خواب کا بھی کوئی نگہباں ہوگا

ایک ہی جلوۂ مہرو میں ہوا سو ٹکڑے
جامۂ صبر جسے کہتے ہیں کتّاں ہوگا

گر یہی گرمئی مضمون شرر ریز رہی
رشتۂ شمع سے شیرازۂ دیواں ہوگا

کیوں کہ امید وفا سے ہو تسلی دل کو
فکر ہے یہ کہ وہ وعدے سے پشیماں ہوگا

۱- ''ہیں'' مطابق نسخہ ضیا طبع ۱۹۴۷ء (ص۴) لیکن نولکشوری نسخے (طبع ۱۸۸۰ء ص ۳۵) میں ''میں'' ہے۔

نہ جاؤں گا کبھی جنت کو میں نہ جاؤں گا
اگر نہ ہووے گا نقشہ تمھارے گھر کا سا

کرے نہ خانہ خرابی تری ندامت جور
کہ آب شرم میں ہے جوش چشم تر کا سا

یہ جوش یاس تو دیکھو کہ اپنے قتل کے وقت
دعاے وصل نہ کی وقت تھا اثر کا سا

لگے ان آنکھوں سے ہر وقت اے دل صد چاک
ترا نہ رتبہ ہوا کیوں شگاف‌در کا سا

ذرا ہو گرمیٔ صحبت تو خاک کر دے چرخ
مرا سرور ہے گل خندۂ شرر کا سا

یہ ناتواں ہوں کہ ہوں اور نظر نہیں آتا
مرا بھی حال ہوا تیری ہی کمر کا سا

جنوں کے جوش سے بیگانہ وار ہیں احباب
ہمارا حال وطن میں ہوا سفر کا سا

خبر نہیں کہ اسے کیا ہوا پر اس در پر
نشان پا نظر آتا ہے نامہ بر کا سا

دل ایسے شوخ کو مومن نے دے دیا کہ وہ ہے
محب حسین کا اور دل رکھے شمر کا سا

(۲)

گر وہاں بھی یہ خموشی اثر افغاں ہوگا
حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہوگا

آن سے بدخو کا کرم بھی ستم جاں ہوگا
میں تو میں غیر بھی دل دے کے پشیماں ہوگا

کیا روؤں خیرہ چشمئی[1] بخت سیاہ کو
واں شغل سرمہ ہے ابھی یاں نیل ڈھل گیا

کی مجھ کو ہاتھ ملنے کی تعلیم ورنہ کیوں
غیروں کو آ کے بزم میں وہ عطر مل گیا

اس کوچے کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی
کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا

جوں خفتگان خاک ہے اپنی فتادگی
آیا جو زلزلہ کبھی کروٹ بدل گیا

اس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

کچھ جی گرا پڑے تھا پر اب تو نے ناز سے
مجھ کو گرا دیا تو مرا جی سنبھل گیا

مل جائے گریہ خاک میں اس نے وہاں کی خاک
گل کی تھی کیوں کہ پاؤں وہ نازک پھسل گیا

بت خانے سے نہ کعبے[2] کو تکلیف دے مجھے
مومن بس اب معاف کہ یاں جی بہل گیا

(۳)

لگے خدنگ جب اس نالۂ سحر کا سا
فلک کا حال نہ ہو کیا مرے جگر کا سا

---

۱ ۔ نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۸۰ء ص ۳۴ :- خیرہ چشمۂ
۲ ۔ نسخہ دیوان مومن مرتبہ ضیا طبع ثانی ۱۹۴۷ء ص ۳ میں ''کو'' ہے اور نسخہ نول کشور طبع ۱۸۸۰ء میں ''کی'' (ص ۳۴ حاشیہ)

عنایت کر مجھے آشوب گاہ حشر غم اک دل
که جس کا هر نفس هم نغمه هو شور قیامت کا
جراحت زار اک جاں دے که جس کی هر جراحت هو
نمک داں شور الفت سے مزا آئے عیادت کا
فروغ جلوهٔ توحید کو وه برق جولاں کر
که خرمن پھونک دیوے هستئی اهل ضلالت کا
مرا جوهر هو سر تا پا صفائے مهر پیغمبر
مرا حیرت زده دل آئینه خانه هو سنت کا
مجھے وه تیغ جوهر کر که میرے نام سے خوں هو
دل صد پاره اصحاب نفاق و اهل بدعت کا
خدایا لشکر اسلام تک پهنچا که آ پهنچا
لبوں پر دم بلا هے جوش خوں شوق شهادت کا
نه رکھ بیگانهٔ مهر امام اقتدا سنت
که انکار آشنائے کفر هے اس کی امامت کا
امیر لشکر اسلام کا محکوم هوں یعنی
اراده هے مرا فوج ملائک پر حکومت کا
زمانه مهدیٔ موعود کا پایا اگر مومن
تو سب سے پہلے تو کهیو سلام پاک حضرت کا

(۲)

آگ اشک گرم کو لگے جی کیا هی جل گیا
آنسو جو اس نے پونچھے شب اور هاتھ پھل گیا
پھوڑا تھا دل نه تھا یه موے پر خلل گیا
جب ٹھیس سانس کی لگی دم هی نکل گیا

ردیف الف

(۱)

نہ کیوں کر مطلع دیواں ہو مطلع مہر وحدت کا
کہ ہاتھ آیا ہے روشن مصرع انگشت شہادت کا

بچاؤں آبلہ پائی کو کیوں کر خارماھی سے
کہ بام عرش سے پھسلا ہے یا رب پاؤں دقّت کا

سرشک اعتراف عجز نے الماس ریزی کی
جگر صدپارہ ہے اندیشۂ خوں‌گشتہ طاقت کا

نہ یہ دست جنوں ہے اور نہ وہ جیب جنوں کیشاں
کہ ہو دست مژہ سے چاک پردہ چشم حیرت کا

نہ دے تیغ زباں کیوں کر شکست رنگ کے طعنے
کہ صف ہائے خرد پر حملہ ہے فوج خجالت کا

غضب سے تیرے ڈرتا ہوں رضا کی تیری خواہش ہے
نہ میں بے زار دوزخ سے نہ میں مشتاق جنت کا

گلوے خامہ میں سرمہ مداد دودۂ دل ہے
مگر لکھنا ہے وصف خاتمہ جلد رسالت کا

نہ پوچھو گرمئی شوق ثنا کی آتش افروزی
بنا جاتا ہے دست عجز شعلہ شمع فکرت کا

نمک تھا بخت شور فکر خوان مدح شیریں پر
کہ دندان طمع نے خوں کیا ہے دست حسرت کا

خدایا ہاتھ اٹھاؤں عرض مطلب سے بھلا کیوں کر
کہ ہے دست دعا میں گوشہ داماں اجابت کا
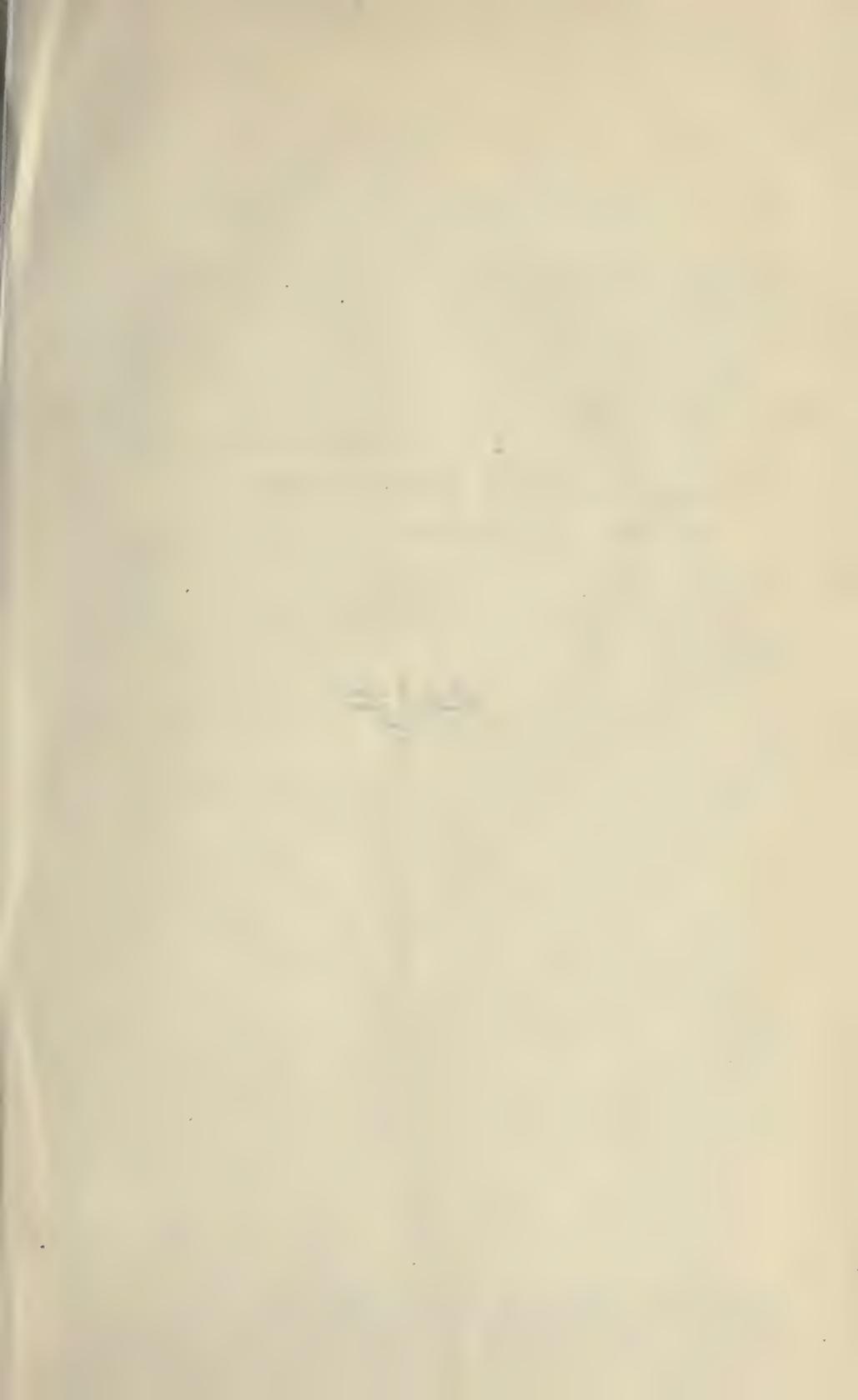
غزلیات

شناوران سخن را مژده باد که دیوان مومن حلیۂ انطباع پوشیده[1]۔ و جنس گران ارز که جان گرامی بیعانگی آں نتواں کرد۔ چوں ماہ کنعاں در بازار مصر به هیچ می ارزد۔ خزفے چند بیارند و بضاعتے با خود برند و لختے به دیدنش به پردازند و صحائف پیشینیاں از دست بیندازند:

هاں اهل نظر وقت وداع دل و دین است
یوسف به خرید آمده در قافلۂ ما

فقط والحمد لله اولاً و آخراً و ظاهراً و باطناً و الصلوة والسلام علیٰ خیر خلقه سیدنا محمد و آله و صحبه اجمعین۔

---

۱ - ''و جنس گراں ارز که جان گرامی بیعانگی آں نتواں کرد،، یہ عبارت نسخۂ طبع دوم ۱۸۷۶ع سے چھوٹ گئی تھی - (مرتب)

و مثنویات و افراد دیگر که بعد از ترتیب اولین از صفحهٔ اندیشه
لوح بیان ریخته بود به قلم خود نگاشته بودم از اول تا آخر به
امید تصحیح و تقریر به نهج ترتیب خویش پیش گاه مصنف
علیه الرحمة برخواندم - چناں چه پارهٔ را به زیور اصلاح و
حلیهٔ تهذیب آراستند و پارهٔ به حال خود گذاشتند و سه روز در
وفات ایشاں باقی مانده بود که دیوان تشریف تمامی در برکشید
و ایں مصرع از زبان حال خان مغفور تراوش یافت :

حوالت با خدا کردیم و رفتیم

اکنوں به جزم یقین می تواں گفت که بعد ایں تدوین و
ترتیب که مرةً بعد اولیٰ و ثانیاً بعد آخریٰ بر روے
کار آمده ، هر که بیروں ازیں سفینه بیتے از ابیات یا فردے از
افراد از نتائج فکر صاحب دیوان نشان دهد ، باید دانست که
الحاقے بیش نیست یا خود از کلام او نیست یا مطروح و منسوخ -
سخن کوتاه کتابے است عدیم النظیر و نسخه ایست
فقید البدل ، حروفش دل نشیں و معانیش نوآئین ، انچه در گفتار
میر و میرزا جسته جسته تواں یافت ایں جا دسته دسته می تواں
دید - منصفے باید صاحب ذوق و ماهر فن تا وا رسد که سخنور
شاعری نه کرده است بلکه ساحری کرده - پایهٔ سخنش چنداں که
کاوی بالاتر یابی و در گفتارش چنداں که سنجی گراں تر بینی شعر را
بدیں جا که رسانیده و ریخته را ایں مرتبه که بخشیده ، کتاب نیست
گوهر نایاب است و دیوان نیست انتخاب است :

زفرق تا قدمش هر کجا که می نگرم
کرشمه دامن دل می کشد که جا ایں جاست

و ازیں رو به تالیف و ترتیب کلام خویش چه ریختہ و چه فارسی سرے نه داشتند ، مدت ها در زمان حیات ایشاں از حلیۂ انتظام معطل و از پیرایۂ ترتیب معریٰ بود ، عاقبت چوں تشنگیٔ طلب ارباب ذوق بـه غـایت رسید و غوغاے خریداراں از حد درگزشت ، جناب مستطاب نواب عالی درجات قدسی صفات محمد مصطفیٰ خاں بہادر مدظله العالی به جمع و تدوینش همت عالی مصروف داشتند و در فراهم آوردن اصناف کلام ریختہ حضرت مصنف دقیقه از دقائق فرو نه گذاشتند - اما ازاں جا که هنوز آں قلزم فیض در روانی وآں ابر رحمت در گہر افشانی بود ، کلام بلاغت نظامش آناً فاناً متزائد و متضاعف و یوماً فیوماً متکاثر و متوافر می‌شد تا آں که بدر کمال را زمـان خسوف فراپیش آمد و آفتاب هنر نزدیک لب بام رسید یعنی جناب خان ممدوح را مرض‌الموت در گرفت و آثار مرگ از آغاز مرض بر ناصیۂ حال ایشاں آشکارا گشت - چوں آں رواں فرسا زحمت قدرے دیر کشید ، بندۂ کمینه که از بدوِ صبا تا آخرِ عمر حضرت سابق الوصف در کنار عاطفت ایشاں منظور نظر تربیت مانده و باوجود نسبت برادر زادگی علاقۂ پسر خواندگی با آں جناب هم دارد ، فرصت وقت را کـه فی الحـقیقت فرصت پروانۂ محفل در آخر شب و فرصت مرغ چمن درآمد زمہریر [1]بیش نه بود ، غنیمت شمردم و نسخۂ که به جهد بلیغ و سعی موفور مطابق مجموعه فراهم آوردۂ نـواب معلی القاب با بسیارے از غزلیات و رباعیات و مخمسات

---

۱ - ''پیش'' نسخۂ اول و دوم (صفحه ۵۵م ، ۲۹۰) و طبع ششم نول کشور (صفحه ۲۱م) ''بیش'' - (مرتب)

از بہر ادراک ایں فضیلت از لباس ملکی در زی انسانی فرود آمدند و لسان عربی را مزیتے و رجحانے بہم رسید کہ لغت ناشناسان تازی زبان را شایستۂ خطاب گویائی نہ دانستہ ملقب بہ عجم ساختند :

حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد است
آرے کلام حق بہ زبان محمد است

اما بعد بندۂ ہیچ میرز ، ہیچ مداں عبد الرحمٰن خلف میر حسین تسکین غفر اللہ لہما سیآتہما و تجاوز عن خطیاتہما بہ خدمت نکتہ سنجان دقیقہ گزیں و ادا پرستان سخن آفریں التماس می‌دارد کہ ایں گل کدۂ معانی و گنج طلسم وجدانی و شیرۂ خانۂ روحانی ، نسخہ سحر حلال و مرقع تمثیل خیال و بیت الشرف مہر کمال ، صفۂ عرائس مضامین غرا و روضۂ ریاحین اشعار مطرا ، مصداق "ان من البیان لسحرا" ناسخ زبر اولین و دستور العمل آخرین ، مجموعۂ افکار نوآئین یعنی دیوان بلاغت آگین کہ بہین نتیجہ ایست از نتائج طبع بلند و نفائس فکر ارجمند ، مقنن قواعد سخن وری و سخن دانی و مروج احکام نکتہ سنجی و نکتہ رانی ، غواص قلزم تحقیق و شناور دریائے تدقیق ، نبض شناس سخن و مزاج دان گفتار عروج کوکب فن و فروغ طالع اشعار ، نازک خیال ، ژرف نگاہ ، والا اندیشہ ، بلند نظر ، رنگیں بیاں ، ادا فہم ، دقت آفریں ، معنی پرور ، سقراط وقت ، بقراط زماں ، فلاطون عصر ، جالینوس دوراں ، اوستادی و مولائی حکیم غفران مآب مومن خاں متخلص بہ مومن سلکہ اللہ تعالٰی بحبوحۃ الجنان تا ابد الابدین و افاض علیہ من شآبیب الرحمۃ والرضوان فی اعلٰی علیین ۔

بس کہ وارستگی و آزادگی لازم طبیعت خان مبرور بود

دیباچۂ ثانی

از عبد الرحمٰن آھی

سپاس و منت مر خداے را جل شانہ و عزّ اسمہ کہ سخن بر زبان آفریدہ و گوش را ازاں بہرہ ور ساخت و ابر را گہر افشانی آموخت و صدف را بداں آ بستنی کرد یعنی بے بضاعتاں را از گراں مائگاں قدرے فزوں تر نواخت ، و عارض معنی را فروغ مہر جہاں تاب داد ، و نقاب الفاظ براں باز کشید و جمال مطلق را از بند مستوری بہ در آورد و پردۂ بیگانگی درمیاں انداخت یعنی فرق نازک درمیانۂ محرم و نا محرم نہاد :

ہر کس نہ شناسندۂ راز است وگرنہ
ایں ھا ھمہ راز است کہ معلوم عوام است

درود نا محدود بر روح مقدس سید الفصحا ، ابلغ البلغا ، خواجۂ عالم و عالمیاں سیدنا و مولانا و نبینا حضرت احمد مجتبیٰ ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و صحبہ وسلم کہ بہ دولت گفتار بلاغت آثارش سخن بہ پایۂ اعجاز رسید و بہ تاثیر کلام معجز نظامش کارے کہ از خنجر و سنان بر نیاید از زبان برآمد[1] ، نطق را آں مایۂ شرف و امتیاز حاصل شد کہ ملائکہ

---

۱ - نسخۂ اول و دوم طبع نول کشور (ص ۳۵۴ و ۲۸۹) ''برآمد'' اور نسخۂ طبع ششم (ص ۳۲۰) ''برآید'' (مرتب)

مصاحبت گل و قمری همدمی بلبل را شاید۔ و به زمانهٔ که تهذیب این دل فریب بستان اتفاق افتاد از هجرت هزار و دو صد و چهل و سه سال بر وفق هلال گشته بود و سنین عمرش که چون عمر خضر از حد شمار برکران باد به بست و نه رسیده ، و از بس که این دیوان بےنظیر است تاریخش ''دیوان بے نظیر'' است ۔

الّا اے سینه ریشان سوخته دل ! اگر یکے از شما را بہ روز سخت جانی ها ازیں شمشیرهندی کار به تمامی نه کشد ، زودا که به آتش فارسی دود از نہاد بر آورم ۔ سخن آفرین را نیایش و سخن شناسان را مژده که به یاوری بخت و تنومندی همت سعی من مشکور آمد و پویهٔ که از دیر باز گرد دل می گشت به خوب ترین وجہے سر انجام یافت ۔ بنامیزد نکو تر از ارژنگ مانی مرقعے آراسته شد ۔ دیده وراں تصویر یوسف را به بیعانه هم نه گیرند ۔ کہن ناسور تازه جراحت تمنایان را مرهمے گشت ، مشک و نمک بہم سرشته تشنه کامان دریا طلب را شربتے آمد قند با گلاب آمیخته محفل دلبراں را گرمی هنگامه افزوں شد ۔ دل رفتگاں را سر رشتهٔ آه و ناله به چنگ[۱] آمد ، گویندگاں را قانون دل نوازی به دست افتاده ، سخن را ساز و برگ دیگر گشت بدمستان آگہی را جام جہاں نماے دانش به کف رسید ، جنون زدگان را بہارے تازه آمد ۔ زهره نازید ، عطارد بالید ۔ الٰہی چناں که ایں آغاز به نکوئی انجامید فرجام حسرتی نامه سیاه هم به خیر و سعادت باد ۔

---

۱ ۔ ''به جنگ'' نسخهٔ اول و دوم طبع نول کشور (صفحه ے ، ۵) ''به چنگ'' نسخهٔ طبع ششم (صفحه ے) ۔ (مرتب)

جا که زیست آزادانه گزیده است در بند بے تعلقی ها افتاده و نیز
دل شورش پسند و خاطر نا آرمیده مجالے نه داده از رام کردن وحشی
غزالان شهری که در رم کردن سبق بر آهوان صحرائی می برند،
فرصتش کو که صید وحشی مضامین بسمل را بـه‌دام آورد ، صیادان
کار آگاه دانند که اگر نخچیر به دست آمده و شکار به دام افتاده
رم خورد ، چه خون ها که نه باید خورد وچه دل‌ها که کباب
نه باید کرد ـ حسرتی را تماشاے ایں شگرف ماجرا دل به سوخت
و ایں ستم طاقت گداز نا شکیبی آفریں را حـوصله بر نه تافت[1] ـ
در گرد آں شد که ایں گراں ارز جواهر را که چوں درر منثور[2]
پراگنده است به رشته کشد و منت‌ها بر خویشتن و شناسندگان
سخن نهد ـ لاجرم با دل شرحه شرحه و جگر پاره پاره آبله پاے
وادی تردد و تلاش گشت ، پس فراواں جستجو و هزاراں تگاپو اندکے
از بسیارے به دست آورد ـ حیف که بسیارے تلف گردیده ، شکر که
اندک هم بهم رسید و چوں آں آبیات متفرق را به شیرازۂ جمعیت آورد
مشکل پسند خاطرش پارۂ حذف فرمود و لختے افزود که باغبان را
از رفتن خس و خاشاک ناگزیر است و مشاطه در آئین بستن
نگار ناچار ، ازیں گفت حاصل من آنست که جز ایں هرچه به نامش
نگرند ، ازآنش نه دانند و انچه ایں وقت از خیالاتش یک جا شده
قیاس شش هزار بیت می داند ازیں پس هر نهالے که نخل بند
فکرتش به پرورد بو که دریں چمن زار به جلوه در آید ، چه سرو

---

۱ ـ ''نه تافت'' طبع اول و ششم نول کشور (صفحه ٦) و طبع دوم ''نیافت'' ـ (مرتب)

۲ ـ ''منشور'' طبع اول و دوم (صفحه ٦ ، ۵) ''منثور'' طبع ششم (صفحه ٦) (مرتب)

مخمس چوں پنجۂ خورشید فروزاں ، مثمن هم رنگ هشتم باغ جناں ، مسدساتش در شش جهت منشور ، رباعیاتش در چاردانگ عالم مشهور ، و مراعاتے که بے تهذیب سخن افزوده است گفتن را بیانش کالیوه کند و شنیدن را شوریده که از روز آغاز ایں فن نه زبانے چنیں نغزها گفته و نه گوشے چنیں نوادر شنیده ـ انموذج را مثلے چند بیاورم که علیٰ سبیل الالتزام هر جنس سخن وے از شعر پر کن تهی است ـ سنگ ریزهاے الفاظ غلط که باستانی[1] شعرا آں را با لعل و گوهر برابر شمرده‌اند با غیر نکیر در دُر هاے شاهوارش نامنسلک و غیر منتظم و دوشیزهاے فکرتش به زیور گوناگوں صنائع آراسته ، و چناں بے تکلف که گوئی گوئنده را به لفظ پیرائی سرے نه بوده ، تنها آرائش صورت معنی در نظر داشته ، طرز گزین ، روش[2] متین ، الفاظ شگفته و دل پسند ، معانی تازه و بلند ، چستیٔ اسطقسِ تراکیب ، شوکتِ کلمات ، تنومندیٔ اندیشه ، نزاکتِ خیال ، رشاقت مضمون ، رعایَت مقتضاے مقام ، شوخیٔ انداز ، جزالتَ عبارت ، الفاظ آشنا معنی بیگانه ، ته نشینیٔ غور ، حسن ادا ، وقف فکرت اوست و بر احتراز از استعارات بعیده و تشابیه رذیله و تصورات رکیکه و تدقیقات وهمی و پیچش گزارش و محسنات صورت آرائنده و معنی خراب کننده و معانی ناآشنا و مضامین بیگانه صرف همت او ناظورۂ اندیشه اش از لباس عاریتی همه تن عور است و به تقاضاے یکتائی از متاع دست فرسودۂ روزگار نفور ، اما ازاں

---

۱ ـ ''پاستانی'' نسخۂ طبع ششم میں ہے ، نسخۂ اول و دوم میں ''باستانی'' ہے ـ (مرتب)

۲ ـ نسخه نول کشور طبع اول (صفحه ۳) و نسخۂ ششم (ص ۵) پر ''روشن'' غلط ـ صحیح ''روش'' ہے ـ (مرتب)

در سینهٔ پاک او ز مضمون
گنجے و چه گنج ، گنج قارون
مضمون به سرش چو دُر به دریا
معنی به دلش چو مے به مینا
هر غنچهٔ او چمن بهار ست
هر گوهر فکرش آب دار ست
رشح قلمش چو ابر آزار
گلشن گلشن دمانده گل زار
خرم گل گلشن معانیست
نوباوۀ باغ نکته دانیست
نطقش چو دم مسیح ز اعجاز
در قالب مرده جاں دمد باز

اکنوں نفسے ازیں دراز نفسی هاے کوتاه می آساید ـ و به راستی هاے[1] دروغ نما نه می گراید و برخود و بر دیگراں می بخشاید که مبادا ناپارسا گوهرے را دیگ حسد به جوش آید و راقم ایں تازه نقوش را غبار آلودۀ تهمت و خویشتن را تر دامن معصیت نماید و لختے به وصف سخنش سخن می آراید ـ ابیات قصیده در فراوانی چوں ثوابت و در رخشانی[2] چوں سیاره ، اشعار غزل هم مانند ماه فروغ نظر و هم مانند مهر تاب سوز ، نظاره مطلعش هم جلوۂ آفتاب عالم تاب ، مصرعش بسان مصرع قامت یار بے جواب ،

---

۱ ـ نسخهٔ طبع اول و دوم نول کشور میں ''برآستینهاے'' اور طبع ششم میں ''به راستی هاے'' هے جو صحیح هے ـ (مرتب)

۲ ـ ''رخشانی'' طبع اول و دوم (صفحه ۵ ، ۴)ـ''درخشانی'' طبع ششم (صفحه ۵) ـ (مرتب)

آئینه باصفاے اصلی به روشن گر محتاج است و شمشیر با جوهر جبلی به صیقل گر نیازمند ، امروز کسے کـه نیکو نوازندۂ قانون سخن فرخ آموزندۂ قوانین ایں فن باشد ، حکمت پناه ، والا دست گاه ، ذوالتربیت الجلیله ، عالی الکعب فی الفنون النظمیه ، مہین پور آباے علوی ، گزین نتیجۂ امہات سفلی ، فروغ بزم آفرینش ، چراغ چشم دانش و بینش ، دقیقه کشاے رموز مشکل ، کشاده خاطر، آگاه دل ، گزیدۂ دور زماں ، حکیم محمد مومن خاں است که هر حرفش گنجینۂ مضامین و معانی است و سخن غیر را با کلامش نسبت هذیانات مسیلمه و آیات قرآنی ، تگاور طبعش را چرخ چارمیں در زیر گام اولین است ، نازم به جولان توسن خیالش که فراز فلک تازد و پندارد که بر زمین است ، تعالیٰ الله دانش آئینے که شعر را پیرایۂ حکمت پوشانیده و مقصودش ازیں بلند آهنگی نه به ژاژ بطلیموس گردیدن است ، بل معنی :

"ان من الشعر لحکمه"

را جلوۂ اظهار بخشیدن ، حبّذا سحر بیانے که نظم را هم اثر افسوں گردانیده و مدعایش نه دکان هاروتی چیدن است بلکه مضمون : "ان من البیان لسحراً" رابـه عرصۂ بروز کشیدن ، اگر به قدح چنگ و رباب نغمه سازی کند زهره به چرخ در آید و اگر به بے دانشی خم کده نشینان سخن طرازی دهد فلاطون را در خم نشستن دور از خرد نماید[۱] ۔

ابیات

سبحان الله چه نکته دانیست

یک حرف طلسم صد معانیست

---

۱ - نسخۂ طبع ششم میں "نماند" ہے ۔ (مرتب)

نہ دل ربایاں را ناز بودے و نہ دل ربودگاں را نیاز ، نہ عندلیب نغمہ یافتے و نہ حسرتی سخن ۔ دانش پژوھان ژرف نگاہ دانند کہ در ھمہ عالم چیزے نیست کہ با سخن نطع مساوات گسترد و دم برابری زند ، انسان را بر حیوان شرف از نطق است و بس ، صفت مصطلحۂ فلسفیاں دلیل است یکے را ھر چند صفوت کدۂ دل بہ نور توحید داور گیتی پرورد و بہ فروغ رسالت خداوند اعجاز شق‌القمر آفتاب منزل باشد با نیروے گویائی[1] تا بہ اقرار ایں رطب اللسان و بہ اظہار آں عذب البیاں نہ گردد در کوچۂ اسلامیانش جا نہ دھند ، آرے گفت مجرد بے قبول قلب و تسلیم دل بر نہ دھد ۔ اما ایں مایۂ خود مفت اوست کہ خونش[2] بر تیغ بے دریغ غازیان کافرکش حلال نہ ماند نہ قاضی باد افراہ کفر طلبد و نہ حاکم ذلتش سرمایۂ دنیا و آخرت داند ۔

بے غائلۂ سخن آرائی سخن نجات جاودانی را ذریعہ است و معیشت زندگانی را وسیلہ تا باھم حرف نہ زنند ، ھیچ معاملہ درجہاں صورت نہ گیرد ، و بداں ساں کہ کلام متسقة[3] النظام را بر پراگندہ الفاظ افزونی ھست موزوں را بر ناموزوں ترجیحے ، خرم آں کہ بہ داعیۂ وزن فطری بہ تہذیب سخن چوں تہذیب نفس مائل است کہ آں آرائش باطن است و ایں پیرایۂ ظاھر ، نیل آں را خدمت صاحب دلے شرط است و کسب ایں را صحبت سخن ورے لازم ۔

۱۔ گویائی نسخہ طبع دوم نول کشور (ص ۳) میں نہیں ھے ۔ (مرتب)

۲۔ نسخۂ طبع اول و دوم (ص ۳ ، ۳) میں ''خویش'' اور طبع ششم نول کشور میں ''خونش'' ھے ۔ (مرتب)

۳ ۔ ''متسقة النظام'' نسخۂ اول و دوم طبع نول کشور (صفحہ ۳، ۳)، منسقة‌النظام : طبع ششم صفحہ ۳ (مرتب) ۔

سر آید ، کہ دریں مقام لب از ترانہ بستن غلغل انداختن و زمزمۂ خموشی سرودن شور افگندن ، اما بہ ایں ہم نقش بیم از گوشۂ دل سترده می شود و تراشہ نہ می یابد کہ مضمون :

''و اما بنعمة ربک فحدث''

دل نشین است - ایں طرفگی ها بداں ماند کہ آبلۂ پا رونده را از خار زار نسری[1] بہ گزرانند ونفس نفس شتاب از برق دریوزه کردن و سرعت از صبا ربودن را سرزنش نمایند و او را کسے چگونہ بے حساب نعمت ھاے ترا بر شمارد - ہر نفسے کہ فرو می رود ممد حیات است و چوں بر می‌آید مفرح ذات ، پس در ہر نفسے دو نعمت موجود است ، لا جرم یک منت را کہ با جلالت آں ہزار موہبت مصادم و مقادم نہ گردد ، جلوۂ اظہار می دھد - و آں خلق و آفرینش باعث آفرینش خلق و عالم سبب ظہور آدم ، نقادۂ دوجہاں سرور انس و جان ، شفیع المذنبین ، سیدالمرسلین محمد مصطفیٰ است صلی‌اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ اجمعین ، الیٰ یوم الدین کہ اگر وجود باجودش[2] بہ گیتی نیامدے گیتی آفریده نشدے و عالمیاں چندیں نعمت ھاے ارزاں و عطیات گراں در نہ ربودندے ، لذت چشان تلخی دنیا را حلاوت نعیم جناں بہ کام نہ رسیدے ، روشن ضمیران بیدار مغز راشبستان خاطرخورشید جانہ گردیدے - داؤد را لحن ویوسف را جمال موسیٰ را دست و عیسیٰ را دم چگونہ ارزانی گشتے - گل را رنگ و بلبل را نظاره ، شمع را افروختن و پروانہ را سوختن کجا بودے -

---

۱ - نسری - نسخہ ششم ۱۹۳۰ع (ص ۲) بقیہ نسخوں میں 'مسری' ہے -

۲ - ''باوجودش'' : نسخۂ طبع اول و دوم (ص ۳ و ۳) ، نسخۂ طبع ششم (ص ۳) ''باجودش '' - مرتب

دیباچۂ اول

از نواب محمد مصطفیٰ خان شیفته و حسرتی

حمد را بالاے شکر ازاں گزیده اند که ایں به ازای نعمت است و آں را انتظار مکرمت نے ، و در قدسی بارگاه واهب بے مزد و منت همیں اولیٰ تر۔ امّا آدم زاد را که هنوز از صلب پدر به بطن مادر نه خرامیده ، مصدر گونا ناگوں آلا است ، چه نیرو که از شهرستان در بند سپاس یک نعمت برآید ، تا به دشوار گزار وادیٔ حمد گام که زند ۔ یا رب حسرتی فزوں تر از حوصلۂ خویشتن به نعمت ها کامیاب و فزوں تر ازیں امیدوار دریں راه پر گم کرده راه است و سخت سرگشته ۔ نیایشے که ترا سزا است از کجا آرد و سپاسے که فراخور چندیں موهبت هاست چگونه گزارد ، فروهیده آنست که نغمۂ :-

"لااحصی ثناء علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک"

ریزد ، که دریں راه تن زدن بال و پر زدن است و از پرواز ماندن برکاخ نشستن و آشیاں بر شاخ بستن وهمیں هنجار زمزمه ۔ بیت :

از دست و زبانے که بر آید
کز عهدۂ شکرش به در آید

کلیات مومن

مرتبہ

کلب علی خان فائق

ثابت کیا کہ محبت کے خارجی مضامین بھی تہذیب و متانت کے ساتھ بیان کیے جا سکتے ھیں - پھر ان مضامین کو ادا اس طرح کیا ھے کہ ھر پڑھنے والا انوکھے انداز کی جانب متوجہ ضرور ھوتا ھے اور متوجہ ھونے کے بعد محظوظ بھی ضرور ھوتا ھے - عاشقی اور معشوقی کی دنیا کی بعض عادتوں اور رویوں کا ایسا بیان ھے جو ایام جوانی کے علاوہ اس زمانے میں بھی بھلا معلوم ھوتا ھے جب پرھنے والا جوانی سے گزر کر یاد ایام جوانی کی منزل میں ھوتا ھے - جب تک پڑھنے والوں کی دنیا ان جذبوں سے متاثر ھوتی رھے گی اس وقت تک مومن کی غزل بھی دلچسپی سے پڑھی جاتی رھے گی -

مگر صرف اس بنیاد پر ھم انھیں اول درجے کے شاعروں میں رکھ نہیں سکتے ، اگرچہ یہ بھی ممکن نہیں کہ ھم انھیں صرف دوسرے درجے کا شاعر کہہ کر ٹال دیں - مسجد گری ھوئی بھی ھو تب بھی احترام کے بغیر چارہ نہیں - اسی الجھن کی وجہ سے ان کی رتبہ شناسی کے معاملے میں اھل نقد و نظر کو بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ھے - محمد حسین آزاد نے از خود انھیں آب حیات میں جگہ نہ دی ، لوگوں کے اصرار پر انھیں آب حیات میں جگہ ملی - جدید تر زمانے کے لوگوں میں اس کا یہ رد عمل ھوا ھے کہ وہ مومن کو بہت اونچی صف میں بٹھانے پر تلے ھوئے ھیں - میرا اپنا خیال یہ ھے کہ وہ اپنے مجموعی کارنامے کے لحاظ سے دوسرے درجے کے شاعر ھیں لیکن اگر کوئی اول درجے کے شاعروں میں بھی انھیں بٹھا دے تو اس پر کچھ زیادہ اعتراض نہ ھوگا -

(ڈاکٹر) سید عبداللہ

یونیورسٹی اورینٹل کالج لاھور

یہ بھی ممکن تھا کہ مومن اپنی شاعری میں غزل میں ان مذہبی تجربات کا رنگ پیدا کر دیتے جن سے متاثر ہو کر انھوں نے ''مثنوی جہادیہ'' لکھی لیکن اس دعوے کے باوجود کہ:

مومن نے ہر زمین کو مسجد بنا دیا

ان کی غزل میں مسجد کی تعمیر ہوئی نہیں۔ اگر وہ سچ مچ مسجد تعمیر کرتے تو عاشقی اور مجاہدی کا عجیب و غریب آمیزہ ان کی شاعری میں پیدا ہو جاتا اور ان کی شاعری، اقبال کی پیش روی کا فریضہ انجام دیتی۔ ان کے یہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ نیکی اور خوش وقتی کا اجتماع ہو سکا۔ اس کے علاوہ مومن کے انداز بیان میں جہاں چند باتیں دل کو اچھی لگتی ہیں، وہاں فارسی کی ثقیل ترکیبیں اور کلام کے الجھاوے ذوق پر گراں بھی گزرتے ہیں۔ اچھے بھی لگتے ہیں تو تاثیر کی بنا پر نہیں۔ اس کمزوری کی وجہ سے اچھے اشعار والی غزل بھی اکثر اوقات اپیل سے قاصر رہتی ہے۔

اس رائے کے باوجود مومن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ اول درجے کے شاعروں کا ذکر ہو اور ہم ان میں مومن کا نام نہ لیں۔ مومن کو ہم چھوڑنا بھی چاہیں تو وہ بزور اپنا حق ہم سے منوا لیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مومن کی شاعری سچ بولنے والوں کی شاعری ہے۔ مثنویات کی سادہ کہانیاں بے تکلف کہانیاں ہیں مگر سچائی ان میں بھی ہے۔ مثنویوں کو زبردستی سے ناول یا کوئی باقاعدہ قصہ نہیں بنایا، ان میں سیدھی سادی باتیں ہیں، مثلاً یہ کہ عاشقی کی، چھپ چھپ کر ملے، راز کھل گیا، رسوائی ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ باقی رہی غزل سو اس میں بھی سچائی ہے، اس کے علاوہ عاشقی اور تہذیب کا سمجھوتا ہے۔ مومن نے لکھنو کا رنگ اختیار کرکے یہ

تعریف میں مبالغہ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں ۔ اس کو سب سے بڑا شاعر نہیں تو بہت بڑا شاعر ضرور قرار دیتے ہیں ۔ یہ درست کہ خواہ مخواہ کیڑے نکالنے کی عادت بھی اچھی نہیں مگر اعزاز بلا استحقاق بھی تو مناسب نہیں ۔

مومن کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اگر دوسرے درجے کے شاعر نہ تھے تو اول درجے کے شاعر بھی نہ تھے ۔ اول درجے کی شاعری کے لیے چند اوصاف ضروری ہیں ، مثلاً یہ کہ وہ مضمون کے لحاظ سے آفاقی اقدار کی حامل ہو، پھر یہ کہ وہ وسیع انسانیت کے کسی پیغام کی ترجمان ہو ، یہ بھی کہ وہ قلب انسانی کے متعلق ہمارے علم میں اضافہ کرتی ہو پھر وہ ایک ایسے اسلوب میں پیش کی گئی ہو جو اپنی حسن کاری کے باوجود براہ راست اپیل رکھتا ہو اور آرزوے تخلیق کے بے ساختہ جذبے کے سوا کسی خارجی غرض سے متاثر نہ ہو ۔

کلام مومن میں یہ باتیں کہاں تک موجود ہیں ؟ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مومن کی شاعری میں خلوص موجود ہے ، یعنی انھوں نے جو کچھ محسوس کیا اسی کو ظاہر کیا اور اس حد تک وہ مقبول بھی ہوئے ۔ انھوں نے خاص تجربات کا بیان اس طریقے سے کیا ہے کہ اپیل میں ایک عمومیت پیدا ہو گئی ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو ان کے کلام میں اپیل کی بڑی وجہ ایک خاص پیرایۂ بیان ہے ، نہ کہ انکشاف ۔ وہ اس پیرایۂ بیان کی وجہ سے ممتاز ہیں ورنہ کوئی خاص بڑے حقائق — جذباتی یا فکری — ان کے کلام میں موجود نہیں ۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی شاعر محض پیرایۂ بیان کے بل بولتے پر —— یا درد ناک آواز میں اپنی غزل سنا کر —— بڑا شاعر نہیں بن سکتا ۔ وہ مقبول ہو سکتا ہے مگر بڑا نہیں ہو سکتا ۔

فارسی میں کہا ھے :

مومن ز دیں ملاف به پیشم که آگہم
ایمان سپردۂ بت زاهد فریب را

مرد مومن دیده بر روئے صنم
برد با خود نیکیے انجام را

مومن کا رتبه اردو شاعری میں کیا ھے ؟ جواب سہل ھے مگر اهل نقد و نظر کی آرا نے مسئلے کو مشکل بنا دیا ھے ۔

غالب نے ایک شعر (تم میرے پاس ہوتے ہو گویا) سن کر کہا ''کاش مومن خاں میرا سارا دیوان لے لیتا اور صرف یه شعر مجھ کو دے دیتا'' (حالی : یاد گار غالب)

''شاعری دون مرتبۂ اوست ---- سحر رابه مرتبه اعجاز رسانیده''۔ (گلشن بے خار) ''فنون نظم میں خدا نے ان کو وہ بہرہ دیا که اپنے استاد نصیر وغیرہ تمام اقران پر سبقت لے گئے'' (کریم الدین) ۔ ''اشعار ان کے مضامین پیچیدہ اور نازک خیالیوں اور نادر ترکیبوں کے ساتھ درد و غم سے معمور ھیں'' (عرش گیاوی) ۔ ''اگر میرے سامنے اردو کے تمام شعرائے متقدمین کا کلام رکھ کر (به استثنائے میر) مجھ کو صرف ایک دیوان حاصل کرنے کی اجازت دی جائے تو میں بلا تامل کہه دوں گا که مجھے کلیات مومن دے دو اور باقی سب اٹھا کر لے جاؤ۔'' (نیاز ، نگار ، مومن نمبر) ۔

ان آرا کو انصاف کی نظر سے اور ذوقی دیانت داری کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو صاف نظر آجائے گا که ان میں بےجا محبت کا مظاهرہ ہوا ھے ۔ ہماری عام عادت ھے که هم جس شاعر کے بارے میں کچھ لکھ رہے ہوتے ھیں اس سے ایسی محبت کرنے لگتے ھیں که اس کی

گیوں کر یاں ایام خزاں اور ہجر کے دن کٹ جاتے ہیں
کنج قفس میں بیٹھ کے گاھے روتے ہیں تنہائی پر
یاد سیر موسم گل سے گاھے جی بہلاتے ہیں
شام سے اپنے سو رہے وہ تو اور ہم ان کے کوچے میں
ولولہ ہائے شوق سے کیا کیا پھرتے ہیں گھبراتے ہیں
کیا کسی بت کے دل میں جگہ کی کوئی ٹھکانا اور ملا
حضرت مومن اب تمھیں کچھ ہم مسجد میں کم پاتے ہیں

مومن پر میر کا عکس بہت کم پڑا ہے مگر اس غزل میں عموماً جو راست بیان، سچے جذبات اور عام فہم سادہ زبان موجود ہے اس بنا پر اس غزل کو میر کے سلسلے کی چیز کہا جا سکتا ہے۔ یوں اردو کا کون سا شاعر ہوگا جو میر کے سامنے سر جھکا کر نہیں چلا۔ مگر ان اثرات کا بیان خلط مبحث کا باعث ہوگا اور مومن کے امتیازات سے ہم بہت دور جا پڑیں گے۔

مومن نے اپیل پیدا کرنے کے لیے جو مختلف طریقے اختیار کیے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے تخلص کے استعمال میں تعجب انگیزی کے ذریعے لطف کا پہلو پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً:

دشمن مومن رہے یہ بت سدا
مجھ سے میرے نام نے یہ کیا کیا

ہرگز نہ رام وہ صنم سنگ دل ہوا
مومن ہزار حیف کہ ایماں گیا عبث

بت خانے سے نہ کعبے کی تکلیف دو ہمیں
مومن بس اب معاف کہ یاں جی بہل گیا

یہ تو تھی ردیفوں کی چھپی ہوئی ''تہ موج'' مگر ظاہر میں تھوڑی سی کوشش سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ شاعر ردیفوں کی مدد سے غزل کی وحدت اور اس کے اندر کی لہر کے تسلسل کا پورا انتظام کر رہا ہے - یہ چیز اکثر غزلوں میں ہے اور اس کے لیے مثالیں دینے کی ضرورت نہیں -

مومن جھولتی ہوئی اور جھومتی ہوئی بحروں کے بھی زیادہ دل دادہ نہیں - وجہ یہی ہے کہ وہ محض صوتی اثرات میں زیادہ اعتقاد نہیں رکھتے ، نہ ان کے ذہن کو اتنی فرصت ہے کہ لمبی بحروں کی تاب لا سکیں - عام طور سے متوسط طول کے افاعیل تفاعیل سے غزل بنا کر اس میں اپنے رنگ خاص کا مزاج اور مزاج خاص کا رنگ پیدا کر لیتے ہیں - لیکن مشاعروں کے مقابلے میں اور ہم طرحی غزلوں کے امتحان عام میں ایسی زمینوں میں بھی طبع آزمائی کرنی پڑ جاتی ہے جو شاعر کے مزاج اصلی کے مطابق نہیں ہوتیں - یہ ہے رسم و رواج کا اثر اور زمانے کے عام ذوق کا اثر - اس لحاظ سے مومن نے بھی جھومتی اور جھولتی بحروں میں غزلیں لکھی ہیں ، اگرچہ ان کی تعداد زیادہ نہیں - اس سلسلے کی ایک غزل وہ ہے جس کا مطلع یہ ہے :

صفحۂ جیحوں پر جو کبھی ہم سوزش دل لکھواتے ہیں
سارے حباب لب دریا تبخالے سے بن جاتے ہیں

اس غزل کے چند اور اشعار پڑھیے :

آ چکے کل تم جھوٹ ہے ایسی باتوں میں ہم کب آتے ہیں
اس سے کہو جو تم کو نہ جانے آپ کسے فرماتے ہیں
سوزش دل جب کہتے ہیں تب آنسو وہ بھر لاتے ہیں
موم کی مانند آتش غم سے پتھر کو پگھلاتے ہیں
کیا کہیں تم سے اے ہم دردو پوچھو مت مرغان چمن

احتجاج خیز اثر بھی پیدا کر رہی ہے)

یہ مایوسی ، دل و جاں ! نالۂ شب گیر تو کھینچو
کھنچے گا اس کا دل آہ فسوں تاثیر تو کھینچو

سب سے پہلے ''یہ مایوسی'' کا تعجب انگیز سوالیہ ، اس کے بعد ''نالۂ شبگیر تو کھینچو'' کا خطاب دل و جاں سے، اس میں معانی کی ایک دنیا آباد ہے ۔ پھر اسی زمین میں ردیفوں کی تکرار مثلاً تم شمشیر تو کھینچو

شمیم گل کے نقاشو بھلا تصویر تو کھینچو
کھچے گا ھاتھ سینے سے تم اپنا تیر تو کھینچو

(کتنے غضب کی ردیف ہے ۔ ''تو کھینچو'' کے ٹکڑے میں دعوت ، چیلنج ، احتجاج ، ہمت افزائی ، للکار ، طنز ، رس ، زہر ، نوک خار اور نوک سوزن سب کچھ ہے ۔ یہ بے ہمتی کے خلاف مہمیز بھی ہے اور دعوت جنگ بھی) ۔

ردیف کی حکایت لمبی ہوئی جاتی ہے اور مجھے یقین بھی نہیں کہ میرا طریق استدلال تشفی بخش بھی ہے یا نہیں ۔ پھر بھی میرا خیال ہے کہ مومن کی ردیفوں سے (اور شاید ہر شاعر کی ردیفوں سے) اس عام یا خاص موڈ کا اظہار ہوتا ہے جس کے تحت وہ شاعری کر رہا ہوتا ہے ۔ مومن کی بعض غزلیات کی ردیفوں میں لفظ نہیں سلبی ملان کو ظاہر کرتا ہے ۔ طنز کا پیرایہ اور استفہام انکاری ان کے تشکیکی رجحان فکر کا بھی پتا دیتا ہے ۔ ایسی غزلوں کی خاصی تعداد ہے جن میں منفیانہ پیرائے ہیں ۔ ان سے کوئی قطعی نتیجہ نکالنا تو مشکل ہے مگر دبی ہوئی تلخی کا احساس ہوتا ہے جس پر خوش دلی کا پردہ پڑا ہوا نظر آتا ہے ، اندر اللہ جانے کیا ہے ! واسوخت لکھنے والے شاعر کے اندر کیا ہوتا ہے ، یہ بھی خدا کو معلوم ہے مگر دبی ہوئی تلخی کا ہونا قرین قیاس ہے ۔

میں پسند بھی کی جاتی ہے ۔ لیکن یہ مومن کے اصل رنگ کی نمائندگی نہیں کرتی ۔ مومن ان شاعروں میں سے ہیں جو محض لفظوں کے صوتی تکرار سے اثر پیدا کرنا کافی نہیں سمجھتے ۔ جو شاعر بیان میں رمز و اخفا کو اظہار کا وسیلہ بنا رہا ہو وہ بھلا اس قدر عام اور پامال اور کھلے طریقے سے اثر آفرینی پر کیسے آ سکتا ہے ۔ مومن صوت سے زیادہ مطلب اور طریق ادا پر انحصار رکھتے ہیں ، اس لیے ماسوا چند غزلوں کے ان کے یہاں دھما چوکڑی مچانے والی ردیفیں کم ہیں ۔ ان کی ردیفیں نسبتاً مختصر اور معنی خیز ہوتی ہیں ، ''معنی خیز'' سے میری مراد یہ ہے کہ وہ غزل کے موڈ کے اظہار میں بہ لحاظ الفاظ (نہ کہ بہ لحاظ صوت) ممد و معاون بنتی ہیں ۔

ردیف واؤ کی چند ردیفیں مع قوافی ملاحظہ ہوں :

سرمگیں آنکھ سے تم نامہ لگاتے کیوں ہو

خاک میں نام کو دشمن کے ملاتے کیوں ہو

خاک اڑاتے کیوں ہو ، جلاتے کیوں ہو ، ستاتے کیوں ہو ، دھوم مچاتے کیوں ہو ، بات بناتے کیوں ہو ۔ وغیرہ وغیرہ (ردیفوں کا طرز خطاب اور اس پر سوالیہ انداز غزل کی معنوی فضا میں وحدت پیدا کر رہا ہے اور اسی کی تکرار سے تسلسل کا احساس ابھرتا ہے) ۔

آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو

ستم ناز تو دیکھو ، آغاز تو دیکھو ، چشم فسوں ساز تو دیکھو ، وغیرہ وغیرہ ۔

(غزل میں 'تو دیکھو ' کا ٹکڑا اور طرز تخاطب کتنا چونکا دینے والا ہے ۔ وہ تخیل کو اس کی لاعلمی کا طعنہ دے کر اس کے سامنے انکشاف کا ایک نیا میدان لے آتا ہے ۔ اس میں طعن و طنز کی ہلکی سی نوک بھی ہے جو صرف چبھتی ہی نہیں ، چبھن کا حیرت انگیز اور

غزل کا شعر نمبر ۱ ، ۴ اور ۵ خاص طور سے ملاحظہ ہوں - ان اشعار میں غیر متوقع صورت حال سے تعجب انگیز نتیجے نکالے گئے ہیں - عقلی لحاظ سے کچھ اور ہونا چاہیے تھا مگر ہوا کچھ اور - ساتویں شعر میں حقیقت اشیا میں انقلاب پیدا کر کے تان کو جو سننے سے تعلق رکھتی ہے ، ایک دیکھی جانے والی (مرئی) کیفیت بنا دیا ہے - تخیل اس نقشے کو دو سطحوں سے دیکھتا ہے -- ادھر آواز ہے اور آدھر شعلہ — تخیل اپنی طلسمی قوت سے آنکھ اور کان کے فاصلے مٹا دیتا ہے ، آنکھ کو آواز میں بھی تماشے نظر آ رہے ہیں اور کان کو شعلہ بھی گویا سنائی دے رہا ہے - تخیل کی یہ کارفرمائی حواس کی قلمرو میں وسعتیں پیدا کر رہی ہے اور اس سے تاثر کی دنیا میں جو ہلچل پیدا ہو سکتی ہے وہ واضح ہے - شاعری اگر غیر مرئی اور مجرد کو مرئی اور محسوس بنا کر نہ دکھا سکے تو وہ ہے کس کام کی -

مومن کے یہاں اثر آفرینی کی جو صورتیں بھی ہیں ان میں ان کی ردیف کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ہے - غزل کی شاعری میں ردیف سے جو اثر پیدا کیے جاتے ہیں ، عام طور سے ان کی اہمیت نظر انداز کر دی جاتی ہے لیکن مختلف شعرا کے غزلیہ کلام میں اگر ردیف کی تکنیک کا مطالعہ کیا جائے تو بڑے شعرا کے یہاں اس کا الگ الگ نباہ ان میں سے ہر ایک ذہن و ذوق کے الگ الگ رحجانات کا راز کھول سکتا ہے ، لیکن یہ مطالعہ محنت طلب ہے اور ممکن ہے کہ بعض اوقات گمراہ کن بھی ہو؛ پھر بھی ردیف کی تکنیک کا مطالعہ فائدے سے خالی نہیں ہو گا -

مومن پر شاہ نصیر کا تھوڑا بہت اثر ضرور پڑا ہے - ان کی غزل میں لمبی ردیفیں شاید اسی اثر کی یادگار ہیں - ان میں غزل جس کی ردیف ''تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو'' بہت مشہور ہے اور عام طور سے ماجرائے عشق کے راست اظہار کی وجہ سے دورِ جدید

عقلی اور منطقی طور پر ذہن منتقل نہیں ہوتا ، انکار کے اندر سے اقرار کا رنگ اور اقرار کے اندر سے انکار کی صورت ، نفی سے اثبات اور اثبات سے نفی کی کیفیت پیدا کرنا اور کہنے میں بہت کچھ چھپا جانا ، جن اشعار مین اس قسم کا انداز اختیار کیا گیا ہے وہی مقبول ہوئے ہیں اور انھی سے مومن کی شاعرانہ حیثیت الگ ہوئی ہے۔ اس کے ثبوت میں طویل مثالوں کی گنجائش نہیں ، صرف ایک ہی غزل کافی ہوگی :

آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو
ہے بوالہوسوں پر بھی ستم ناز تو دیکھو
اس بت کے لیے میں ہوس حور سے گزرا
اس عشق خوش انجام کا آغاز تو دیکھو
چشمک مری وحشت پہ ہے کیا حضرت ناصح
طرز نگہ چشم فسوں ساز تو دیکھو
ارباب ہوس ہار کے بھی جان پہ کھیلے
کم طالعی عاشق جاں باز تو دیکھو
مجلس میں مرے ذکر کے آتے ہی اٹھے وہ
بدنامیٔ عشاق کا اعزاز تو دیکھو
محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے
منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو
اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو
دیں پاکیٔ دامن کی گواہی مرے آنسو
اس یوسف بے درد کا اعجاز تو دیکھو
جنت میں بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے
جور اجل تفرقہ پرداز تو دیکھو

مومن کا بیان فارسی زدہ ہے مگر فارسی زدگی کے باوجود غزل پریشاں کن نہیں - اس کی سطح ایسی ہے کہ معمولی سی استعداد والا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے - بیان میں فارسی کی یہ کثرت اور اضافتوں کا یہ تسلسل مومن کے عجزاظہار کی علامت نہیں - یہ حربہ اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ قاری مرعوب بھی ہو اور محظوظ بھی - مقصد محظوظ کر دینے والی چونکاہٹ اور غرابت پیدا کرنا ہے - غرض غرابت کی یہ جستجو مومن کے ذوق و ذہن کی خاص چیز معلوم ہوتی ہے ، مگر اغلاق و ابہام اور دقت کے سارے چرچے کے باوجود مومن کے مضمون تک پہنچنا اتنا مشکل نہیں جتنا خیال کر لیا گیا ہے - اگرچہ یہ بھی غلط نہیں کہ وہ بعض اوقات اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں اور کچھ اس طرح کے شعر لکھنے لگ جاتے ہیں :

سرشک اعتراض عجز نے الماس ریزی کی
جگر صد پارہ ہے اندیشۂ خوں گشتہ طاقت کا

اس شعر پر غالب کے ابتدائی کلام کا گمان ہوتا ہے - یا یہ شعر :

العطش زن سپہر و یار و عدو
بے گنہ خوں مرا سبیل ہوا

اس قسم کے اشعار مرعوب تو کرتے ہیں مگر بے مزہ اور ناہموار ہیں -

مومن کے طرز بیان کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے ، اس سے مومن کے خصائص اظہار کا شمار مقصود تھا ، مگر یہ باتیں وہ نہیں جن سے مومن کو قبول عام نصیب ہوا - مومن کا چرچا ان کے اس خاص پیرایۂ بیان کی وجہ سے ہوا جس میں خفا اور رمز کی کوئی نہ کوئی صورت ہے - عام توقع اور مسلمات کے برعکس کسی ایسی حالت یا نتیجے یا سبب کا بیان جس کی طرف عرفی ،

منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں

فارسی زدہ بیان کی مثال یہ ہے:

اشک واژونہ اثر باعث صد جوش ہوا
ہچکیوں سے میں یہ سمجھا کہ فراموش ہوا
جلوہ افزائی رخ کے لیے مےنوش ہوا
میں کبھی آپ میں آیا تو وہ بے ہوش ہوا
کیا یہ پیغام بر غیر ہے اے مرغ چمن
خندہ زن باد بہاری سے وہ گل گوش ہوا
وہ ہے خالی تو یہ خالی یہ بھرے تو وہ بھرے
کاسۂ عمر عدو حلقۂ آغوش ہوا

غلط کہ صانع کو ہو گوارا خراش انگشت ہائے نازک
جواب خط کی امید رکھتے جو قول جف القلم نہ ہوتا

دل سختیوں سے آئی طبیعت میں نازکی
صبر و تحمل قلق جاں نہیں رہا
غش ہیں کہ بے دماغ ہیں گل پیرہن نمط
از بس دماغ عطر گریباں نہیں رہا
آنکھیں نہ بدلیں شوخ نظر کیونکہ اب کہ میں
مفتون لطف نرگس فتاں نہیں رہا
ہر لحظہ مہر جلووں سے ہیں چشم پوشیاں
آئینہ زار دیدۂ حیراں نہیں رہا

ان آخری اشعار کو پڑھ کر یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ

بعض اشعار میں رمز کا استعمال ہوتا ہے یعنی پردے سے بات کہتے ہیں - یعنی کہتے بھی ہیں اور چھپاتے بھی ہیں - بعض موقعوں پر مطلب کچھ ہوتا ہے مگر بظاہر خلاف کہہ رہے ہوتے ہیں - بعض شعروں میں بیان بہت فارسی زدہ ہو جاتا ہے جو اچھا نہیں لگتا - سادہ اشعار کچھ اس طرح کے ہیں :

نہ اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا
رنج راحت فزا نہیں ہوتا

بے وفا کہنے کی شکایت ہے
تو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا

ذکر اغیار سے ہوا معلوم
حرف ناصح برا نہیں ہوتا

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

اس نے کیا جانے کیا کیا لے کر
دل کسی کام کا نہیں ہوتا

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

جن اشعار میں کچھ کہتے اور کچھ چھپاتے ہیں ، ان کی مثالیں یہ ہیں :

کثرت سجدہ سے وہ نقش قدم
کہیں پامال سر نہ ہو جائے

ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمھاری نگاہ میں

والے کو مزہ دے جاتی ہے ۔ مضمون حقیقت سے دور بھی نہیں ہوتا ۔ حقیقت کا چہرہ دکھانے کے لیے قاری کو چونکا کر انبساط خیز تعجب میں ڈال دینے اور بالآخر ذوق کی پوری تشفی کرنے کی تکنیک مومن کی غزل میں بہت لطف دیتی ہے اور یہ ان کا ذہنی اور ذوقی معمول معلوم ہوتا ہے ۔ ذوق و غالب کی ہم عصری میں مومن نے اپنے لیے امتیاز کی یہ صورت پیدا کر لی تھی جس کی وجہ سے وہ واقعی اپنے ان نامور معاصرین سے جدا پہچانے جاتے ہیں ۔

اس سلسلے میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ مومن کا امتیاز ان کی فارسی ترکیبوں کی وجہ سے ہے مگر اردو شاعری کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ فارسی ترکیبیں پہلی مرتبہ صرف مومن ہی نے استعمال نہیں کیں ، یہ سلسلہ تو ابتدا سے ـــــ ولی سے بلکہ ان سے بھی پہلے سے جاری ہوا ۔ میر تقی میر ، مصحفی ، آتش وغیرہ سب نے فارسی ترکیبوں کو اپنے بیان میں جگہ دی ـــــ مومن نے اگر فارسی ترکیبیں استعمال کیں تو اوروں سے کوئی الگ کام نہیں کیا ۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مومن نے ترکیبوں کے پرانے سرمائے پر انحصار نہیں رکھا ، مطلب کو ادا کرنے کے لیے نئی ترکیبیں بھی تخلیق کیں ۔ ان میں سے بعض تو زمین شعر میں بہت اچھی طرح پیوست ہوتی ہیں مگر بعض اچھی طرح جمی ہوئی معلوم نہیں ہوتیں ۔ جو اچھی طرح پیوست نہیں ہوتیں ان کی وجہ سے شعر صوتی طور پر ناہموار اور ناگوار سا ہو جاتا ہے ۔ مگر مومن کی نظر صورت پر نہیں ، غرابت پر ہے اور مومن کی تخلیقی استعداد کا یہ خاصا ہے کہ وہ غرابت کی جستجو میں رہتی ہے ۔ یہ جستجو ہر قسم کے اشعار میں موجود نظر آتی ہے ۔ ہاں سطح پر ان کی غزل میں بیان کی کئی شکلیں ہو جاتی ہیں ۔ بعض اشعار صاف ہوتے ہیں ، بعض میں پیچ ہوتا ہے ، کہیں زبان مشکل اور کہیں صاف و سادہ ہوتی ہے ۔

سے ، غرض مضمون ادا کرنے کا طریقہ براہ راست نہیں ، اس میں
کچھ نہ کچھ پیچا پیچی ضرور ہوتی ہے ؛ اور کچھ نہ ہوا تو فارسی
ترکیبوں سے اور ان میں مسلسل اضافتیں لا کر ہی بیان میں
رعب یا غرابت کا اثر پیدا کرتے ہیں ۔ ایک عام صورت یہ ہے
کہ مضمون کی کچھ کڑیاں محذوف ہوتی ہیں ۔ سرسری طور سے
پڑھنے والے کو پہلی مرتبہ پڑھنے سے بسا اوقات شعر عجیب سا
معلوم ہوتا ہے مگر شعری لوازم کی جن لوگوں کو تربیت حاصل
ہے وہ بہت آسانی سے تھوڑے ہی تامل سے شعر کے مفہوم تک رسائی
حاصل کر لیتے ہیں ۔ مثلاً اس شعر میں :

جیب درست لائق لطف و کرم نہیں
ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں

راز نہاں زبان اغیار تک نہ پہنچا
کیا ایک بھی ہمارا خط یار تک نہ پہنچا

مضمون واضح ہے لیکن اس میں ایک خلا ہے جس کو پر کرنے
کے لیے پرپیچ طریقہ اختیار کیا گیا ہے ۔ اس سے کہیں ابہام کی قبیح
صورتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں ، لیکن ایسے اشعار شاذ ہوں گے جن
میں حقیقت کو مسخ کیا گیا ہو ۔

اس بنا پر میری رائے یہ ہے کہ مومن کے اس طریقے کو ان
پرانی اصطلاحوں (مضمون آفرینی ، معنی یابی وغیرہ) کے ذریعے سے
ظاہر نہ کیا جائے تو مناسب ہوگا ، اس سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے ۔

آسانی کی خاطر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مومن لطیف ابہام
اور رمز و اشارے سے کام لے کر اپنی اختراعی ذہانت کا ثبوت
دیتے ہیں اور دوسری طرف قارئین کی ذہانت کا بھی ہلکا سا (اور
انبساط بخش) امتحان لے لیتے ہیں ـــــ ذہانت کی یہ آزمائش پڑھنے

کے کلام میں ایک اور صورت میں نمودار ہوئی یعنی مضمون آفرینی کے ساتھ ساتھ فلیسفیانہ دقت آفرینی ۔ پہلے تو عبارت سمجھنی مشکل تھی ، اب مطلب بھی لاینحل ہو گیا ۔ بیدل کے یہاں جوش زندگی نے کچھ سہارا دیا اور مطالب کے اظہار کے لیے ترکیب تراشی کا فن بھی انھیں آتا تھا ، اس لیے وہ بچ گئے ، باقی لوگوں کی شاعری محض گورکھ دھندا بن گئی ۔

یہ سارے اسالیب مومن کی دلی میں لوگوں کو مرعوب کیے ہوئے تھے ۔ ان سب کا مقصد کلام کو غیر معمولی بنانا تھا اور یہ سب اظہار سے زیادہ اخفا کے وسیلے تھے ۔ اب رہے مومن ، اگر غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ ان کے یہاں مضمون آفرینی اور نازک خیالی کی قبیح صورتیں بہت کم ہیں ۔ ناسخ اور بیدل کے رنگ کا امتزاج غالب کے یہاں بھی ایک نمایاں خصوصیت پیدا کرتا ہے مگر غالب اس کی قباحتوں سے مغلوب نہیں ہوئے ۔ مومن کے کلام میں بھی یہ بہت کم ہوتا ہے کہ مضمون حقیقت سے بہت دور چلا جائے یا حقیقت سراسر منقلب ہو جائے ۔ ان کے یہاں اخفا کی ہر کوشش لطافت اظہار کا کوئی پہلو لیے ہوئے ہے ۔

مومن کے طرز سخن کو مضمون آفرینی اور نازک خیالی جیسی اصطلاحوں کی مدد سے متعارف کرانا بہت سی غلط فہمیوں کا باعث ہوا ہے ۔ مومن کے طرز کی ایک خصوصیت جو کبھی خرابی بھی بن جاتی ہے ، یہ ہے کہ وہ خیال کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ قاری کی ذہانت کے لیے اس میں تھوڑا بہت چیلنج ضرور ہوتا ہے ۔ وہ بات کو چھپا کر ظاہر کرتے ہیں ۔ کبھی حذف سے ، کبھی پیچ سے ، کبھی نقیض سے ، کبھی متضاد حقیقتوں کو بیان کرکے ، کبھی اشاروں اور رمزوں میں ، کبھی کنایے کے استعمال

کے ماحول کے اس دور میں ایک اور چیز بھی سامنے آئی ؛ وہ تھی زبان کی شستگی اور روزمرہ کی صفائی - یہی زبان ذوق کی دھلی میں مقبول ہوئی - ذوق کی شاعری کو کوئی کچھ ھی کہے ، ان کی زبان کو سبھی شاعر (غالب و مومن بھی) تسلیم کرنے پر مجبور تھے - مومن پر یہ اثر بھی ھے ، اگرچہ یہ ان کا مابہ الامتیاز نہیں - مگر یہاں بھی وہ مرعوب ھو کر نہیں چلے - اپنا رنگ برقرار رھا ھے -

مومن کے طرز کلام میں یہ ساری لہریں ملی جلی نظر آتی ھیں - مولوی ضیاء احمد بدایونی لکھتے ھیں : ”غزل میں نازک خیالی ، معاملہ بندی اور سوز و گداز میں مومن اپنے تمام معاصرین میں فائق ھیں“- مگر یہ مضمون آفرینی ھے کیا ؟ یہ ایک طرز سخن ھے جس کے ذریعے شاعر ایسے مضامین گھڑتے ھیں جو حقیقت سے یا تو بالکل خارج ھوں یا اس سے دور ترین فاصلے پر ھوں - یہ طرز سخن فارسی شاعری میں بھی ایک زمانے میں مقبول رھا ھے - اس مضمون کی بنیاد مبالغے پر رکھی جاتی تھی - کسی استعارے کے کسی ایک پہلو کو مد نظر رکھ کر ایسا مضمون پیدا کیا جاتا تھا کہ مضمون حقیقت کی حد سے بہت دور جا نکلتا تھا ، بلکہ بعض اوقات حقیقت کی ضد بن جاتا تھا - اردو شاعروں میں ناسخ کی شاعری میں حقیقت سے دوری کی حد بہت دور چلی گئی ھے -

مضمون آفرینی اور معنی یابی کا ھندوستان میں فارسی کے چند شعرا نے بہت چرچا کیا - جلال ، اسیر اور شوکت بخاری کے مبالغے جب ناصر علی سرھندی تک پہنچے تو بات کا سمجھنا محال ھو گیا - حقیقت کی تصویر الٹی بھی لٹکا دی جاتی تو کوئی مضایقہ نہ تھا ، یہاں تو یہ کوشش کی گئی کہ عجیب الخلقت پیکروں کی تخلیق کی جائے جو زندگی میں کسی طور پہچانے ھی نہ جائیں - یہ روشِ بیدل

رنگ ، سر پر لمبے گھونگر والے بال ، اور ہر وقت انگلیوں سے ان
میں کنگھی کرتے رہتے تھے ۔ میں نے انھیں نواب اصغر علی خاں اور
مرزا خدا بخش قیصر کے مشاعروں میں غزل پڑھتے ہوئے سنا تھا ۔
ایسی دردناک آواز میں دل پذیر ترنم سے پڑھتے تھے کہ مشاعرہ
وجد کرتا تھا ۔ اللہ اللہ اب تک وہ عالم آنکھوں کے سامنے ہے ۔
باتیں کہانیاں ہو گئیں ۔"

گھونگر والے بال ، دردناک آواز ، دل پذیر ترنم ، عشق و عاشقی
کی عام باتوں کا ذکر جن کا ذوق ہر فرد بشر کو ہے ، اور اس پر
وہ چونکا دینے والا انداز بیان کہ ہر شخص سوچنے پر مجبور ہو اور
جلد مطلب کو بھی پا لے ، یہ سب باتیں مومن کی شخصیت کے الگ
تشخص کے لیے کافی تھیں ، اور ان ہی کی بنا پر وہ اس دور کی
بڑی بڑی شخصیتوں میں مقام حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہوئے
اور جب محمد حسین آزاد نے انھیں نظر انداز کرنا چاہا تو وہ
نظر انداز نہ کیے جا سکے ۔

اب انداز بیان کی بات سنیے ۔ دھلی کے دور دوم کی شاعری پر
شاہ نصیر کے علاوہ لکھنؤ کے شعرا خصوصاً امام بخش ناسخ کے
طرز کلام نے خاص اثر ڈالا ۔ شاہ نصیر نے لفظوں کی موسیقی اور
ردیفوں کی جھنکار سے ذوق کو خاص طور سے متاثر کیا ۔ مومن
اور ذوق کا مزاج مختلف تھا ، پھر بھی شاہ نصیر کی چند دن کی
شاگردی کا کچھ نہ کچھ اثر ھوا ۔ شاید "تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو"
کی طرح کی ردیفیں ان ھی کے اثر کا نتیجہ ھیں ۔ مومن پر ناسخ کا
نصیر سے بھی زیادہ اثر ھوا ۔ ناسخ کی مضمون آفرینی اور رعب دار
طرز بیان سے غالب بھی عرصے تک مرعوب رہے ۔ مومن کے
طرز بیان میں بھی ناسخ کے اثرات ابھرے ہوئے معلوم ھوتے ھیں ۔
مگر ان اثرات کو مومن کے مزاج نے اپنا رنگ بخش دیا ہے ۔ دھلی

اجتماعی زندگی کا یہ تصور موجود نہیں -

ان سب باتوں کے باوجود مومن کی انفرادیت سے انکار نہیں ہو سکتا - وہ ایک منفرد شخصیت رکھتے تھے اور انھیں اپنی شخصیت کو ممتاز رکھنے کا احساس بھی تھا - اس کا ثبوت ان کے وہ اشعار ہیں جن میں انھوں نے اپنی شاعری کی خود تعریف کی ہے - تفاخر کی رسم ہمارے ادب میں کوئی نئی رسم نہیں - جاھلی عربوں کے فخریہ اشعار سے لے کر غالب تک اکثر شاعروں نے تعلی کی ہے - مگر بعض جگہ یہ تعلی زیب دیتی ہے اور بعض جگہ بری معلوم ہوتی ہے - پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تعلی بے سبب ہوتی ہے - کم از کم مومن کے معاملے میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کے گہرے اسباب ہیں اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انھیں اپنی انفرادت کو محفوظ کرنے کے لیے ایک مستحکم قلعے کی ضروت تھی - بہت سے علوم و فنون کا ماہر؛ طب ، نجوم ، جفر ، رمل ، موسیقی اور عربی فارسی کا اچھا خاصا علم اپنی ذہانت اور طبیعت داری کے ساتھ صف عام میں کس طرح بیٹھ سکتا تھا انھیں اس صف سے بلند ہونے کے لیے جدا امتیازات کی ضرورت تھی - قلعۂ شاھی ذوق کے ھاتھ میں تھا ، فارسی کی اقلیم غالب نے سنبھال رکھی تھی - مومن کی جستجو نے ان کے لیے ایک اور راستہ تجویز کیا ، یعنی دلی کی شاعری میں رنگ لکھنو کی نمود - ایک الگ اور انوکھا انداز بیان جس میں فارسیت بھی اپنا نقش جمائے ہوئے ہے اور محاورۂ دھلی بھی کہیں کہیں جھانک رہا ہے - جب اس طرز بیان میں لکھی ہوئی غزل مشاعرے میں پہنچتی ہوگی تو سنانے والا (مومن) واقعی دوسرے شاعروں سے برتر نہ سہی ، الگ الگ معلوم ہوتا ہوگا - چنانچہ آزاد نے شہادت دی ہے :

''رنگین طبع ، رنگین مزاج ، خوش لباس ، کشیدہ قامت ، سبزہ

مومن کے کلام میں غم کی کیفیت ایک لطیف احتجاج اور ایک شکایت رنگین کا درجہ رکھتی ھے :

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس
آسماں بھی ھے ستم ایجاد کیا
کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ھے جی
آشیاں اپنا ھوا برباد کیا

مومن کے کلام میں شکایت رنگیں کی جو صورت ھے اس میں شدید افسردگی اور اضمحلال کی چبھن نہیں - مومن کے قلم کی نوک یوں بھی گہری نہیں جاتی ؛ چناں چہ ، فلسفہ و فکر کا کوئی رنگ ان کے یہاں نہیں - ہماری شاعری کو تصوف نے جو فکری رنگ عطا کیا ھے ، مومن کے کلام میں وہ فکری رنگ بھی نہیں - ان کا کلام ان کی اختراعی ذھانت کے نمونے پیش کرتا ھے مگر تجزیۂ حقائق کی شکلیں بہت کم ھیں اور وہ چیز بھی بطور خاص موجود نہیں جسے سماجی شعور کہا جاتا ھے - مومن کے کلام میں بلاشبہ مذھبی عقیدوں کا ذکر ھے اور اس کے تحت اس جہاد کے اشارے بھی ھیں جو ان کے مرشد حضرت سید احمد بریلوی کر رھے تھے - مگر یہ بھی مذھبی عقیدے کی ایک شکل ھے - اس طرح کا (خواہ بدلی ھوئی صورت میں کیوں نہ ھو) سماجی شعور اردو کے ھر شاعر کے کلام میں کم و بیش مل جاتا ھے - وہ بھرپور سماجی شعور جو سماج کے گہرے حقائق کی معرفت سے ابھرا ھو اور گہرے طور پر محسوس کیا گیا ھو ، مومن کے کلام میں موجود نہیں ، البتہ مذھبی احساس نمایاں نظر آتا ھے - کسی واقعے کی طرف سرسری اشارے کو سماجی شعور نہیں کہا جا سکتا کیونکہ بھرپور سماجی شعور ساری اجتماعی زندگی کے مطالعہ و تجربہ سے ابھرا کرتا ھے جس سے اجتماعی نفسیات کے راز آشکارا ھوتے ھیں - مومن کے یہاں

تہذیب کی عنان کو تھامنے کی خاطر یا اس کی مجبوری سے مومن نے رمزی اور کنائی پیرایہ اختیار کیا تاکہ جو بات کہی جائے اس میں رکھ رکھاؤ اور پردہ باقی رہے - یہی پردہ داری اور بے پردگی مومن اور جرأت کے مابین ایک حد فاصل ھے -

بس کہ اک پردہ نشیں کے عشق میں ھے گفتگو
بات بھی کرتے نہیں جز صنعت ایہام ھم

مومن کی شاعری کا پر لطف حصہ وھی ھے جس میں انھوں نے عاشقانہ معاملات کو رمزی پیرایے میں بیان کیا ھے - انھوں نے حسن کی ستائش اکثر کی ھے مگر دل پر گزرنے والی کیفیتوں کی ترجمانی سے بھی قلم کو روکا نہیں - خارجی کوائف حسن و عشق کا بیان اور داخلی تاثر کی ھلکی ھلکی چاشنی اور اس کے لیے رمزی پیرایہ ان تینوں عناصر کے امتزاج سے مومن کی شاعری میں ایک مستقل شخصیت نمودار ھوئی ھے -

مومن کی شاعری میں زلف و رخ ، قد و گیسو اور سرمہ و حنا کا ذکر بہت ھے - رنگینیوں کے اس ھجوم میں خوش دلی اور شادابی کی لہر قدرتی طور پر ابھری ھوئی ھے - مگر گاھے گاھے قفس و آشیاں کے غم کی بھی ھلکی ھلکی خلش محسوس ھوتی ھے - بے نصیبی کا گلہ اور شکایت ستم آسماں ھماری شاعری کا ایک عام مضمون ھے لیکن مومن کے یہاں یہ مضمون محض رسمی معلوم نہیں ھوتا ، اس میں کچھ اصلیت بھی دکھائی دیتی ھے - غم کی تعمیری اھمیت اور ناگزیر حیثیت کسی مخلص شاعر (یا مخلص انسان) سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی - غم و شادی زندگی میں باھم دست بدست چلتے ھیں لیکن خوش دلی کے مسلک میں غم کی اھمیت کچھ اور بھی بڑھ جاتی ھے - غم نہ ھو تو سینے ویران محلوں کی مانند بے رونق اور بے رنگ ھو جائیں ، زندگی کے باغ کے لیے غم کی آبیاری لازمی ھے -

موازنوں سے بڑی پریشانی ہوتی ہے ۔ مومن اور جرأت کی زندگیاں مختلف تھیں اور ماحول بھی مختلف؛ محض اس وجہ سے کہ مومن نے وہ غزل لکھ دی جس کا مطلع ہے :

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مومن کو جرأت کا ہم رنگ کہہ دینا محض عجلت فکر ہے ۔ مولانا محمد حسین آزاد اردو فارسی ادب کے رمز آشنا نقاد ہیں ۔ ادب و لحاظ ان کی طبیعت کا خاصہ ہے ۔ ناگواری کے باوجود دل جوئی کا انداز ان کے قلم کی کشادہ دلی اور شیریں زبانی کا کرشمہ ہے ۔ وہ تو یہ فرماتے ہیں کہ " ان میں (یعنی غزلوں میں) معاملات عاشقانہ عجب مزے سے ادا کیے ہیں، اس واسطے جو شعر صاف ہوتا ہے اس کا انداز جرأت سے ملتا ہے اور اس پر وہ خود بھی نازاں تھے ۔" اس بیان کو غور سے پڑھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولانا آزاد جرأت اور مومن کی وقتی اور گاہے گاہے کی مماثلت کا ذکر فرماتے ہیں ، " اس لیے یہ کہا ہے کہ جو شعر صاف ہوتا ہے اس کا انداز جرأت سے ملتا ہے" ۔ جو شعر صاف نہیں اس میں وہ جرأت سے الگ ہیں اور غالباً مومن کا اکثر کلام (خصوصاً طرز ادا کے لحاظ سے) جرأت سے مختلف ہے ۔

جرأت نے معاملات عشق پر آزادانہ لکھا ہے ، اور رندی و شاہدبازی کے خارجی احوال پر خاص توجہ کی ہے ۔ مومن نے بھی معاملات عشق بیان کیے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ مومن نے لکھنو کی خارجیت پر دھلی کی متانت کا رنگ چڑھا دیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ فرق معمولی فرق نہیں ۔ جناب امداد امام اثر نے غلط نہیں لکھا کہ " اس پر بھی جوانانہ انداز کے ساتھ تہذیب کی عنان کبھی ھاتھ سے نہیں دیتے ۔"

ہوتا ہے کہ مومن کی عاشقی میں کوچہ گردی سے مراد وہ کوچہ نہیں ہوگا جہاں ہر کوئی پہنچ سکتا ہے کیوں کہ اس کوچے میں راز داری کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ جہاں سب کے راز سب پر ظاہر ہوں وہاں راز کوئی راز نہیں رہتا۔ مومن کا بازار حسن ایسے کوچوں سے متعلق معلوم ہوتا ہے جہاں راز بہر حال راز ہے۔

اس کے باوجود مومن کی شاعری میں عاشقی کی وہ فضا بھی ہے جو شاہدان بازاری سے مخصوص ہے۔ رقیب بھی ہے، غماز بھی ہے، ناصح بھی ہے، تماشاے عام اور ہجوم عشاق بھی ہے۔ یہ سب کچھ بازاروں میں ہوتا ہے اور مومن کی غزل میں یہ نقشے بھی ہیں لیکن اکثر باتیں رسمی اور روایتی انداز میں بیان ہوئی ہیں۔ اگرچہ یہ باور کرانے کے لیے وزنی اور معقول وجوہ درکار ہیں۔ اور یہ تو تسلیم ہی ہے کہ مومن کی زندگی کا ایک دور اس کوچے میں بھی بسر ہوا؛ چناں چہ کریم الدین نے گواہی دی ہے کہ "بہت خلیق، حلیم اور ظریف آدمی ہیں۔ ابتدا میں تمام اوقات شعرگوئی اور لہو و لعب دنیا میں صرف کرکے تمام مزے عیاشی کے اٹھا کر اب توبہ کی بلکہ شعر کہنا بھی چھوڑ دیا۔" اس لیے اس کوچے کی باتوں کا بھی ان کی شاعری میں آ جانا محل تعجب نہیں۔ پھر بھی پردہ نشین کا خاص اہتمام سے متواتر ذکر یہ ظاہر کرتا ہے کہ انھیں محبت کا غم اور اس غم کی محبت کسی ایسے ہی کوچے سے ارزانی ہوئی ہوگی جہاں نارسائی اور ناتمامی کے کانٹے بھی بچھے ہوئے تھے۔ اس ناتمامی کا احساس ان کی غزلیات میں موجود ہے۔ ان کا لہجہ ان کی دبی دبی جھنجلاہٹ کا پتا دیتا ہے، جیسا کہ انداز بیان کے ضمن میں میں نے واضح کیا ہے۔

مولانا آزاد اور بعض دوسرے مقتدر اہل قلم نے مومن کے ذکر کے ساتھ جرأت کی معاملہ بندی کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس قسم کے

کیوں لگے دینے خط آزادی
کچھ گنہ بھی غلام کا صاحب[1]

تو یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہتی کہ وہ امۃالفاطمہ صاحب کا ذکر فرما رہے ہیں ۔ شیفتہ کو بھی اس کا سب حال معلوم تھا اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی یہ جانتے تھے مومن کی شاعری میں پردہ نشین کا ذکر بار بار آتا ہے ۔ اور بعض اہل قلم کو اس کے سمجھنے میں دشواری پیش آئی ہے ، لیکن ظاہر ہے کہ پردہ نشین سے مراد مومن کے وہ محبوب ہیں جن کے نام مومن ظاہر کرنا نہیں چاہتے ، اس کے باوجود ان کو ظاہر بھی کرنا چاہتے ہیں ۔ اس خصوصیت کے اظہار کے لیے مومن نے پردہ نشیں کی اصطلاح وضع کی ہے :

عشق پردہ نشیں میں مرتے ہیں
زندگی پردہ در نہ ہو جائے

پردے کی کچھ حد بھی ہے پردہ نشیں
کھل کے مل بس منہ چھپانا چھوڑ دے

بس کہ پردہ نشیں پہ مرتے ہیں
موت سے آئے ہے حجاب ہمیں

مومن کی مثنویات سے ان کے مذاق عاشقانہ (یا مزاج عشق) کا پتا چلتا ہے ۔ راز داری ، چھپ چھپ کر ملنا اور راز کا افشا ہونا یہ چیز ان کی عاشقانہ مثنویوں میں مشترک ہے ۔ اس سے یہ اندازہ

---

۱ - اس ساری غزل میں صاحب کا لفظ آیا ہے ۔ بہ‌ظاہر تمام اشعار میں امۃ الفاطمہ المتخاص بہ صاحب سے خطاب معلوم نہیں ہوتا مگر صاحب کا بہ کثرت استعمال ظاہر کرتا ہے کہ کنایتاً صاحب ہی منظور ہیں ۔

اور بہ قول شیفتہ ، شیفتہ خود بھی محرک ہوئے ہیں ۔ یہ سب ٹھیک ہے لیکن شیفتہ کے قول سے یہ نتیجہ بھی نکالا جا سکتا ہے کہ مومن کی شاعری وقتی اور واقعاتی ہے ۔

یہ خاص واقعات کیا تھے ؟ ان کے حالات زندگی سے جو کچھ معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ انھوں نے عاشقی بھی کی اور مجاہدی کا دم بھی بھرا ۔ ان کی غزل اور مثنوی میں اس عاشقی اور مجاہدی کے نقوش ملتے ہیں ؛ چنانچہ غزل میں ان خاص واقعات کو عام بنا کر اور مثنوی میں ان واقعات کو بجنسہ منتقل کر دیا ہے ۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ انھوں نے غزل میں جو کچھ کہا ہے اس میں وہ دوسرے شاعروں کی طرح بہت اونچے نہیں اڑے ، زمین کی باتیں بر سر زمین ہی کی ہیں ۔ صوفیانہ عشق کے بندھنوں سے ان کی غزل خالی ہے ۔ ان کا یہ عشق عام انسانی سطح کا عشق ہے ۔ امداد امام اثر اس کو کوچہ گردی کہتے ہیں ۔مگر انسانی سطح کے عشق میں کوچہ‌گردی تو ہوتی ہی ہے ، اور اگر کوچہ‌گردی کو برا بھی سمجھ لیا جائے تو مومن کے حق میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی عاشقی اقرار و اعتراف کے شرف سے مشرف ہے ۔ انھوں نے جس قسم کی عاشقی کی اس کو چھپایا نہیں اور مثنویات میں تو سب کچھ صاف لکھ دیا ہے بلکہ غزل میں بھی رمزیت کے پورے نقاب کے باوجود وہ اپنے محبوب کا اتنا پتا صحیح بتا دیتے ہیں ۔ جب وہ کہتے ہیں :

مجھے پہنچا دو میرے صاحب تک
کہ غلام گریز پا ہوں میں

یا یہ فرماتے ہیں کہ :

انصاف کرو خدا سے رکھتے ہو عزیز
وہ جاں جسے کرتے تھے بتوں پر قرباں

انھوں نے ایک سے کدے کی بنیاد کی تاریخ بھی لکھی :

خوش وقت رائے مے کدۂ نو بنا نہاد
خوش وقت مے کشاں بزندان شوق اسیر
من از خمار حسرت تاریخ پا بہ گل
اندیشہ رقص ھا زدہ مستانہ در ضمیر

مگر سچ تو یہ ھے کہ بوالعجبی انسان کی تقدیر ھے - جو لوگ زندگی کو حساب کا سوال سمجھتے ھیں اور اس فارمولے سے زندگی کی میزان اور حاصل ضرب کو ٹھیک بٹھانا چاھتے ھیں ، وہ اکثر پریشان رھتے ھیں کہ ھائیں ! ایک ھی شخص بیک وقت اتنا رند اور پھر اتنا نیک بھی ، لیکن یہ ان کی بھول ھے - نیکی اور آزادی انسان کے خمیر میں کچھ اس طرح ملی جلی اور گھلی ملی نظر آتی ھے جیسے تانے بانے میں سرخ دھاگا زرد دھاگے کے ساتھ ساتھ چلتا ھے - ان دھاگوں کو الگ الگ کرنے سے دھاگے تو الگ ھو جائیں گے مگر انسانی شخصیت کی قبا تار تار ھو جائے گی - مومن تو مومن صورت پرست تھے ، کسی معنی پرست کی زندگی میں بھی یہ تجرید ممکن نہیں -

شیفتہ نے گلشن بے خار میں مومن کے متعلق لکھا ھے :

" با این ھمہ صفات کہ مذکور شد بے تحریک محرکے بہ فکر سخن نمی پردازد ؛ چناں چہ اکثر کلامش بخواھش داعی آثم صورت ظہور گرفتہ -"

معلوم نہیں اس سے شیفتہ کا مطلب کیا ھے ، شاید یہ کہ مومن کی شاعری کا بیشتر حصہ کسی تحریک کا ممنونِ احسان ھے

حق دار بن جاتا ہے ۔

مطالعۂ مومن کی یہ صورت اتفاق سے نکل آئی ہے[1] اور میں اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مطالعے کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں :

(۱) شخصیت کا انعکاس شاعری میں ۔
(۲) طرز بیان ۔
(۳) رتبہ ۔

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ مومن کی شخصیت مختلف اور متضاد عناصر سے مرکب تھی ۔ ایک طرف فنون لطیفہ کا ذوق ، طب میں دست گاہ ، رمل اور جفر کا شوق ، پھر شاعری اور اس پر عاشقی ، اور دوسری طرف جذبۂ جہاد اور جوش مذہبی ۔ مومن نے زندگی کے تجربوں میں ان تضادوں کو کچھ اس طرح جذب کر لیا تھا کہ یہ تضاد برے معلوم نہیں ہوتے ۔ عام طور سے نیکی اور خوش وقتی کا اجتماع ذرا مشکل ہی سے ہوا کرتا ہے لیکن مومن کی زندگی میں یہ اجتماع ہوا ۔ غور فرمائیے کہ جو شخص یہ کہہ رہا ہو :

مرا حیرت زدہ دل آئنہ خانہ ہے سنّت کا

یا

جلد مومن لے پہنچ اس مہدیٔ دوراں تلک

یا

مومن تمھیں کچھ بھی ہے جو پاس ایماں
ہے معرکہ جہاد چل دیجے واں

۱۔ نگار کے مومن نمبر میں نیاز صاحب نے مومن کا جس طرح تعارف کرایا ہے ، وہ اتنا تسلی بخش ہے کہ اب قلم اٹھانے کی ضرورت نہ تھی لیکن مقدمۂ کلام مومن لکھنے کی مجبوری پیش آ گئی ۔

(۲)
کلام مومن

آتش نے کہا تھا : ع

''غزل کہتے نہیں ہم ایک گھر آباد کرتے ہیں ۔''

آتش نے غزل کا گھر آباد کیا اور کس طرح کیا ، اس حقیقت سے تو سبھی باخبر ہیں مگر جب مومن نے کہا : ع

مومن نے اس زمین کو مسجد بنا دیا

تو یہ بات کسی کی سمجھ میں آئی اور کسی کی سمجھ میں نہ آئی ۔ مومن کا مطلب تو صاف ہے کہ میری غزل کے سامنے سب کے سر احترام سے اسی طرح جھک جاتے ہیں جس طرح مسجد میں لوگوں کے سر جھک جاتے ہیں ۔ مگر اس شاعرانہ دعوے کی حقیقت تشریح کی محتاج ہے ۔

مومن کے مصرع مذکور میں مسجد کا استعارہ ان کے مذہبی خلوص کا بھی آئینہ دار ہے لیکن اس سے زیادہ ہم اسے ان کے شعری خلوص یا جذباتی سچائی کا آئینہ دار کہہ سکتے ہیں ۔ مومن آخر وہی تو ہیں جن کے قلم نے اردو غزل کو ''پردہ نشین'' کے استعارے سے روشناس کرایا اور یہ سمجھایا کہ محبت صرف بازار حسن ہی میں نہیں ہوتی ، اس کا گزر چلمن کی تیلیوں کے پیچھے بھی ہو سکتا ہے ؛ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مومن نے کچھ نئی باتیں اور انوکھے خیالات ہمیں دیے اور جب اس قسم کا کوئی انکشاف کسی شاعر کے بارے میں ہو جاتا ہے تو وہ توجہ کا

موزوں نہ تھا۔

مثنویات وصف الحال ہیں لیکن مثنوی نگاری میں قصہ پن نہیں پیدا کر سکے ، سیدھی سادی سپاٹ روداد عشق ہے ، بعض جگہ جزئیات نگاری اچھی کی ہے ۔

رباعیات بھی لکھی ہیں لیکن ان میں کوئی خاص بات لائق ذکر نہیں ۔

ان کی واسوخت مشہور ہے ، یہ رنگ ان کی طبیعت کے مطابق تھا اس لیے اس میں قلم خوب رواں ہوا ہے ۔

ان کی فارسی شاعری معمولی ہے ، مگر اس سے ان کی استعداد کا پتا چلتا ہے ، ذہانت اس میں بھی ہے ۔

مومن کے شاگردوں میں اور لوگوں کے علاوہ شیفتہ مصنف ''گلشن بے خار'' بھی تھے اور امۃ الفاطمہ 'صاحب جی' تھیں جو ''قول غمیں'' کا موضوع ہیں ۔

مومن پر کام کرنے والوں میں پرانے تذکرہ نگاروں کے علاوہ نیاز فتح پوری (نگار ، 'نیاز نمبر' کے مرتب) عرش گیاوی (حیات مومن کے مصنف) ضیاء احمد ضیا بدایونی (دیوان مومن کے مرتب) نواب جعفر علی خاں اثر ۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی (مصنف مومن و مطالعۂ مومن) اور جناب کلب علی خان فائق (مصنف مومن) ممتاز ہیں ۔

ترجیع بند ، ترکیب بند اور مثنویات بھی ہیں ۔
مثنویات میں دو منظوم خط اور مندرجہ ذیل مثنویاں ہیں :
(۱) شکایت ستم ۔ (۲) قصۂ غم ۔ (۳) قول غمیں ۔ (۴) تف آتشیں
(۵) حنین مغموم ۔ (۶) آہ و زاریٔ مظلوم ۔ (۷) مثنوی جہادیہ
اور دو تین اور منظومات ہیں ۔

۲ ۔ دیوان مومن فارسی : مرتبہ حکیم احسن اللہ خاں ۔

۳ ۔ انشائے مومن خاں (فارسی) : مرتبہ حکیم احسن اللہ خاں
مطبوعہ ۱۲۷۱ھ ۔

ان تصانیف کے علاوہ جان عروض ، شرح سدیدی و نفیسی ، رسالہ خواص پان اور غیر مطبوعہ کلام مومن کا بھی ذکر آتا ہے ۔

مومن کے وضع و لباس کا ذکر کئی معاصر تذکروں میں آیا ہے : رنگین طبع ، رنگین مزاج ، خوش وضع ، خوش لباس کشیدہ قامت ، سبزہ رنگ ، سر پر لمبے لمبے گھونگر والے بال جن میں ہر وقت انگلیوں سے کنگھی کیا کرتے تھے ، ململ کا انگرکھا ڈھیلے ڈھیلے پائنچے ، اس میں لال نیفہ بھی ہوتا تھا ۔

مومن عاشقانہ طبیعت رکھتے تھے ، مزاج میں زود مشتعل جذباتیت تھی ۔ شاعری کی ابتدا بچپن ہی سے ہو جانا ذہانت اور شدت جذبہ کا ثبوت ہے ۔ انھوں نے اپنی محبت کے جو قصے اپنی مثنویوں میں خود بیان کیے ہیں ان سے طبیعت کی آزادی اور وارفتگی کا حال معلوم ہوتا ہے ، لیکن ذہنی طور پر بعض مذہبی عقائد سے خاص دلچسپی ہمیشہ رہی ۔ حضرت سید احمد بریلوی کو مہدی دوران سمجھتے تھے ۔ آخری عمر میں نماز روزے کے پابند ہوگئے تھے ۔

دہلی کو چھوڑ کر سہارنپور ، سہسوان ، بدایوں ، رام پور جہانگیر آباد بھی گئے لیکن مستقلاً دلی کو چھوڑ نہ سکے ۔

قصیدے بھی لکھے لیکن مزاج قصیدہ نگاری کے لیے بطور خاص

مومن خاں نے طب سے زیادہ شاعری کو اپنا پیشہ بنایا ۔ اس کے علاوہ علم نجوم و رمل میں مہارت حاصل کی ؛ چنانچہ اس کے اشارے ان کے اشعار میں موجود ہیں ۔ شطرنج میں شہر کے اچھے ماہرین میں شمار ہوتے تھے ۔ موسیقی میں بھی کمال حاصل کیا اور تعویذ نویسی اور عملیات میں بھی دخل تھا ۔

شاعری کا مشغلہ اوائل عمر ہی میں شروع ہوگیا تھا ۔ فائق کی تحقیق ہے کہ بارہ برس کی عمر تھی کہ ''مثنوی شکایت ستم'' (۱۲۲۷ھ) لکھی ۔ اس میں اپنی شعر گوئی کا ذکر کیا ہے ۔ ابتدا میں شاہ نصیر سے اصلاح لی ، پھر اپنا انداز خود پیدا کر لیا ۔

تصانیف :

مومن کی تصانیف یہ ہیں :

۱ ۔ کلیات اردو : مومن کا اردو کلام سب سے پہلے نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے ۱۲۴۳ھ میں جمع کیا اور اس پر ایک دیباچہ لکھا ۔ یہ دیوان پہلی بار باہتمام مولوی کریم الدین مطبع رفاہ عام دہلی میں ۱۲۶۴ھ مطابق ۱۸۴۶ع میں چھپا تھا ، بعد میں اور ایڈیشن بھی نکلے ۔

دیوان مومن کا ایک اور نسخہ عبدالرحمان آہی نے ترتیب دیا جو ۱۸۷۳ع میں پہلی بار مطبع نول کشور میں چھپا ۔ دیوان مومن مرتبہ ضیاء احمد بدایونی ۱۹۴۳ع میں الہ آباد سے شائع ہوا ۔

اردو کلیات میں ۹ قصیدے ہیں ۔ حمد ، نعت ، منقبت خلفائے راشدین ، منقبت حضرت امام حسن ، وزیر الدولہ نواب محمد وزیر خان والئ ٹونک ، مدح راجا اجیت سنگھ برادر راجا کرم سنگھ رئیس پٹیالہ ۔

غزلیات کے علاوہ فردیات ، قطعات رباعیات ، مستزاد ، مسمطات،

مقدمہ

(۱)

حیات و تصانیف

محمد مومن خاں ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۰ع) میں پیدا ہوئے[1] ۔ وفات ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۲ع) ۔ والد کا نام حکیم غلام نبی خاں ولد نامدار خاں تھا ۔ نامدار خاں اور کام دار خاں دو بھائی شاہ عالم ثانی کے زمانے میں کشمیر سے آ کر دھلی میں سکونت پذیر ہوئے اور شاھی طبیبوں میں داخل ھوئے ۔ روایت ھے کہ ابتدائی تعلیم شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسے میں پائی ۔ یہ مدرسہ مومن خاں کے مکان سے بہت قریب تھا ۔ یوں ان کے والد کو شاہ عبدالعزیز صاحب سے گھری عقیدت تھی، اس بنا پر بھی ان کے مدرسے میں تعلیم پانے کی روایت عام ھوئی ۔ جب بڑے ھوئے تو عربی کی ابتدائی کتابیں شاہ عبدالقادر صاحب سے پڑھیں ۔ کریم الدین کی روایت کے مطابق عربی ''شرح ملا'' تک پڑھی اور فارسی بھی خوب جانتے تھے اور حافظ قرآن بھی تھے ۔ طب جو کہ خاندانی فن تھا ، باقاعدہ پڑھی اور مطب میں نسخہ نویسی کی اور بعد میں نواب فیض محمد خاں والئی جھجر کے دربار میں تین ماہ تک شاھی طبیب رھے ، لیکن ایسا معلوم ھوتا ھے کہ

۱۔ مومن کی تاریخ ولادت کے سلسلے میں کلب علی خاں فائق نے اپنی کتاب مومن (شائع کردہ مجلس ترقی ادب لاھور) میں محققانہ بحث کی ھے ۔

حصۂ اول : غزلیات ، فردیات ، رباعیات ، مثلث ، مخمس ، تضمین ترجیع بند اور ترکیب بند ۔

حصۂ دوم : قصائد ، معمیات ، قطعات ، مثنویات ۔

''کلیات مومن'' (اردو) مطبوعہ مطبع نول کشور کے طبع اول ، دوم اور سوم وغیرہ کے علاوہ ''دیوان مومن'' و ''قصائد مومن'' مرتبہ پروفیسر ضیا احمد بدایونی اور ''دیوان مومن'' مطبوعہ مطبع جوہر ہند بھی مرتب کے پیش نظر رہے ہیں ۔ ''کلیات مومن'' پہلی بار خط نسخ میں صحت کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے ۔ محترم ڈاکٹر سید عبداللہ (پرنسپل اورینٹل کالج) کے مقدمے سے ''کلیات مومن'' کی افادیت میں اور بھی اضافہ ہوگیا ہے ۔ موصوف نے مومن کی شاعری پر نئے تنقیدی زاویوں سے روشنی ڈال کر اس عظیم المرتبت شاعر کا مقام متعین کرنے کی مستحسن کوشش کی ہے ۔

ادارہ کارکنان پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے تعاون کا شکرگزار ہے ۔

سید امتیاز علی تاج
ناظم
مجلس ترقی ادب لاہور

حرف آغاز

اردو دیوان مومن (مرتبۂ شیفتہ) کا پہلا اڈیشن ۱۸۴۶ع میں مولوی کریم الدین پانی پتی نے دھلی سے شائع کیا تھا۔ ۱۲۸۴ ھجری (مطابق ۱۸۶۷ و ۶۸ع) میں منشی نول کشور نے ''کلیات مومن'' مرتبہ عبدالرحمان آھی پسر میر حسین (جو مومن کا بھانجا، داماد اور متبنیٰ بھی تھا) پہلی بار مکمل صورت میں چھاپا۔ نول کشوری نسخے کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ھیں۔ دیوان مومن (اردو) اور قصائد مومن کو پروفیسر ضیا احمد بدایونی نے بھی صحت سے چھاپنے کی کوشش کی اور یہ نسخے بڑی حد تک اغلاط سے پاک ھیں۔ مومن کا اردو کا کچھ کلام ابھی تک غیر مطبوعہ ھے۔ نسخۂ دیوان مومن (مخطوطۂ رضا لائبریری) میں کلام کی ابتدائی شکل بھی ملتی ھے اور زائد کلام بھی۔ کوشش کی گئی تھی کہ یہ غیر مطبوعہ کلام بھی شامل ھو جائے لیکن محبی مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے اس سلسلے میں ایک مضمون قلم بند کر رکھا ھے اور تا اشاعت مضمون وہ اس کلام کی اشاعت پر رضامند نہ ھوئے، اس لیے غیر مطبوعہ کلام اس نسخے میں شامل نہ ھو سکا۔ کلب علی خاں صاحب فائق نے سہولت کے لیے ''کلیات مومن'' کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ھے۔ ترتیب حسب ذیل ھے:

حرف آغاز

از ناظم مجلس

مقدمہ

از ڈاکٹر سید عبداللہ

مثلث ، تخمیس ، تضمین ، مخمس ، مسدس ! مثمن ، ترجیع بند اور ترکیب بند :

ردیف ی

ردیف ے

ردیف و

ردیف ہ

ردیف گ

ردیف ل

ردیف م

ردیف ن

ردیف ع

ردیف غ

ردیف ف

ردیف ق

ردیف ک

ردیف س

ردیف ش

ردیف ص

ردیف ض

ردیف ط

ردیف ظ

ردیف خ

ردیف د

ردیف ذ

ردیف ر

ردیف ڑ

ردیف ز

ردیف پ

ردیف ت

ردیف ث

ردیف ج

ردیف چ

ردیف ح

ردیف ب

فہرست

غزلیات

ردیف الف

بعونِ صنائعِ مکین و مکان و بفضلِ خلاقِ زمین و زمان
۴۸
اردو کا کلاسیکی ادب
کلیاتِ مومن
جلد اوّل
از
محمد مومن خاں مومن
ناشر
مجلسِ ترقی ادب
۲- نرسنگھ داس گارڈن
کلب روڈ
لاہور

طبع اول : جولائی ، ۱۹۶۴ء

تعداد : ۲۱۰۰

ناشر : سید امتیاز علی تاج ، ستارۂ امتیاز
ناظم مجلس ترقیٔ ادب ، لاہور

مطبع : مطبع عالیہ ، لاہور

مہتمم : ظفرالحسن رضوی

سرورق : زرین آرٹ پریس ، ۶۱ ریلوے روڈ ۔ لاہور

قیمت : سات روپے

بعونِ صنّاعِ مکین و مکان بفضلِ خلاقِ زمین و زمان
۴۸
اُردو کا کلاسیکی ادب
کلیاتِ مومن
جلد اول
از
محمد مومن خاں مومن
ناشر
مجلسِ ترقیٔ ادب
۲- نرسنگھ داس گارڈن
کلب روڈ
لاہور